ی فقید المثال فکر انگیز ایمان پرور اور چشم کشا تحقیق

حبِ رسول پر اصرار کیوں؟

تحقیق و تصنیف

علامہ جاوید القادری

بانی تحریک تجدید ایمان

تحریک تجدید ایمان لندن (یو کے) فون نمبر: 0044(0)7535451697

ایک منفرد فکر انگیز ایمان پرور اور چشمِ کشا تحقیق

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر

اصرار کیوں؟

علامہ جاوید القادری

بانی تحریک تجدید ایمان برطانیہ

تحریک تجدید ایمان' برطانیہ

0044(0)7535451697

نام کتاب	:	حُبِ رسول ﷺ پر اصرار کیوں؟
مصنف	:	علامہ جاوید القادری
کمپوزنگ	:	محمد فرخ ضیاء
اہتمامِ طباعت	:	محمد افضال راجہ
برائے ایصالِ ثواب	:	والدِ گرامی راجہ لیاقت علی (سفید پوش)
		اور والدہ محترمہ ذکیہ بیگم
ناشر	:	تحریکِ تجدیدِ ایمان (برطانیہ)
مطبع	:	مطبعۃ العربیہ، پرانی انارکلی، لاہور
اشاعت بارِاوّل	:	اپریل ۲۰۱۴ء
ہدیہ	:	

انتساب

اوّلاً : خالق ومخلوق کی مشترکہ محبتوں اور چاہتوں

کی مرکز ومحور ہستی جس کی پہچان ہے

سرورِ الانبیاءؑ، خاتم المرسلین، محبوبِ کائنات وربِ کائنات

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ثانیاً : اپنے والدینِ گرامی کے نام جن کی

بے پایاں شفقتوں اور فیضِ تربیت نے مجھ جیسے

عاجز انسان سے یہ کام لیا

عرضِ ناشر

علامہ جاوید القادری کی شخصیت کسی رسمی تعارف کی محتاج نہیں ان کا تعلق پنجاب کے اس مردم خیز خطے جھنگ سے ہے جس کے بارے میں ایک صاحبِ نظر کا قول ہے کہ یہ خطہ برصغیر کا یونان ہے۔ اس خطے نے ہر دَور میں بڑے بڑے لوگ پیدا کئے ہیں۔ علم و ادب کا میدان ہو یا دین و روحانیت کا، سائنس کا میدان ہو یا شاعری کا، اس خطے کا دامن بڑی بڑی قد آور اور نابغۂ روزگار شخصیتوں سے مالا مال رہا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ اسی دھرتی کے فرزند تھے۔ حضرت مجید امجد اور نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام اسی سرزمین پر پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اور علامہ جاوید القادری اس خطے کی پہچان، اس کی شان اور اس کی آن کہے جاسکتے ہیں۔

علامہ جاوید القادری زندگی کے جس بھی شعبے سے متعلق رہے ہیں ہر شعبے میں ان کی خدمات نمایاں رہی ہیں۔ درس و تدریس کا میدان ہو یا وکالت کا، ان کی خدمات ہمیشہ اپنے ہمعصروں میں منفرد رہیں۔ علامہ جاوید القادری نے علم و ادب اور شاعری کے شعبے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی کم و بیش ۶۰ ہزار اشعار پر مشتمل منظوم سیرت ''سیرتِ طیبہ ﷺ'' کے عنوان سے تصنیف کی ہے جو ایک تاریخی کاوش ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی بھی زبان میں کسی ایک موضوع پر اتنا جامع و مبسوط اور ضخیم منظوم کلام کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ ان پر ان کے رب کا خصوصی لطف و کرم اور سرورِ انبیاء ﷺ کی نگاہِ کریمانہ کی خاص عطا ہے۔

حُبِّ رسول ﷺ علامہ جاوید القادری کا ہمیشہ سے ترجیحی موضوع رہا ہے۔ ان کی زندگی حُبِّ رسول ﷺ کے موضوع پر لکھتے، پڑھتے اور بولتے گزری ہے۔ ان کے اسی جذبۂ حُبِّ رسول ﷺ کے صدقے رب العزت نے حُبِّ رسول ﷺ کی اہمیت اور اسکی نصابِ ایمان میں حیثیت و افادیت کے حوالے سے جو یہ تحقیقی اور تاریخی کام لیا ہے اپنی مثال آپ ہے۔ آج سے کوئی چار پانچ سال پہلے تکبیر ٹی وی لندن پر ان کا ایک پروگرام ''حسنِ سیرت'' کے عنوان سے شروع ہوا تھا۔ مجھے بھی اس

پروگرام میں بطور میزبان ان کے ساتھ حُبِ رسول ﷺ کا نور اور عشقِ رسالتمآب ﷺ کی خوشبو پھیلانے میں ان کا ساتھ نصیب ہوا۔ پروگرام کو جو قبولیتِ عامہ ملی ایسی قبولیت و شہرت کم ہی پروگراموں کو ملتی ہے۔ یہ تکبیر ٹی وی لندن کا ایک منفرد اور فکر انگیز پروگرام تھا۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ براہِ راست (Live) نشر ہونے والے ان پروگراموں میں شرکت کرنے والے ناظرین و سامعین اس پروگرام اور اُس کے مشمولات پر کن حوصلہ افزا آراء کا اظہار کرتے تھے۔ علامہ صاحب نے اُس کے بعد بھی مسلسل ''حُبِ رسول ﷺ پر اصرار کیوں'' کے حوالے سے اپنی تحقیق جاری رکھی اور جب آج سے کم وبیش ایک سال پہلے مجھے علامہ صاحب نے اپنی اس تحقیق میں سے ایک باب دکھایا اور اس باب پر قدرے تفصیلاً گفتگو ہوئی تو مجھ پر موضوعِ تحقیق کے حوالے سے ایسے ایسے چشم کشا مباحث آشکار ہوئے کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ جس قدر جلد ہو اپنی تحقیق مکمل کریں اور میں انشاء العزیز آپ کی یہ تحقیق اُمت مصطفوی کے اہلِ علم تک پہنچانے میں آپ کا مکمل ساتھ دوں گا اور اس کا پہلا ایڈیشن میں اپنی طرف سے چھپوا کر اِس پُرمہک اور پُر نور تحقیق کو جہاں تک ممکن ہوا پھیلاؤں گا۔

میری اِس گذارش پر علامہ صاحب نے اپنی تحقیق پر زور وشور سے کام شروع کر دیا اور یہ تحقیق اب ایک کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اِس خدمت کو اپنے لئے بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات سمجھتا ہوں کہ اس کی اوّلیں اشاعت میرے ذریعے ہوئی۔

راجہ محمد افضال

ناظم نشرواشاعت

تحریکِ تجدیدِ ایمان، برطانیہ

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ سارا تیرا

احمد ندیم قاسمی

منزل کی طلب ہے تو رہِ مصطفیٰ ﷺ نہ بھول
لے جاتا ہے خدا کی طرف جادۂ رسول
لاؤں نہ اُن کا واسطہ گر درمیان میں
بیکار میری بندگی طاعت مِری فضول

ضیاء اللہ نیر

مصنف کے ایک دیرینہ مرحوم دوست

نہ فکر کی جولانی نہ عرضِ ہنرمندی
توصیفِ پیمبر ہے توفیقِ خداوندی

فہرست

پیش لفظ

جب سے میں نے عالم شعور میں قدم رکھا ہے سرور کائنات کے ساتھ نسبت و تعلق کے حوالے سے امت مسلمہ کو دو طبقوں میں منقسم پایا ہے۔ اس تقسیم کا آغاز کب، کیسے اور کن حالات میں ہوا یہ ایک الگ داستان ہے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس حوالے سے امت دو طبقوں میں منقسم ہے اور یہ تقسیم ہمیں نسل در نسل منتقل ہوئی ہے۔

مذکورہ طبقوں میں سے ایک طبقہ محبت رسول ﷺ کا پر جوش داعی و علمبردار ہے اور اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت سرور کائنات ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا دم بھرتا ہے۔ اس طبقے کے نزدیک حُبِ رسول ﷺ نہ صرف اصل ایمان ہے بلکہ رسالتمآب ﷺ کے ساتھ والہانہ قلبی تعلق اور آپ ﷺ کے لئے کمال درجہ تعظیم و ادب ہی روحِ دین و ایمان اور مدارِ فلاح و نجات ہے۔ اس طبقہ ملت کے فکر و عمل کے سارے پیمانے مئے عشق و محبت سے لبریز اور میخانہ محبت کا ہر میخوار عشق رسول ﷺ کے نشے میں سرشار نظر آتا ہے شاہکار ربوبیت کے سراپا اقدس فضائل و شمائل اور آپ ﷺ کے ساتھ نسبت و تعلق رکھنے والی ہر شے سے محبت اس طبقے کی پہچان ہے اور شہر مدینہ کی حاضری اس کا سب سے بڑا ارمان۔ فخر موجودات کے عشق و محبت میں فریفتگی اسکے نزدیک حاصل زندگی ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم میں فنائیت کمالِ بندگی۔ سرکار مدینہ ﷺ کے ہجر و فراق اور شوق دیدار میں مرغ بسمل کی طرح تڑپنا اسکا شعار ہے اور آپ ﷺ کے ذکر و آثار کی تعظیم اسکا سنگھار تاجدار

کائنات ﷺ کے حسن و جمال کی اسیری اسکا سوز ہے اور آپ ﷺ کی شانِ محبوبیت پر جاں نثاری اسکا گداز۔ سرکار دو عالم ﷺ کے خصائص و امتیازات پر فریفتگی اس کا انداز ہے اور آپ ﷺ کے معجزات و کمالات پر رطب اللسانی اسکا امتیاز۔ یہی وجہ ہے کہ اس طبقۂ امت سے تعلق رکھنے والے علماء و فضلاء، خطباء و مقررین اور محققین کی تصنیف و تالیف، بیان و خطاب اور تحقیق کی تان نصاب ایمان میں محبت رسول ﷺ کی اہمیت و ضرورت اور اسکی مرکزیت و افادیت پر ہی آ کر ٹوٹتی ہے۔

جبکہ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اتباع رسول ﷺ کا داعی و علمبردار ہے اور اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت آپ ﷺ کی اطاعت و سنت کا دم بھرتا ہے، یہ طبقہ نہ صرف اتباع رسول ﷺ کو دین کا ماحصل اور ایمان کی معراج قرار دیتا ہے بلکہ آپ ﷺ کی کامل اطاعت اور پیروی کو ہی مدار نجات سمجھتا ہے۔ اس طبقہ ملت کی فکر و عمل کے سارے پیمانے مئے اتباع سے لبریز اور میخانہ اتباع کے سارے میخوار نشہ اطاعت میں سرشار نظر آتے ہیں۔ حضور ﷺ کی سنتوں کا رسیا ہونا اس طبقے کی پہچان اور آپ ﷺ کے طریقوں پر جان چھڑکنا اسکا ایمان ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کے اسوہ حسنہ پر زور اسکا امتیاز ہے اور آپ ﷺ کی سیرت پر فریفتگی اسکا انداز۔ سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات کا چرچا اس کا شعار ہے اور آپ ﷺ کے اعمال پر کمر بستگی اسکا سنگھار۔ یہی وجہ ہے کہ اس طبقہ امت سے تعلق رکھنے والے علماؤ محققین اور خطباء و مقررین کا حاصل تحقیق اور خطاب و بیان کا لبِ لباب آقائے دوجہاں ﷺ کی اطاعت و اتباع کا فروغ اور آپ ﷺ کی سیرت کی پیروی ہوتا ہے۔

نسبت رسالتماب ﷺ کے حوالے سے ہر دو طبقات کے فکری و عملی خصائص اور امتیازات و ترجیحات کے بالتفصیل اظہار و بیان سے ہر گز ہر گز یہ مراد نہیں لیا جانا چاہیے کہ طبقہ اولیٰ فقط محبت رسول ﷺ ہی کی دولت سے بہرہ ور ہے اور اطاعت و اتباع رسول ﷺ کی نعمت سے اسکا دامن خالی ہے یا طبقہ ثانیہ اتباع رسول ﷺ ہی کی نعمت سے بہرہ مند ہے اور اسکے دامن میں محبت رسول ﷺ کی دولت سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہر دو طبقات کے دامن میں محبتِ رسول ﷺ اور اتباع

رسول ﷺ کی نعمتیں بحمد اللہ تعالیٰ موجود ہیں لیکن یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ طبقہ اولیٰ کے ہاں محبت رسول ﷺ پر زور زیادہ ہے اس طبقے کے نزدیک محبت و تعظیم رسول ﷺ اصل ایمان ہے بلکہ عینِ ایمان ہے جبکہ اتباع رسول ﷺ محبت رسول ﷺ کا ثمر اور منطقی نتیجہ۔ یہ طبقہ محبت رسول ﷺ کے تصور کو ایک الگ مستقل اور جداگانہ ایمانی ضرورت قرار دیتا ہے اور اسکے نزدیک محبت رسول ﷺ میں کمال حاصل کئے بغیر اتباع رسول ﷺ کے ذریعے مقصودِ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا۔ جبکہ دوسرے طبقے کے نزدیک عملاً اتباع پر زور دیا ہے اور وہ اتباع رسول ﷺ کو محبت رسول ﷺ کا عین اور اسکی عملی صورت قرار دیتا ہے، اسکے ہاں اتباع رسول ﷺ ہی روح ایمان اور اُسوہ حسنہ کی کامل پیروی محبت رسول ﷺ کی عملی صورت ہے۔ یہ طبقہ محبت رسول ﷺ کے تصور کو ایک مستقل اور جداگانہ ایمانی ضرورت کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر عملاً آمادہ نہیں اور محبت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کے تصور کو ایک دوسرے کا عین اور باہم یکدگر قرار دیتا ہے جبکہ طبقہ اولیٰ محبت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کو الگ الگ اور مستقل ایمانی ضرورتیں قرار دیتے ہوئے محبت رسول ﷺ کو اصل ایمان اور اتباع رسول ﷺ کو کمالِ ایمان کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔

میری آنکھ جس گھرانے میں کھلی اسکا تعلق بحمد اللہ تعالیٰ طبقہ اولیٰ کے ساتھ تھا۔ مجھے والدہ مرحومہ کی گود ہی میں محبت رسول کا درس ملا میرے گھر کے در و دیوار عشق رسالتماب ﷺ کی خوشبو سے معطر اور آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت کی کیفیات سے معمور تھے۔ میں نے بچپن ہی میں اپنی والدہ ماجدہ اور بالخصوص نانی جان مرحومہ کو آقائے نامدار ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہی صلوٰۃ وسلام پڑھ کر وفور تعظیم ومحبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے دیکھا۔ میرے نانا جان مرحوم تو عشق ومحبت رسول ﷺ کا پیکر تھے وہ مجھے اکثر و بیشتر جھنگ صدر میں اہلِ محبت کی مشہور مسجد پرانی عیدگاہ لے جاتے میخانہ محبت کے نو خیز میخوار محمد طاہر القادری کے ساتھ میرا اولین تعارف انہی کی وساطت سے ہوا۔ پھر ایل بی کی تعلیم کے دوران پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں انکے قریب ہونیکا

موقع ملا۔ میں نے واقعتاً پروفیسر محمد طاہر القادری کو عشقِ رسالتمآب ﷺ کا پیکر پایا۔ میرے فکر کی آبیاری بھی چونکہ عشق رسالتمآب ﷺ کے پانی سے ہوئی تھی اسلئے چند ہی ملاقاتوں میں انکا گرویدہ ہوگیا۔ ایل ایل بی کرنے کے بعد ہم دونوں نے جھنگ میں بطور وکیل پریکٹس شروع کردی اور جھنگ کی سطح پر محاذ حریت کے نام سے نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کی جسکے پلیٹ فارم سے عالمگیر اسلامی انقلاب کیلئے نوجوانوں کی فکری و عملی تربیت کا آغاز کیا۔ یہاں جس بات کا میں بالخصوص ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ محاذ حریت کے پلیٹ فارم سے اسلام کے انقلابی فکر کے فروغ کے ساتھ ساتھ جس چیز پر بطور خاص زور دیا گیا وہ عشق رسول ﷺ کے پیغام کا فروغ ہی تھا۔ کچھ عرصہ بعد پروفیسر صاحب جماعتی فیصلے کے نتیجے میں لاہور منتقل ہوگئے۔ اور لاہور میں دوست و احباب کے تعاون سے ادارہ منہاج القرآن قائم کیا۔ ادارہ منہاج القرآن کا پیغام بلاشبہ عشق مصطفےٰ ﷺ کا فروغ تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ادارہ عشق رسول ﷺ کی ایک ہمہ گیر تحریک بن گیا، ادارہ منہاج القرآن کی کوششوں سے اہل محبت میں بجا طور پر یہ احساس پیدا ہوا کہ ایک عرصہ بعد انہیں ایک ایسا ترجمان میسر آگیا ہے جو نہ صرف مسلک عشق کی ''شراب کہن'' در جام نو پیش کرسکتا ہے بلکہ عصری تقاضوں کی روشنی میں دلنشین استدلال کے ساتھ مسلک محبت کی حقانیت اور اسکی برتری ثابت بھی کرسکتا ہے۔ طویل عرصہ تک ادارہ منہاج القرآن کے پلیٹ فارم پر پروفیسر صاحب کا ہمسفر رہنے کے بعد مجھے اور میرے دیگر محترم رفقاء مفتی محمد خان قادری، محمد خلیل الرحمٰن قادری اور محمد عتیق الرحمٰن مجددی کو ادارہ سے الگ ہونا پڑا۔ یہ ایک الگ داستان ہے جس کی تفصیلات میں جانا سعی لاحاصل ہے۔

اس دَور کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے سے میرا مقصود فقط اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اسی دَور نے میرے قلب و باطن میں محبتِ رسول ﷺ کا نقش مزید گہرا کیا اور مجھے بحمد اللہ تعالیٰ مسلک محبت کی صداقت وحقانیت اور برتری کی ٹھوس علمی اور استدلالی بنیاد میسر آئی اور طویل علمی وفکری سفر کے نتیجے میں یہ حقیقت میرے قلب و دماغ میں اچھی طرح راسخ ہوگئی کہ حب رسول ﷺ نہ

صرف اصل ایمان ہے بلکہ ایمان تو نام ہی محبت رسول ﷺ کا ہے اور رسالتمآب ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت اور آپ ﷺ کی تعظیم میں فنائیت کے بغیر اتباع رسول ﷺ کا کوئی تصور نصاب اسلام میں موجود نہیں۔ مزید یہ کہ حب رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ دو الگ الگ اور مستقل حیثیت رکھنے والی ایمانی ضرورتیں ہیں۔ دونوں لازم وملزوم تو ضرور ہیں لیکن دونوں کو ایک دوسرے کا عین یا ایک کو دوسری عملی صورت قرار دینا بہت بڑا اعتقادی وفکری مغالطہ ہے اور ہر دو تصورات کو دانستہ طور پر خلط ملط کرنا بہت بڑی حرماں نصیبی۔

مگر ایک سوال جس نے مجھے ہمیشہ متحیر اور متجسس رکھا وہ یہ تھا کہ ایمانیات کے ضمن میں ایمان باللہ کی دیگر اجزائے ایمان پر اولیت اور افضلیت وفوقیت کے باوجود حب رسالتمآب ﷺ کو اصل ایمان بلکہ عین ایمان کیوں قرار دیا گیا۔ اسلام میں حب رسول ﷺ پر اس قدر اصرار کیوں ہے۔ مجھے اس حقیقت کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے اٹھائے ہوئے مذکورہ سوال کا جواب مجھے اہلِ محبت کے جدید لٹریچر میں کہیں میسر نہیں آیا۔ اسلاف کے لٹریچر میں تصور محبت کی حقیقت، اہمیت و افادیت جداگانہ ایمانی حیثیت، احوال و آثار محبت اور عشاقِ رسول ﷺ کے ایمان افروز تذکروں پر مشتمل مواد کا ایک عظیم الشان روح پرور، فکر انگیز ذخیرہ موجود ہے لیکن مذکورہ بالا موضوع پر کوئی باقاعدہ اور مستقل تصنیف میرے علم میں نہیں آئی۔ میں اس چیز کو بھی بہر حال اپنی کوتاہ نظری پر ہی محمول کرونگا کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ صدیوں تک اہل علم اس نہایت اہم اور بنیادی ایمانی موضوع کی طرف متوجہ نہ ہوئے ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ محبت رسول ﷺ کی اہمیت اور ایمانی زندگی میں اسکی مسلمہ حیثیت کے پیش نظر ماضی میں یہ سوال کسی ذہن میں اٹھا ہی نہ ہو اور عصر حاضر میں طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات کی طرف سے تصور محبت کی اہمیت سے بتکرار فکری و عملی اعراض ہر دو تصورات کو باہم یکدگر قرار دینے پر بے جا اصرار محبت رسول ﷺ کے عملی مظاہرہ کی پر زور و پر جوش تردید اور اہلِ محبت کے ایمان افروز معمولات پر بے جا تنقید نے راقم کو اس بنیادی ایمانی

موضوع کی طرف باذن الٰہی متوجہ کردیا ہو۔

زیرِ نظر کتاب میں راقم نے اپنے ہی اٹھائے ہوئے اس سوال کہ "حب رسول ﷺ" کو اصل ایمان کیوں بنایا گیا یا حب رسول ﷺ پر اصرار کیوں؟ کا جواب دینے کی ایک حقیرسی کوشش کی ہے۔ راقم نے اپنی بساط کے مطابق موضوع مذکورہ سے متعلق جملہ گوشوں کا احاطہ کرنے اور خالصتاً تکنیکی اور فنی حوالے سے منفرد انداز میں اہل محبت کا نقطہ نظر بیان کرنے کی سعی کی ہے امید ہے کہ راقم کی یہ ادنیٰ کاوش دبستانِ محبت سے تعلق رکھنے والے علماء و محققین کو اس نہایت اہم اور بنیادی ایمانی موضوع کی طرف متوجہ کرنے اور طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھنے والے معتدل مزاج اور انصاف پسند علماء و محققین اور متلاشیان حق کو ایک نہایت اہم دینی ضرورت کی جانب مائل کرنے کا سامان بنے گی۔ راقم کی اس کاوش میں اہلِ دل اور صاحبان نظر کو اگر خوبی کا کوئی پہلو نظر آئے تو اولاً اسکی نسبت اللہ سبحان و تعالیٰ اور اسکے محبوب ﷺ کے لطف خاص کی طرف کی جائے اور ثانیاً راقم کے جذبہ عشق رسول ﷺ میں اخلاص کی طرف اور اگر کوئی خامی یا کوتاہی نظر آئے تو صرف نظر کرتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بارگاہ میں راقم کیلئے عفو و درگزر اور معافی کی درخواست کے ساتھ ساتھ راقم کو اس سے آگاہ کردیا جائے تا کہ وہ اپنی کوتاہی کا ازالہ کرسکے۔

احقر العباد

جاوید القادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ
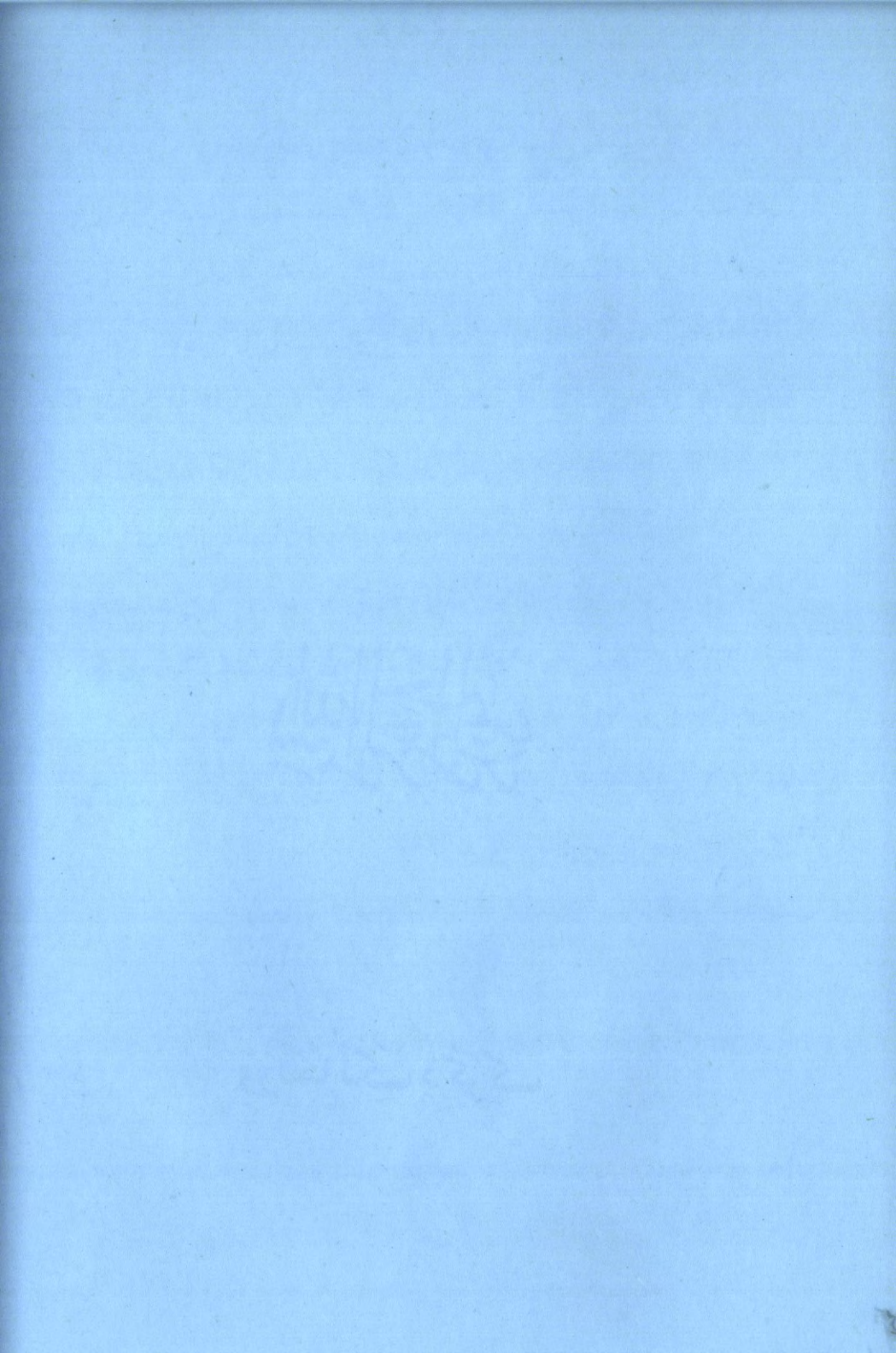
پہلا باب

تعارفِ موضوع

عالمِ خلق و عالمِ امر میں تخلیق کا نقشِ اوّلیں نورِ محمدی ﷺ ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے سوال کیا:

یا رسول الله، بأبی أنت و أمی، أخبرنی عن أول شئ خلقه الله تعالی قبل الأشياء، قال: يا جابر، إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله تعالى، ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولاقلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملك ولا سماء، ولا أرض ولا شمس ولا قمر، ولا جنى ولا انسى، فلما أراد الله تعالى أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثانى اللوح، و من الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول حملة العرش، ومن الثانى الكرسى، و من الثالث باقى الملائكة، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول السماوات، ومن الثانى الأرضين، و من الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، ومن الثانى نور قلوبهم وهى المعرفة بالله، و من الثالث نور أنسهم و هو التوحيد، لا إله إلا الله محمد رسول الله. (مسند عبدالرزاق)

ترجمہ: ''یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے پرتو) سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان اور نہ زمین تھی نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ ہی انسان۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور یعنی نورِ محمدی ﷺ کے چار حصے کیے۔ ایک حصے سے قلم پیدا کیا دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے۔ ایک سے حاملان عرش کو پیدا کیا دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے ایک سے آسمان بنائے دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے جنت و دوزخ۔ پھر چوتھے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے سے مومنوں کی آنکھوں کا نور بنایا، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جس کو اللہ کی معرفت کہتے ہیں، تیسرے سے نورِ محبت کو پیدا کیا اور وہ نورِ محبت کیا ہے؟ توحید ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

امام ابوالحسن اشعری اسی حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ایسا نور ہے کہ کسی نور کی مثل نہیں اور حضور ﷺ کی روح مقدسہ اسی نور کی چمک ہے اور فرشتے انہی انوار سے جھڑے ہوئے پھول ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور باقی ہر شے میرے نور سے پیدا کی۔''

امام عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں:

"بے شک ہر چیز نور مصطفوی ﷺ سے پیدا کی گئی جیسا کہ اس پر حدیث صحیح وارد ہوئی ہے۔"

ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں شیخ عبدالحق محدیث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں اور علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں بیان کیا ہے کہ نور محمدی ﷺ ہی کائنات خلق وامر کا نقشِ اوّلیں ہے۔ مذکورہ حدیث اور تصریحات بالا کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نورِ مصطفوی ﷺ ہی خلاقِ کائنات کی شانِ تخلیق کا نقشِ اوّلیں اور عالمِ خلق و عالمِ امر کی اصل ہے۔

عالمِ خلق کا نقطہ آغاز بھی نورِ محمدی ﷺ ہے اور عالمِ امر کا نقطہ اوّلیں بھی نورِ محمدی ﷺ۔ وجودِ مصطفوی ﷺ کے علاوہ کائنات ہست و بود اور عالمِ بالا و زیریں میں جو کچھ بھی ہے وہ نورِ محمدی ﷺ کا پرتو اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ کی جلوہ گری ہے۔ وجودِ مصطفوی ﷺ کائنات خلق وامر کیلئے بمنزلہ کل کے ہے جبکہ عالمِ خلق و عالمِ امر کا ہر ہر وجود اور ہر ہر حقیقت، حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا جزو۔ بقول اقبال:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

چنانچہ عالمِ خلق میں بھی اوّل تا آخر ہر سو نورِ محمدی ﷺ کی جلوہ گری ہے اور عالمِ امر بھی ہر جانب اُسی کی جلوہ نمائی۔ جس طرح لوح و قلم، عرش و کرسی، زمین و آسمان، جنت و دوزخ، جن و انس، حور و ملائک، سورج چاند ستاروں اور کہکشاؤں میں ہر جانب انوارِ محمدیہ ﷺ کی جلوہ تابانیاں ہیں اِسی طرح وحی و الہام ایمان و اسلام اور تشریع و ہدایت کا سارا نظام بھی نورِ مصطفوی ﷺ کے فیضان سے مستنیر ہے اور آپ ﷺ ہی کے دم قدم سے عالمِ بالا و زیریں میں ہر سو ایمان و ہدایت کی جلوہ سامانیاں ہیں الغرض عالمِ ظاہری کے مادی حقائق ہوں یا عالمِ باطنی کے معنوی لطائف سبھی اپنے اپنے ظہور و وجود اور بقا و ارتقاء میں سخائے مصطفوی ﷺ کے دریوزہ گر ہیں۔ بنا بریں آپ ﷺ

کا وجودِ اقدس نہ صرف عالمِ خلق کی جان ہے بلکہ عالمِ امر کی اصل اور روح بھی آپ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

پھر یہی نہیں کہ آپ ﷺ کے طفیل عالمِ خلق کے ہر ہر وجود کو ظہور اور عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت کو شہود ملا بلکہ بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو خلاقِ عالم نے اپنی صفات عالیہ کو بالفعل ظہور بھی نورِ محمدی ﷺ کے ذریعہ دیا۔ رب تعالیٰ کی شانِ تخلیق بالقوہ موجود تھی۔ نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق سے اسکی شان خلاقیت بالفعل ظاہر ہوئی۔ آپ ﷺ کے نورِ اطہر کی تخلیق سے پہلے بھی وہ صفتِ ربوبیت کا حامل تھا لیکن اسکی شانِ ربوبیت بالفعل کارفرما نہیں تھی۔ نورِ مصطفوی ﷺ کی تخلیق اور اسکی تربیت و پرورش سے اس کی صفتِ ربوبیت کو ظہور ملا۔ آپ ﷺ کے نورِ انور کی تخلیق سے پہلے بھی وہ صفتِ سماعت سے متصف تھا لیکن اسکی شان سماعت بالفعل ظہور پذیر نہ تھی۔ نورِ محمدی ﷺ کے ساتھ نورانی مکالمے اور انوارِ مصطفویہ سے بزبان حال اپنی حمد وثنا کی سماعت سے اسکی شان سماعت کو ظہور ملا۔ نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق سے پہلے بھی وہ بصیر تھا لیکن اس کی صفت بصارت بالفعل ظہور پذیر نہ تھی۔ نورِ محمدیہ ﷺ کی تخلیق اور اسکے نورانی جلوؤں کی دید سے خلاقِ عالم کی شانِ بصارت کو بالفعل ظہور ملا۔

چنانچہ وہ ذات جس کے فیضان سے عالمِ خلق کی ہر ہر مخلوق اور عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت کو ظہور ملا۔ لوح وقلم، عرش وکرسی، حور وملائک، زمین وآسماں غرضیکہ عالم بالا وزیریں کے ہر ہر وجود کو خلعت وجود عطا ہوئی اور وحی والہام، ایمان واسلام اور رشد وہدایت کا سلسلہ چلا اور پھر جس کی تخلیق نے ''کنت کنزاً مخفیا'' کی مصداق ہستی نے قفلِ وحدت کھولا اور جسے منصۂ شہود پر لاکر خلاقِ عالم نے اپنی صفات کمالیہ کو بالفعل ظاہر کیا۔ وہ ذاتِ گرامی اگر بنائے دین وایماں اور اُس ذات سے محبت

و وفاداری اصلِ ایمان بلکہ عینِ ایمان قرار نہیں پائے گی تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوگا۔

بالفاظِ دیگر جو ذات ایک طرف عالمِ خلق و عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت کا منبع و ماخذ اور مبدا و مصدر ٹھہرے اور دوسری طرف خلاقِ کائنات کی صفات عالیہ کی مظہر اتم اور مُظہرِ کامل قرار پائے اس ذاتِ مقدسہ کے ساتھ والہانہ محبت روحِ اسلام اور بنائے دین و ایمان نہ قرار پائے اور نصابِ ایمان میں اس پر سب سے بڑھ کر اصرار نہ کیا جائے تو پھر کونسی چیز نصابِ ایمان میں اس مقام کی حامل ہوگی۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اصل کون و مکان حبیبِ ربِ دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

📖 **لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین.**

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اُسکے نزدیک اُسکی اولاد اُسکے والدین اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

بنا بریں سرورِ کون و مکاں ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت اور آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ حد درجہ قلبی و جذباتی لگاؤ ہی درحقیقت ایمان کی جان اور مومن کی حقیقی پہچان ہے جو شخص آپ ﷺ کی محبت میں جس قدر سرشار اور عشقِ مصطفوی میں گرفتار ہے اُسی قدر کامل الایمان اور خوش نصیب ہے اور جو شخص حُبِّ رسول ﷺ کی حلاوت و لذت سے جس قدر بے بہرہ اور بیزار ہے اُسی قدر محروم الایمان اور شقاوت و بدنصیبی کا سزاوار ہے۔

اثباتِ موضوع پر چند قرآنی شہادتیں:

اب تک ہم نے حدیث نور کی رُو سے فخر کون و مکاں ﷺ کے سرچشمۂ ایمان ہونے اور آپ ﷺ کے ساتھ تعلقِ محبت کے اصلِ ایمان ہونے کا استدلال کیا ہے اب ہم نسبتِ

مصطفوی ﷺ کے بنائے ایمان ہونے پر چند قرآنی شہادتیں پیش کرتے ہیں تاکہ پتہ چل سکے کہ قرآن کی نظر میں نسبتِ مصطفوی ﷺ کی حیثیت کیا ہے اور نصابِ ایمان میں حُبِّ رسول ﷺ کا مرتبہ و مقام کیا ہے۔

عالمِ مادی کی تخلیق سے بہت پہلے عالمِ ارواح میں اللہ رب العزت نے مقتدایان بشریت یعنی انبیاء و رسل عظام کی ارواح مقدسہ کی ایک مجلس طلب فرمائی جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام سے ایک عہد لیا گیا جسے میثاقِ انبیاء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ میثاق کیا تھا۔ ارواحِ انبیاء سے رسالتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کے مشن کی مدد و نصرت کا پیمان تھا۔ عشقِ مصطفوی ﷺ سے مملو قلب و دماغ کے ساتھ اب اس مجلسِ میثاق کی رُوداد قرآنی الفاظ میں سینئے' ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. (آل عمران:۸۱)

ترجمہ: اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہونگی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور لازماً ان کی مدد کرو گے۔ فرمایا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

وہ انبیاء کرام جن کے ذریعے عالمِ انسانیت میں نعمت ایمان تقسیم کی جانے والی تھی اور جو پوری نوعِ انسانی کیلئے قیادت و رہنمائی کے منصب پر فائز کئے جانے والے تھے۔ عالمِ مادی میں نبوت و رسالت کی عملی ذمہ داریاں تفویض کئے جانے سے لاکھوں برس قبل عالمِ ارواح میں اُن کی مقدس

روحوں سے نبوتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان کا مطالبہ اور آپ ﷺ کی مدد و نصرت کا پیمان کیا اس حقیقت پر دلالت کیلئے کافی نہیں کہ ایمان نام ہی عظمت مصطفوی ﷺ کے اقرار کا ہے اور جلیل القدر انبیاء کرام نعمتِ نبوت سے سرفراز ہی اس شرط پر فرمائے گئے کہ وہ رسالتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان لائیں گے اور زندگی بھر لوگوں کو آمدِ مصطفےٰ ﷺ کی خبر دیتے' ذہنِ انسانی کو استقبالِ مصطفوی ﷺ کیلئے تیار کرتے اور آپ ﷺ کے مشن کی مدد و نصرت کیلئے انسانوں کو کمر بستہ کرتے رہیں گے۔

ذاتِ مصطفوی ﷺ ہی محورِ دین و ایمان ہے..... ایک اور قرآنی دلیل:

نصابِ ایمان اوّل تا آخر نسبتِ مصطفوی ﷺ سے عبارت ہے۔ ایمان کی اصل بھی نسبتِ رسالتمآب ﷺ ہے اور اسکا مرکز و محور بھی آپ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات۔ سورۂ فتح میں اس حقیقت کا اظہار انتہائی اچھوتے انداز میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا. (سورہ فتح: ۸ تا ۱۰)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کے دین کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و توقیر کرو اور اللہ کی صبح و شام تسبیح بیان کرو۔ (اے محبوب) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے جس نے اس بیعت کو توڑا تو اس کا وبال اس کے اپنے سر ہوگا اور جس نے اس عہد کو پورا کیا اللہ اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

آیتِ مبارکہ میں ایمان کا سفر اور ایمانی زندگی کے مدارج واضح کرتے ہوئے ابتدا میں حضور سرورِ کائنات ﷺ کی اُن تین شانوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے متصف فرما کر اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا۔ اگلا حصۂ آیت جو لِتُؤْمِنُوْا کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے حقیقتِ ایمان اور آپ ﷺ کو مذکورہ صفات عطا کئے جانے کی غرض و غایت کے بیان پر مشتمل ہے جبکہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَ تُسَبِّحُوْهُ کے الفاظ نصابِ ایمان یعنی ایمان کے عملی تقاضوں اور انکی باہمی ترتیب کے بیان پر مشتمل ہیں اور آخر میں اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ.......... کے ذریعے نسبتِ رسالت اور نسبتِ خداوندی کو باہم یکدگر قرار دے کر صاحبانِ ایمان کیلئے اجرِ عظیم اور محرومین ایمان کیلئے بربادی کی خبر دی گئی ہے۔

آیئے اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ مضامین آیت اور اُنکی باہمی ترتیب میں پنہاں ایمانی رموز کو سمجھنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ابتدائے آیت میں حضور ﷺ کی تین صفات یعنی صفتِ شہادت، صفتِ تبشیر اور صفتِ تنذیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اِن صفات کی حقیقت و ماہیت، افادیت ان کے بیان میں اختیار کردہ ترتیب اور باہمی تعلق پر گفتگو تو ہم بعد میں کریں گے اس مقام پر ہم اپنی تمام تر توجہ جس اہم نکتے کی طرف مبذول رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ان صفات کے بیان کے معاً بعد لِتُؤْمِنُوْا کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ لِتُؤْمِنُوْا (تاکہ اے لوگو تم ایمان لے آؤ) کے الفاظ درحقیقت حضورِ عالی مرتبت ﷺ کو مذکورہ صفات عطا کئے جانے کی غرض و غایت اور حکمت بیان کر رہے ہیں یعنی اے لوگوں ہم نے اپنے رسول ﷺ کو یہ اعزازی شانیں اسلئے عطا کی ہیں کہ تم ان شانوں کو دیکھ کر ایمان لے آؤ۔ ویسے تو کائنات ہست و بود میں ہر سو ہماری ربوبیت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں اور کائنات کا ہر حسن و کمال تمہیں ہماری جانب متوجہ کر رہا ہے لیکن ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی ربوبیت کا مظہرِ اتم اور مذکورہ صفات کا حامل بنا کر اس شان کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ عقلِ سلیم کیلئے ہمارے اوپر ایمان لائے بغیر چارہ ہی نہیں رہ جاتا۔ بالفاظ دیگر جس

حقیقت کی طرف قرآن اشارہ کر رہا ہے وہ یہ کہ نسبتِ مصطفوی ﷺ ہی بنائے ایمان ہے اور آپ ﷺ کو یہ شانیں اسی خاطر عطا کی گئی ہیں کہ انکے مشاہدے اور عملی کارفرمائی کے ذریعے لوگ دائرہ ایمان میں داخل ہوں۔ بالفاظ دیگر آپ ﷺ کی مذکورہ شانیں درحقیقت ابواب ایمان (ایمان کے دروازے) ہیں۔ دنیائے ایمان جب بھی اور جہاں بھی کوئی داخل ہوگا انہیں ابواب کے ذریعے ہوگا۔ کوئی آپ ﷺ کی شانِ شہادت کی وسعت دیکھ کر دائرہِ ایمان میں داخل ہوگا تو کوئی آپ ﷺ کے دل موہ لینے والے اندازِ بشارت کا اسیر ہوکر۔ کوئی آپ ﷺ کے بحرِعلم کی بے کرانیوں سے متاثر ہوکر دہلیزِ ایمان پار کرے گا تو کوئی آپ ﷺ کے ہی خواہانہ اسلوبِ تنذیر کے ہاتھوں گھائل ہوکر۔ غرضیکہ جس جس کو جہاں جہاں بھی دولتِ ایمان ملے گی آپ ﷺ ہی کے واسطے اور وسیلے سے ملے گی۔

دائرہ ایمان میں داخل ہونے کے بعد پہلا تقاضا:

اگلا حصہ آیت دائرہِ ایمان میں داخل ہوجانے کے بعد ایمانی زندگی کے ان عملی تقاضوں کے بیان پر مشتمل ہے جو حقوق اللہ اور حقوقِ مصطفیٰ ﷺ سے متعلق ہیں۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے الفاظ حقوقِ رسالت ﷺ کے بیان پر مشتمل ہیں جبکہ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً میں حقوق اللہ کا بیان ہے۔ کلام الٰہی میں حقوق اللہ کے بیان سے قبل حقوقِ مصطفوی ﷺ کا بیان فقط حسنِ التفات نہیں بلکہ گہری ایمانی حکمتوں کا حامل ہے اور اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ ایمان کا اولیں تقاضا محبت و تعظیم رسول ﷺ ہے۔ عبادات و طاعات کی حیثیت ثانوی ہے۔ ایمان نام ہی نسبتِ رسول ﷺ کا ہے اور ایمان کی حلاوت اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتی جب تک کہ انسان کا ظاہر و باطن حبِّ رسول ﷺ کا پیکر اور تعظیم و توقیر مصطفوی ﷺ کا آئینہ دار نہ بن جائے۔ نیز تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً سے پہلے تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے الفاظ اس ایمانی حقیقت کی طرف بھی نشاندہی کر رہے ہیں

کہ بارگہ خداوندی میں صرف وہی عبادت و مجاہدہ اور ذکر و فکر قابلِ قبول ہوگا جسکے خمیر میں حب رسول ﷺ اور تعظیمِ مصطفوی ﷺ کا عنصر شامل ہوگا۔ عبادت الٰہی کی قبولیت کیلئے تعظیمِ رسالت شرط ہے اور ہر وہ عبادت و مجاہدہ جو تعظیم و توقیرِ رسول ﷺ میں فنائیت کے عنصر سے خالی ہوگا نگاہ خداوندی میں لائق التفات نہیں ہوگا۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

عبادت خداوندی کی قبولیت کیلئے محبت و تعظیمِ رسالت کا عنصر شرط ہے شرط موجود ہوگی تو مشروط فائدہ دے گا جیسے نماز کیلئے وضؤ وقت، سمت قبلہ شرط ہے۔ روزہ کیلئے اسکی مخصوص شرائط اور حج کیلئے ایامِ حج شرط ہیں۔

آیت مذکورہ کی روشنی میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ ایمان کی طرف رجوع و رغبت کی بنا بھی آپ ﷺ ہیں اور بعد از ایمان اعمالِ صالحہ کی قبولیت بھی آپ ﷺ ہی کی محبت و تعظیم پر موقوف ہے۔ کتابِ ایمان کا مقدمہ و تعارف بھی آپ ﷺ کی نسبت ہے اور نصابِ ایمان کا تتمہ و تکملہ بھی آپ ﷺ ہی کی محبت و تعظیم۔ آپ ﷺ کی محبت درحقیقت اللہ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر ہی روحِ بندگی ہے۔ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے مابین اسی یک نسبتی تعلق کو مزید واضح کرتے ہوئے قرآن رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کو خود اللہ کے ہاتھ پر بیعت قرار دیتا ہے۔ ایمان نام ہی تعلق بالرسالت اور حضور ﷺ کی محبت اور غلامی کا ہے۔

شانِ تبشیر و تنذیر سے پہلے صفتِ شہادت کے ذکر میں ایک ایمان افروز نکتہ:

قرآن حکیم میں سورۂ فتح کے مذکورہ مقام کے علاوہ بھی ایک اور مقام پر حضور سرور کائنات ﷺ کی مذکورہ شانوں یعنی تبشیر و تنذیر کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی شانِ

تبشیر کا شانِ تنذیر کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے اور یہ دونوں شانیں آپ ﷺ کے فرائض نبوت کی بجا آوری میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہی دونوں صفات سے دیگر انبیاء کرام بھی متصف فرمائے گئے کیونکہ ان صفات کا تعلق براہِ راست وظیفہء نبوت کی ادائیگی کے ساتھ ہے لیکن حضور ﷺ کیلئے شان تبشیر و شانِ تنذیر کے بیان سے پہلے شانِ شہادت کا ذکر ایک خاص اہتمام کے ساتھ کیا گیا ہے تو یقیناً اسکی کوئی خاص حکمت اور افادیت بھی ہوگی۔ بالعموم علماء نے اس طرف توجہ نہیں کی اور مذکورہ شانوں کے بیان سے پہلے آپ ﷺ کی شانِ شہادت کے ذکر میں جو ایمان افروز نکتہ موجود ہے اسکا ذکر نہیں کیا۔ مذکورہ ایمان پرور علمی واعتقادی نکتے کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی شان شہادت کی حقیقت کو سمجھا جائے اور پھر اس کے ساتھ مذکورہ شانوں کے باہمی تعلق کو بیان کیا جائے۔

لفظِ شاہد کا معنی اور اسکا دائرہِ اطلاق:

شاہد کا معنی گواہ ہے جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے۔

📖 **الشهادة والشهود الحضور مع المشاهدة امّا بالبصر او بالبصيرة.**

ترجمہ: شہادت اور شہود سے مراد مشاہد کے ساتھ حاضری ہے خواہ وہ (مشاہدہ) ظاہری آنکھ کے ذریعے ہو یا نور بصیرت کے ذریعے۔

یہاں ایک نکتہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ جہاں رب العزت نے حضور ﷺ کی شانِ شہادت کا ذکر فرمایا ہے وہاں مفعول کا ذکر نہیں فرمایا کہ آپ کس کس چیز پر شاہد ہیں بلکہ علی الاطلاق آپ ﷺ کی شان شہادت کا ذکر فرمایا گیا یعنی آپ ﷺ کائنات کی ہر ہر شے اور ہر ہر ذرے پر شاہد ہیں اور کائناتِ پست و بالا کا کوئی گوشہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ جب خالقِ کائنات نے خود اپنے آپ کو اپنے محبوب سے مخفی نہیں رکھا اور اپنی ذات وصفات کے سارے جلوے چشم مصطفیٰ ﷺ پر وا کردیئے ہیں تو پھر کائنات ارض وسما کی کسی مخلوق یا کسی حقیقت کی کیا مجال کہ

مشاہدہ مصطفیٰ ﷺ کے دائرے سے باہر رہ سکے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی، علامہ ابن کثیر، علامہ آلوسی اور دیگر علما نے آپ ﷺ کی شانِ شہادت کا اطلاق کم وبیش انہی معنوں میں کیا ہے۔ ازل سے ابد تک کی ساری صداقتیں، لوح وقلم، عرش وکرسی، جنت و دوزخ اور عالم خلق و امر کی ساری حقیقتیں مشاہدہ مصطفوی ﷺ میں ہیں۔

مذکورہ ایمان افروز نکتہ:

آیئے اب ہم حضور ﷺ کی تینوں شانوں کے باہمی تعلق اور شانِ تبشیر وتنذیر کے بیان سے پہلے شانِ شہادت کے ذکر میں پنہاں اس ایمان افروز فکری واعتقادی نکتے کو سمجھنے کی کوشش کریں جسکی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ شانِ تبشیر وشانِ تنذیر کے بیان سے قبل آپ ﷺ کے علی الاطلاق شاہد ہونے کا بیان اس حکمت کو آشکار کرتا ہے کہ اے محبوب ﷺ ہم نے کائنات ہست وبود کا گوشہ گوشہ آپ ﷺ کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ دنیا وآخرت، قبر وبرزخ، حشر ونشر اور جنت و دوزخ کی ساری حقیقتیں آپ ﷺ پر منکشف کر دی ہیں۔ جنت اپنی تمام تر نعمتوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے زیرِ مشاہدہ ہے اسی طرح دوزخ اپنی تمامتر کلفتوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہے۔ دنیا وآخرت، قبر وبرزخ، جنت دوزخ میں سے جس جس چیز کو محلِ تبشیر پائیں اسکی بشارت دیئے چلے جائیں۔ جس جس چیز کو موضوعِ تنذیر سمجھیں اس سے مخلوق کو خبردار کرتے چلے جائیں۔ جس جس چیز میں مخلوقِ خدا کیلئے خوبی وبھلائی اور سعادت کا سامان پائیں اسکی بابت لوگوں کو خوشخبری دیتے چلے جائیں اور جس جس چیز میں خسر ونا کامی اور اذیت وکلفت کا سامان پائیں اُس سے متنبہ کرتے چلے جائیں ہم نے عالم خلق وعالم امر کی پوری بساط آپ ﷺ کے سامنے بچھا دی ہے۔ ہر ہر شے اپنی حقیقت وماہیت، حسن وقبح اور اپنے انجام ومآل کے اعتبار سے آپ کے سامنے حاضر ہے۔ نگاہِ ناز اُٹھائیں اور ہر ہر شے کے براہِ راست مشاہدے کے بعد لوگوں کو انجام کار سے آگاہ کرتے چلے جائیں۔

نتیجہ کلام:

جس ذات کا وجود دین و ایمان کا مرکز و محور ہو جسکی مختلف شانیں خلدِ ایمان میں داخلے کیلئے بمنزلہ ابواب (دروازے) ہوں اور جسکی محبت و تعظیم نصابِ ایمان کا اولیں باب ہو جسکے ہاتھ پر بیعت اللہ کے دستِ قدرت پر بیعت اور جسکے ساتھ وفاداری حق تعالیٰ کے ساتھ وفاداری قرار پائے تو اُس ذات کے ساتھ والہانہ قلبی محبت اصلِ ایمان بلکہ عینِ ایمان نہ قرار پائے گی تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوگا۔

مذکورہ تصور پر ایک ایمان افروز تاریخی شہادت ...... صدیق اکبرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ:

مذکورہ تصور پر قرآن و حدیث سے استدلال کے بعد اب ہم تاریخی اعتبار سے اپنے دعویٰ پر ایک ایمان افروز شہادت پیش کرنے لگے ہیں اور وہ ہے مومنِ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اپنے اندر گونا گوں ایمانی لطائف و معارف رکھتا ہے جنکی طرف بالعموم اہل علم نے توجہ نہیں کی۔

ابن عساکر کی روایت کے مطابق ابوبکرؓ نے تجارتی سلسلے میں اپنے ایک سفر کے دوران خواب دیکھا تھا جسکی تعبیر بحیرہ راہب نے یہ بتائی تھی کہ تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کی ظاہری حیات میں تم اسکے وزیر اور بعد وصال اسکے خلیفہ بنو گے۔ جب حضور ﷺ نے اعلانِ رسالت فرمایا اور اپنے دیرینہ دوست ابوبکرؓ کو اسلام کی دعوت دی تو اُنہوں نے دلیل کی درخواست کی۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکر! وہ خواب جو تم نے شام میں دیکھا تھا ابوبکرؓ یہ سنتے ہی حضور ﷺ سے بغلگیر ہو گئے اور آپ ﷺ کی مبارک پیشانی چوم لی۔ روایت کے الفاظ ہیں:

📖 **فعانقهٗ و قبل بين عينيه وقال اشهد انک رسول الله**

ترجمہ: وہ آپ سے چمٹ گئے آپ ﷺ کی مبارک پیشانی چوم لی اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

ابوبکرؓ کو فقط اسلام کی دعوت ہی دی گئی تھی۔ ایمان اور اسلام کے بنیادی تقاضے اور تعلیمات کیا ہیں ابھی ان کے سامنے پیش نہیں کیئے گئے تھے۔ توحید و رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد کی تفصیلات ابھی ان کو نہیں بتائی گئی تھیں۔ نصابِ ایمان میں نسبت رسالت اور حبِ رسول ﷺ کا مقام کیا ہے ابھی ان پر آشکار نہیں کیا گیا تھا۔ چہرۂ مصطفوی ﷺ سامنے پاکر ان کے دل میں جونہی ایمان کا چشمہ پھوٹا اس نے بوسۂ نبوی ﷺ کے ذریعے اپنے اظہار کی راہ اپنائی۔ ابوبکرؓ والہانہ انداز میں حضور ﷺ سے چمٹ گئے۔ پہلے حضور ﷺ کی مبارک پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ امتِ مصطفویہ ﷺ کی بنیاد رکھنے والے شجرِ خیرالامم کیلئے اصل اور جڑ کا مقام پانے والے اور بانیِ اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے خوش نصیب شخص کے فطری و اضطراری عمل نے یہ حقیقت آشکار کردی اور تاریخی و واقعاتی اعتبار سے یہ بات ثابت کردی کہ ایمان کا چشمہ جہاں بھی اور جب بھی پھوٹے گا اس کا منبع و سرچشمہ محبتِ رسول ﷺ ہی ہوگی۔ اسی طرح ایمان کا پودا جہاں بھی اور جب بھی سر اٹھائے گا اسکی اصل محبتِ رسول ﷺ ہی ہوگی۔ ایمان جہاں بھی ثابت ہوگا اسکے خمیر میں حبِ رسول ﷺ ہی کارفرما ہوگی۔ شجرِ امت مصطفوی ﷺ کیلئے اصل کی حیثیت رکھنے والے شخص کا اظہارِ ایمان کے حسین لمحات میں اقرارِ رسالت کے باضابطہ اظہار سے پہلے غیر ارادی و والہانہ انداز میں چہرۂ مصطفوی ﷺ کا بوسہ لے لینا کیا اس بات پر دلالت کیلئے کافی نہیں کہ ایمان نام ہی محبتِ رسول ﷺ کا ہے اور حُبِ رسول ﷺ نہ صرف اصلِ ایمان بلکہ عین ایمان ہے اور اسی بنا پر نصابِ ایمان میں حُبِ رسول ﷺ پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

دوسرا باب ﴿حصہ اوّل﴾

تصورِ رسالت کی تفہیم میں عقلِ انسانی کی ٹھوکر

حقیقتِ رسالت کی تفہیم میں بالعموم انسانی ذہن نے ٹھوکر کھائی ہے اور اسی فکری ٹھوکر نے اکثر اہلِ علم کی نگاہوں سے تصورِ رسالت سے متعلق بعض ایسے ارفع اور ایمان افروز حقائق کو اوجھل کر رکھا ہے جو تصورِ رسالت کی روح اور ایمان بالرسالت کا حقیقی حسن ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء و رسل اصلاً بنی نوع انسان کی رہنمائی کیلئے ہی مبعوث کئے جاتے ہیں اور وہ گم کردہ راہ انسانیت کو اسکے مقصدِ تخلیق سے آگاہ کرنے اور اس مقصد کے حصول کیلئے عملی نمونہ مہیا کرنے آتے ہیں لہٰذا انکی شخصیت کا ایک پہلو یقینی طور پر عالمِ انسانیت سے متعلق ہوتا ہے۔ وہ انسانوں میں سے مبعوث کئے جاتے ہیں اور اس اعتبار سے گروہِ بنی آدم ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ عقلِ انسانی نے تصور رسالت کی تفہیم میں جو ٹھوکر کھائی ہے اس کا تعلق انبیاء و رسل کی اسی حیثیت کے ساتھ ہے یعنی حقیقت کے اعتبار سے اُنہیں فقط عالمِ انسانیت کے منتخب افراد سمجھنے پر ہی اکتفا کر لیا گیا اور انکی شخصیت کے اسی پہلو پر اصرار کرتے ہوئے ان کی اُس حیثیت کو فراموش کر دیا گیا ہے جس کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے اور جو اُنہیں پورے عالمِ انسانیت میں منفرد اور ممتاز بناتی ہے۔

رسول کا معنیٰ:

لفظ رسول کا ایک لغوی معنیٰ ہے بھیجا گیا یا بھیجا ہوا۔ اصطلاحی اعتبار سے رسول اس ہستی یا شخصیت کو کہتے ہیں جسے خالقِ کائنات ہدایت و رہنمائی کیلئے مخلوق کی طرف بھیجتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

📖 هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ (القرآن)

ترجمہ: وہی ذات (اللہ کی) ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (القرآن)

ترجمہ: تمہارے پاس آگئے اللہ کی طرف سے نور (یعنی ذات مصطفیٰ ﷺ) اور کتاب مبین۔

اسی طرح فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَّبِّكُمْ (القرآن)

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اسکی ربوبیت کی) دلیل اتم (ذات مصطفیٰ ﷺ) آگئی۔

لغوی اور اصطلاحی ہر دو اعتبار سے رسول کی حیثیت دو جہتی ہوتی ہے اُسکی ایک جہت کا تعلق خالق کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ دوسری کا تعلق مخلوق کے ساتھ۔ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ اور ذریعۂ اتصال ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سرور انبیاء ﷺ کی اسی دو جہتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا:

اِدھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخِ اکبر کو ہے حرفِ مشدّد کا

الغرض رسول کی شخصیت کا ایک پہلو اُسے خالق کے ساتھ متصل رکھتا ہے جبکہ دوسرا مخلوق کے ساتھ متعلق وہ خالق کی طرف سے مخلوق کی طرف آتا ہے۔ رسول اصلاً عالمِ بالا کا باشندہ ہوتا ہے اسکا وطنِ اصلی عالمِ بالا ہوتا ہے۔ وہ اپنی اصلیت و حقیقت کے اعتبار سے عالمِ بالا کا فرد ہوتا ہے لیکن اُسے ایک خاص مقصد اور مشن دیکر چونکہ بھیجا عالم انسانیت کی طرف جاتا ہے لہٰذا ظاہر کے اعتبار سے وہ بنی نوع انسان میں شامل ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار چونکہ عالم بالا کا باشندہ ہوتا ہے جو ذات و صفات الٰہیہ کی جلوہ گاہ ہے اس لئے بباطن ذات و صفاتِ الٰہیہ کا نمائندہ اور مظہر و آئینہ دار ہوتا ہے۔ عقلِ ناداں فقط اُس کے ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے اُسے عالمِ انسانیت کا ایک ممتاز اور منتخب فرد سمجھنے پر ہی

اکتفا کرتی ہے اور اسکی حقیقت و اصلیت تک رسائی حاصل کرنیکی کوشش نہیں کرتی اُسے کیا معلوم کہ وہ ہستی جو بظاہر بشری خدوخال کی حامل اور انسانی پیکر میں جلوہ گر ہے حقیقتاً ذات وصفات خداوندی کی نمائندہ وسفیر اور اسکے اوصاف وکمالات کی مظہر وآئینہ دار ہے۔

اسے عقلِ ناداں کی بدنصیبی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ وہ اس بات کا تو زیادہ دھیان رکھتی ہے کہ یہ رسول ''کہاں'' اور ''کن'' لوگوں میں آیا ہے لیکن اس بات کو بھول جاتی ہے کہ یہ رسول ''کہاں سے'' اور ''کس کی طرف'' سے آیا ہے۔ وہ اس بات پر تو زیادہ اصرار کرتی ہے کہ رسول بھی ہماری طرح ایک بشر ہی ہے اور وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا اور دیگر سماجی ومعاشرتی اور عائلی وخاندانی ذمہ داریاں نبھاتا ہے دکھ سکھ سردی گرمی اور دیگر احوال وحوادثِ زندگی سے متاثر ہوتا ہے لیکن وہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنیکی کوشش نہیں کرتی کہ لباسِ بشریت میں ملبوس یہ ہستی حقیقتاً ربِ کائنات کی ذات وصفات کی مظہر اور عالمِ زیریں میں عالمِ بالا کی نمائندہ وسفیر بھی ہے۔ رب تعالیٰ نے اگر اسکی شخصیت کے بعض گوشوں کو اس عالم کا آئینہ دار بنایا ہے جس میں اُسے بھیجا گیا ہے تو اسکی شخصیت کے متعدد گوشے یقیناً اُس عالم کے بھی آئینہ دار ہونگے جو اسکا وطنِ اصلی ہے جہاں کا وہ حقیقی باشندہ ہے۔ وہ بعض معاملات میں اگر ان لوگوں سے مماثلت رکھتا ہے جن میں اُسے بھیجا گیا ہے تو اپنی شخصیت کے بعض گوشوں میں اُس ہستی کا بھی یقیناً آئینہ دار ہوگا جس نے اپنی نمائندگی کرنے کیلئے اسے عالمِ بشریت میں بھیجا ہے۔ عقلِ ناداں اگر تصورِ رسالت کے حوالے سے اس بنیادی حقیقت کا ادراک کرلے اور اپنے زاویہ نظر میں تھوڑی سی وسعت پیدا کرتے ہوئے رسول کی دوجہتی حیثیت تسلیم کرلے تو منصبِ رسالت کی تفہیم کے حوالے سے اکثر الجھنیں ختم ہوسکتی ہیں۔

ایک تمثیل کے ذریعے وضاحت:

اسے ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ملک کا سفیر جب کسی دوسرے ملک

جاتا ہے تو اُسے اس ملک کی زبان، اسکے کلچر، جغرافیائی ماحول، وہاں کے لوگوں کے اذواق وطبائع اور وہاں کے سیاسی وسماجی حالات ومقتضیات کی کامل معرفت دے کر روانہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کرے اور نہایت اُنس واپنایت کے ماحول میں بے تکلفی کے ساتھ سفارت کاری کی ذمہ داریاں ادا کر سکے۔

مذکورہ صفات کا حامل سفیر اپنے ملک وقوم کی نمائندگی میں سفارتی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے بسا اوقات میزبان ملک کے لوگوں کے ساتھ اس قدر گھل مل جاتا ہے کہ اسی ملک کا باشندہ نظر آنے لگتا ہے اب کوئی اُسے حقیقتاً اس ملک کا باشندہ سمجھنے لگے تو اسکی نادانی ہوگی۔ حقیقتاً وہ اپنے ہی ملک کا باشندہ ہوتا ہے اور اگر اس نے اپنے آپ کو میزبان ملک کے احوال ومقتضیات کے مطابق ڈھال لیا ہے تو یہ اسکی سفارتی حیثیت اور اسکے منصبی فرائض کی ادائیگی کا تقاضا ہے اسے اسکی حقیقت پر محمول نہیں کیا جانا چاہیے۔ اسکی حقیقت اسکے وطنِ اصلی ہی سے وابستہ ہے۔

رسول بے شک نبی آدم میں مبعوث کئے جاتے ہیں اور انکی بعثت کا مقصد بھی بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی ہی ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے اُنہیں فقط بنی آدم ہی سے وابستہ سمجھ لینا اور عالم انسانیت سے ماوراء انکی حقیقت وحیثیت سے انکار کر دینا بہت بڑا فکری مغالطہ اور اعتقادی گمراہی ہے۔

حقیقتِ رسالت اور ایمان بالرسالت کا مفہوم:

رسول عالمِ انسانیت میں عالمِ بالا کا سفیر اور ذات وصفاتِ خداوندی کا مظہر وآئینہ دار ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ اُسے اپنی ذات وصفات کی نمائندگی کیلئے مبعوث کرتا ہے۔ اسکی ذات وصفات کا اقرار ذات وصفاتِ خداوندی کا اقرار اور اسکی ذات وصفات کا انکار درحقیقت ذات وصفاتِ الوہیت کا انکار ہوتا ہے۔ رسالت پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ فقط رسول کی بشری وانسانی حیثیت پر

ہی نظر نہ رکھی جائے بلکہ اسکی حقیقت اور عالم بالا سے متعلق نمائندہ حیثیت کو بھی تسلیم کیا جائے۔ آیئے مذکورہ بالا تصور کی روشنی میں مقامِ رسالت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

رسول ماننے کا حقیقی معنی:

بعثت سے قبل بھی کفار و مشرکین حضور ﷺ کی امتیازی بشری حیثیت کو تسلیم کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی جملہ انسانی و اخلاقی خوبیوں کے معترف اور آپ ﷺ کی سیرت کے جملہ محاسن کے اقراری تھے۔ وہ آپ ﷺ کو صادق اور امین تسلیم کرتے تھے۔ صداقت و امانت کا تصور جملہ بشری محاسن اور اخلاقی کمالات کو محیط ہے۔ گویا جہاں تک آپ ﷺ کی عظمتِ سیرت آپ ﷺ کے بے مثل کردار اور بحیثیت بشر آپ کی انفرادیت کا تعلق ہے مشرکینِ مکہ قبل از بعثت بھی اِس کے معترف تھے اور انکی گردنیں آپ ﷺ کی عظمت کردار کے سامنے پہلے ہی جھکی ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کے سامنے دعوئِ رسالت رکھا تو وہ اس کے اعتراف میں متامل ہوئے۔ رسالت کے اقرار کا مطلب چونکہ آپ ﷺ کے عالم بالا کے ساتھ تعلق کا اعتراف بھی تھا اور یہی وہ وصفِ خاص تھا جو آپ ﷺ کو پورے عالمِ انسانیت سے ممتاز کرتا اور اپنے اندر علم و قدرت اور شرف و امتیاز کے بے پایاں امکانات رکھتا تھا لہٰذا مشرکینِ مکہ بر بنائے بغض و حسد آپ ﷺ کی اس حیثیت کا انکار کرنے لگے اگر حضور ﷺ کی بشریت آپکے بشری محاسن، سیرت و کردار کی عظمت اور آپ کے اخلاقِ حسنہ کے اعتراف کا نام ہی ایمان ہوتا تو مشرکین مکہ کو اس سے کب انکار تھا۔ ان اوصاف کے تو وہ پہلے ہی سے معترف تھے۔ رسول مان لینے کا مطلب چونکہ آپ ﷺ کو عالم بالا کا سفیر، حق تعالیٰ کا نمائندہ اور ذات و صفات الٰہیہ کا مظہر و آئینہ دار مان لینے کا بھی اقرار تھا اور وہ آپ ﷺ کی اس عظیم الشان حیثیت کو بر بنائے حسد ماننے پر تیار نہ تھے اسلئے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے فقط آپ ﷺ کی بشری حیثیت پر ہی اصرار کرنے لگے۔

ذیل میں ہم وصف رسالت کے حوالے سے علم و تصرف کے ان بے پایاں امکانات اور شرف و فضیلت کے مظہر اُن امتیازات کا تذکرہ کریں گے جن کا اعتراف رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کی صورت میں لازم آتا تھا اور جنہیں تسلیم کرنے پر مشرکین مکہ بر بنائے حسد تیار نہ تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ حضور ﷺ کی ماورائے بشریت کسی دوسری حیثیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے حالانکہ خالقِ کائنات جس نے اپنی نمائندگی کیلئے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تھا وہ بالکل مختلف انداز میں اپنے رسول ﷺ کو متعارف کرانا اور منصبِ رسالت کی تفہیم کے حوالے سے اپنے بندوں کو بالکل مختلف زاویۂ نظر دینا چاہتا تھا۔

آج سے اپنا زاویۂ نظر بدل لو...... اہالیانِ مکہ کو دعوتِ فکر:

چنانچہ مشرکین مکہ کے سامنے جب حضور ﷺ نے دعویٰ رسالت رکھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگو! اب تک جو تم مجھے عالمِ انسانیت کے ایک ممتاز اور منفرد شخص کی حیثیت سے دیکھتے اور میری عزت کرتے چلے آئے ہو تو اب اپنے زاویۂ نظر میں ذرا وسعت پیدا کرلو، بغض و عناد اور حسد کے پردے ہٹالو اور عالمِ بالا کے ساتھ میرے تعلق کو بھی تسلیم کرلو۔ اس بات کا بھی اقرار کرلو کہ میں عالمِ بشریت ہی کا ایک منفرد و ممتاز فرد نہیں بلکہ عالمِ بالا کا نمائندہ و سفیر اور ذات و صفات خداوندی کا مظہر و آئینہ دار بھی ہوں۔ میں تمہارے درمیان رہتے ہوئے بھی حقیقتاً تمہارے جیسا نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا شاہکار اور اسکے علم و قدرت کا مظہر اتم بھی ہوں۔ اب بمنشائے الٰہی میری اس حیثیت کے اظہار کا وقت آ گیا ہے۔ آج کے بعد تم فقط میرے ظاہر پر ہی نظر نہ رکھنا بلکہ اس ظاہری پیکر میں مستور میری حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنا۔ میری بشریت پر ہی اصرار نہ کرتے رہنا بلکہ بشری پیکر میں پنہاں نورانی جلوؤں کو بھی پہچاننے کی کوشش کرنا۔ فقط اس بات پر ہی نہ اڑے رہنا کہ میں تم لوگوں میں اور کہاں آیا ہوں بلکہ اس حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنا کہ کہاں سے اور کس کی طرف سے آیا

ہوں۔ میری ذات وصفات کی حقیقت تک رسائی کیلئے عقلِ ناداں پر ہی بھروسہ نہ کر بیٹھنا بلکہ مجھے بھیجنے والی ہستی کی بات اور اسکے کہے کو اتھارٹی تسلیم کرنا۔ مجھے فقط زور بصارت ہی سے دیکھنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ بر بنائے بصیرت بھی پہچاننے کی کوشش کرنا۔

کل بمقابلہ آج ...... محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک کا سفر:

کل تک تم مجھے صادق کہتے رہے ہو۔ بے شک میں صادق تھا اور آج بھی ہوں لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا کہ کل تک میری صداقتوں کا عنوان فقط مخلوق کے معاملات تھے۔ تم اور تمہارے جیسے دیگر انسان اور تمہارے معاملات میری صداقتوں کا عنوان تھے لیکن سنو! آج سے خالقِ کائنات نے بھی مجھے ابدی و کائناتی صداقتوں کا پیامبر ڈیکلیئر کر دیا ہے یہی نہیں بلکہ میری ذات کو اپنی وحدانیت تک کی صداقت کی دلیل بنا دیا ہے۔

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝

میں کل بھی امین تھا بے شک آج بھی امین ہوں۔ کل تک میں صرف مخلوق کی طرف سے تفویض کردہ امانتوں کا امین تھا لیکن آج سے خالقِ کائنات نے بھی دنیا و عقبیٰ کے خزانوں کی امانتیں میرے سپرد کر دی ہیں۔

کل تک میں تمہارے ایک دوسرے کے ساتھ معاملات چکاتا تھا اور حقداروں کو انکے حقوق دلاتا تھا جیسے ''حلف الفضول میں شرکت اور حجرِ اسود کی تنصیب کا مسئلہ'' لیکن آج سے مخلوق کو خالق کی پہچان کرانے، مخلوق کو خالق سے ملانے اور خالق ومخلوق کے مابین معاملات چکانے کی آفاقی ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔

کل تک تم نے مجھے ریگزارِ عرب میں بکریوں کی گلہ بانی کرتے دیکھا لیکن آج سے خالقِ کائنات نے خیر الامم کی گلہ بانی کیلئے بھی مجھے چن لیا ہے اور میری ذمہ داریوں کا دائرہ پورے عالمِ

انسانیت تک بڑھا دیا گیا ہے۔

کل تک میں مکہ کی گلی کوچوں میں مظلوموں کی دادرسی کرتا نظر آتا تھا آج سے مجھے رحمۃ اللعالمینی کا تاج پہنا کر دونوں جہانوں کے دُکھ بانٹنے کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی ہے۔ **وما ارسلنک الا رحمة اللعلمين** o

کل تک تم نے معاملاتِ سماجی میں مجھے متحرک و سرگرم دیکھا اب میری اُنگلیوں کے اشارے سے سورج کو پلٹتا اور چاند کو دوٹکڑے ہوتا بھی دیکھو گے۔ (الحدیث)

کل تک تم نے مجھے مکے کی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا اب عالمِ لامکاں تک کی مسافتیں بھی میرے قدموں میں ہونگی۔ **سبحان الذی اسری بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصىٰ** o

کل تک میں اُمّی تھا لیکن آج سے تم میرے لبوں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے اور کائناتِ ارض و سما کے سربستہ راز وا ہوتے دیکھو گے۔ **وعلمكم مالم تكن تعلم** o

بحیثیت رسول سرور عالم ﷺ کی شخصیت طیبہ کا یہی وہ گوشہ تھا جس کا عقلِ ناداں نے بالعموم انکار کیا لیکن سعادت مند روحوں نے آپ ﷺ کی اس حیثیت کا اقرار واعتراف کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہ کی۔ تفہیم رسالت کے حوالے سے یہی وہ نقطہ نظر تھا جس نے بوبکر و بوجہل میں فرق کر دیا تھا۔ ابوجہل کی نظر فقط آپ ﷺ کے ظاہر پر تھی۔ حضور ﷺ کے بشری اوصاف کا قائل وہ بھی تھا جبکہ ابوبکرؓ کی نظر بشری پیکر میں مستور آپ ﷺ کی حقیقت پر بھی تھی۔ ابوبکرؓ پہچان گئے تھے کہ لباسِ بشریت میں ملبوس ذاتِ مصطفوی ﷺ کی حقیقت کچھ اور ہے اور یہ ذات عالمِ انسانیت کا ایک فرد ہوتے ہوئے بھی حقیقت کے اعتبار سے ماورائے بشریت ہے۔

واقعہ معراج اور ایمانی نقطہ نظر:

مقام رسالت کے حوالے سے اسی ایمانی زاویۂ نظر کا مظاہرہ ابوبکرؓ نے واقعۂ معراج کی

روایت کے موقع پر بھی کیا۔ جب ابوجہل کو پتہ چلا کہ رسولِ خدا ﷺ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ، وہاں سے عرش اعظم اور پھر واپسی سفر کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سرپٹ دوڑتا ہوا ابوبکرؓ کے پاس پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ ایسے ناممکن ومحال دعویٰ کی تصدیق سے ابوبکرؓ انکار کردے گا۔ چنانچہ جب ابوبکرؓ کے پاس پہنچا تو بڑے وثوق واعتماد کے ساتھ کہنے لگا کہ ابوبکرؓ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ، وہاں سے عرش اعظم اور پھر واپسی تک کا سفر رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں طے کر کے واپس آیا ہے تو اس بارے میں تیرا کیا خیال ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ ابوبکرؓ نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ابوجہل اندر ہی اندر بلیوں اُچھلا اور کہنے لگا کہ پھر تیرے دوست اور رسول نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے یہ سنا تو کہنے لگے اگر محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا دعویٰ کیا ہے تو پھر میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے درست ہے۔

سبحان اللہ! ابوبکرؓ ایمانی نقطہ نظر کا حامل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ رسول ﷺ جو بظاہر عالمِ بشریت کا ایک فرد ہے فقط بشر ہی نہیں ہے بلکہ رسول ہونے کی حیثیت سے عالم بالا کا نمائندہ اور سفیر بھی ہے۔ ذات وصفاتِ الٰہیہ کا نمائندہ ومظہر ہونیکی حیثیت سے چشم زدن میں یہ مسافت طے کرلینا اسکے لئے قطعاً ناممکن یا محال نہیں۔ عالمِ بالا کا باشندہ اگر اپنے وطنِ اصلی کا چکر لگا آیا ہے تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے۔ رسالتماب ﷺ کی حقیقت مطہرہ کے حوالے سے مذکورہ زاویہ نظر کے حامل فقط ابوبکرؓ ہی نہ تھے بلکہ ہر صحابیِ رسول ﷺ اور مومنِ خالص حضور ﷺ کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ایک موقع پر جب منافقین نے آپ ﷺ کے علم کی وسعت پر اعتراض کیا تو ان کی یہ حرکت آپ ﷺ کی طبع نازک پر گراں گزری چنانچہ ایک دن آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور صحابہؓ کے سامنے ازل سے ابد تک کے سارے حالات وواقعات بیان فرمادیئے۔ جب آپ ﷺ ماکان ومایکون کے رازہائے سربستہ سے نقاب اٹھا چکے تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے بصد عجز ونیاز جس حقیقت کا اعلان کیا وہ اسی زاویۂ نگاہ کا آئینہ دار تھا جو ہر مومن ومخلص صحابیؓ کا ایمان تھا۔ آپؓ نے

دست بستہ عرض کیا:

📖 رضینا باللہ ربًا و بالاسلامِ دینًا و بمحمدٍ رّسولاً۔

ترجمہ: ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور آپ ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔

حالات و واقعات کے تناظر میں اس موقعہ پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ربوبیت اور رسالتماب ﷺ کی رسالت پر ایمان کا مطلب سوائے اسکے اور کیا تھا کہ ہم منافقین کی مانند فقط آپ ﷺ کے ظاہر پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ پیکرِ بشری میں مستور آپ ﷺ کی حقیقت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کو مطلع علی الغیب بھی تسلیم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو حاصل اُن تمام اوصاف وکمالات اور معجزات و امتیازات کو بھی مانتے ہیں جو عالمِ بالا کا نمائندہ اور ذات و صفاتِ خداوندی کا مظہرِ اتم ہونیکی حیثیت سے آپ کو حاصل ہیں۔

توجہ طلب نکتہ:

مذکورہ واقعے کی روشنی میں ایک اور حقیقت بھی جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ بوجہلی ملت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی صفوں میں بعض ایسے نام نہاد مسلمان بھی موجود تھے جو فقط آپ ﷺ کی بشری حیثیت پر ہی نظر رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے علم وتصرف سمیت ان تمام اوصاف وکمالات کے منکر تھے جورب تعالیٰ کا رسول اور عالمِ بالا کا نمائندہ وسفیر ہونیکی حیثیت سے آپ ﷺ کو حاصل تھے۔

مقامِ رسالت کو سمجھنے اور اسکے اظہار و بیان میں زاویۂ نظر کا یہ اختلاف بدقسمتی سے آج بھی موجود ہے ہم کسی پر زبان طعن دراز کرتے ہیں نہ ہی کسی پر منافقت کا الزام لگاتے ہیں لیکن اس افسوسناک حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آج بھی امت مسلمہ کا ایک طبقہ رسالتماب ﷺ کی بشری حیثیت کو ہی آپ ﷺ کی حقیقت سمجھتا ہے۔ یہ طبقہ سرور انبیاء ﷺ کی فقط اسی حیثیت پر زور دیتا

اور آپ ﷺ کے بحیثیت بشرِ کامل اوصاف و محاسن کا گرویدہ و پرستار ہے۔ اس طبقے کا زاویۂ نگاہ آپ ﷺ کے فقط اُنہی اوصاف و کمالات کا احاطہ کرتا ہے جن کا تعلق آپ ﷺ کے بشری پہلو کے ساتھ ہے اور اپنے لٹریچر اور اظہار و بیان میں آپ ﷺ کے مافوق البشریت کمالات اور ذات و صفات الٰہیہ کا نمائندہ و مظہر ہونیکی حیثیت سے آپ کے اعزازات و امتیازات اور فضائل و شمائل کو موضوع تک نہیں بناتا بلکہ نہایت حقارت آمیز انداز میں ان کا ذکر کرتے ہوئے انہیں محض رطب و یابس اور قصے کہانیاں قرار دیتا ہے۔

اہلِ محبت کا زاویۂ نگاہ:

جبکہ اہلِ محبت کا طبقہ آپ ﷺ کے جملہ بشری محاسن اور بحیثیت انسانِ کامل آپ ﷺ کے خصائص و کمالات کی دلداری اور آپ ﷺ کی سیرت و تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ ذات و صفاتِ خداوندی کا مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کو حاصل جملہ اوصاف و کمالات، اعزازات و امتیازات، جمیع علوم کائنات ارض و سما میں جاری آپ کے اختیارات اور دنیا و آخرت کی نعمتوں پر آپ کے تصرفات پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ اس طبقے کی نظر فقط حضور ﷺ کی شخصیت مطہرہ کے بشری و تعلیماتی پہلوؤں کا چرچا ہی نہیں کرتی بلکہ ''صدیقی وفاروقی'' زاویۂ نظر کی متابعت میں آپ ﷺ کی شخصیتِ مقدسہ کے ماورائے بشریت جلوؤں کے نظارے بھی کرتی ہے۔

ایمان حقیقتاً ایمان بالرسالت ہی کا نام ہے:

حرفِ آخر کے طور پر اس امر کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ایمان دراصل ایمان بالرسالت ہی کا نام ہے۔ ایمانیات کے باب میں حفظِ مراتب کے اعتبار سے اگرچہ ایمان باللہ پہلے آتا ہے لیکن حقیقی و واقعاتی اعتبار سے ایمان بالرسالت ہی مقدم ٹھہرتا ہے کیونکہ ایمان بالرسالت کے ذریعے ایمان باللہ کی راہ کھلتی ہے۔ ماننے والا پہلے رسول کو دیکھتا ہے۔ اس کی شخصیت اور کردار کا

مطالعہ کرتا ہے اور جب رسول کی شخصیت اسکے نزدیک لائقِ اعتماد ٹھہرتی ہے تو پھر اسکے دعویٰ رسالت کی صداقت کا اعتراف کرتا ہے۔ اب رسول اُس سے جو کچھ منواتا چلا جاتا ہے وہ اُسے مانتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح اس کا ایمان مکمل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایمان بالرسالت ہی حقیقتاً بابِ ایمان ہے جسکے ذریعے انسان خلدِ ایمان میں داخل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے ایمان لانے کا مطالبہ کیا تو اپنے تمام تر گمراہانہ فکر و عمل کے باوجود ایمان کے حوالے سے جو جواب اُنہوں نے دیا وہ اسی تصور کا آئینہ دار تھا۔ اُنہوں نے کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ)

ترجمہ: ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیں گے۔

ایمان کی نسبت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی کی۔ جس کا حق تعالیٰ یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے انکار نہیں کیا گیا۔ مذکورہ تصور پر قرآن و حدیث سے اور بھی متعدد شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن مومن اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کے قبولِ اسلام کی شہادت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مومن اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کی گواہی:

سیدنا صدیق اکبرؓ دائرہ ایمان کا نکتہ اولیں اور شجر امت مصطفویہ ﷺ کیلئے اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں قبولِ اسلام کے تاریخی لمحات میں اُنہوں نے اپنے ایمان کا اظہار و اعلان جن الفاظ میں کیا وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا قبول اسلام کا واقعہ اپنے اندر متعدد روح پرور حکمتیں اور ایمان افروز پہلو رکھتا ہے۔ جن میں سے ایک کا تذکرہ ہم نے گذشتہ باب میں کر دیا ہے لیکن اس وقت ہم خلدِ ایمان میں داخل ہوتے وقت ابوبکرؓ کی زبان سے نکلنے والے

زریں کلمات کے حوالے سے فقط مذکورہ تصور ہی پر استنباط کریں گے۔ جب ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی گئی تو.............:

فعانقه و قبل بين عينيه وقال اشهد انك رسول الله.

ترجمہ: وہ حضور ﷺ سے بغلگیر ہو گئے۔ آپ ﷺ کی منور پیشانی چوم لی اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ اللہ ابوبکرؓ نے قبولِ اسلام کے حسین تاریخی لمحات میں یہ حقیقت آشکار کردی کہ ایمان دراصل نام ہی سرورِ انبیاء ﷺ کو اللہ کا رسول اور نمائندہ وسفیر مان لینے کا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ یہی وہ نسبت ہے جو مومن اور کافر کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے ورنہ حق تعالیٰ کو ماننے والے اس وقت بھی کم نہ تھے اور آج بھی بہت ہیں۔

مشرکین مکہ بھی رب تعالیٰ کو مانتے تھے:

یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ مشرکین مکہ بھی حق تعالیٰ کی ذات کے منکر نہ تھے۔ وہ ربِ کائنات کو مانتے تھے اور اس پر متعدد قرآنی شہادتیں موجود ہیں لیکن ان کا ایمان توحید خالص پر نہ تھا بلکہ ان کا عقیدہ طرح طرح کے مشرکانہ تصورات کی آمیزش سے ان کا عقیدہ آلودہ ہو چکا تھا۔ اسی لئے تو اُنہیں مشرکین کہا جاتا ہے وہ بلاشبہ مشرک تھے لیکن ''کافر'' تب قرار پائے جب اُنہوں نے حضور سرورِ عالم ﷺ کے منصبِ رسالت کا انکار کیا۔ اُن کا عمل کفر کا مصداق تب بنا جب وہ حضور ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے سے انکاری ہوئے۔ یاد رہے کہ انسان ''کافر'' رسول ہی کے انکار سے بنتا ہے۔ یقیناً جس ذات کا انکار کفر ہے اُسی کو ماننا ہی ایمان قرار پائے گا۔

انکار کی تاریخ کا آغاز کب ہوا کیسے ہوا:

آیئے اب ذرا تاریخِ تخلیق کے آئینے میں بھی جھانک کر دیکھ لیا جائے کہ انکار کی تاریخ کا

آغاز کب ہوا۔ کیسے ہوا اور سب سے پہلا انکار جو کیا گیا تو اُسکا موضوع کیا تھا اور وہ انکار کس چیز سے متعلق تھا۔ اس حقیقت پر کسی شہادت کی ضرورت نہیں کہ سب سے پہلا انکار جو کیا گیا وہ عظمتِ آدم علیہ السلام سے متعلق تھا۔ حق تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافت سے نواز کر عظمتِ آدم علیہ السلام کے اعتراف کے طور پر ملائکہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کیلئے کہا تو تمام ملائکہ جھک گئے اُنہوں نے حق تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہونیکی حیثیت سے اُن کے مقام ومنصب کا اعتراف کیا۔ ابلیس بھی منصبِ خلافت کے حوالے سے خلیفہ پر ہونیوالی بے پایاں نوازشات اور علم وتصرف کے باب میں ابنِ آدم پر کھلنے والے بے پایاں امکانات پر نظر رکھتا تھا۔ اسلئے بر بنائے حسد عظمتِ آدم علیہ السلام کے اعتراف سے محروم ہوگیا۔

بر سبیل تذکرہ:

بحیثیت خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کئے گئے بے پایاں و بے کنار علم کا مشاہدہ تو ملائکہ کو اُسی مجلس میں کرا دیا گیا تھا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے البتہ کائنات ارض وسما میں عطا کئے گئے تصرفات واختیارات کا مشاہدہ ان کی اولاد میں سے منصبِ رسالت پر فائز برگزیدہ افراد کے ہاتھوں صادر ہونیوالے معجزات کی صورت میں کرایا جاتا رہا۔ نیز ابتدائے آفرینش سے آج تک علم وہنر کے جو نئے نئے باب کھل رہے ہیں۔ نئے نئے علوم اور دریافتیں منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔ کائنات کے سر بستہ راز بے نقاب ہو رہے ہیں۔ مخفی حقیقتوں سے پردے اُٹھ رہے ہیں اور انسان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے ذریعے فاصلے سمیٹ رہا ہے کائنات کی وسعتوں کو پھلانگ رہا ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور قوانین فطرت کی تسخیر کے ذریعے زمین پر بیٹھا سیارگان فلکی کے حالات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور نئی سے نئی حیران کن چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں حتی کہ جانوروں کی کلوننگ کے بعد اب انسانی کلوننگ کے منصوبے بن رہے ہیں تو یہ سب کچھ کیا ہے؟ بلاشبہ اسی علم وتصرف اور اختیار وقدرت کا پرتو

ہی تو ہے جس کا خمیر حق تعالیٰ نے وجودِ آدم علیہ السلام میں اپنے خلیفہ و نائب ہونیکی حیثیت سے رکھ دیا تھا۔

عظمتوں کا سفر جاری رہا/انکار کا وطیرہ بھی جاری رہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو نیابت و رسالت کا تاج پہنایا گیا اور اولادِ آدم علیہ السلام میں بھی ہر دَور میں روحانی ترقی و ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد ہی میں سے منتخب افراد منصبِ رسالت پر فائز ہوتے رہے۔ سعید روحیں اُن کی اس حیثیت کا اعتراف کرتی رہیں لیکن ابلیس کے پیروکار ہر دَور میں شانِ رسالت کے انکار کی پالیسی پر کاربند رہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم اور اسکی ذات وصفات کے مظہرِ اتم انبیاء و رسل کے مقتدا و پیشوا نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت و رسالت کا زمانہ آپہنچا۔ اپنے نائب و نمائندہ ہونیکی حیثیت سے حق تعالیٰ نے اپنے آخری اور محبوب رسول ﷺ کو خلافتِ عظمیٰ کا تاج پہنا کر جس شان و شوکت اور امتیاز کے ساتھ مبعوث فرمایا اور جس انداز سے اپنی ذات و صفات کا نمائندہ و سفیر اور مظہرِ کامل بنا کر بھیجا اسی طرح شد و مد کے ساتھ شیطانی قوتوں کی طرف سے آپ ﷺ کی مخالفت کی گئی اور آپ ﷺ کی نمائندہ حیثیت سے انکار کیا گیا۔

سرورِ انبیاء ﷺ کا انکار کرنیوالے دو طبقات:

خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت کا انکارِ صریح کرنیوالے طبقے یعنی کفار کے ساتھ ساتھ بظاہر اقرار کے پردے میں ایک نہایت اور مکروہ اور بدباطن طبقہ بھی معرضِ وجود میں آگیا جو منافقین کہلایا۔ یہ طبقہ ایمانیات کے دیگر ہر شعبے کا قائل تھا اگر اُسے انکار تھا تو فقط عظمتِ رسالت ﷺ کے اعتراف سے۔ اس طبقے کا اصل روگ حسد اور محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ عداوت تھی۔ قرآن نے ان کی اسی نفسیات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا o (النسآء:٦١)

ترجمہ: جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس فرمان (قرآن) کی طرف جسے اللہ نے نازل کیا اور رسول ﷺ کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ ﷺ سے پیٹھ پھیرتے ہیں۔

یوں تو یہ طبقہ سرورِ انبیاء ﷺ کے ہر امتیاز اور وصف و کمال اور حق تعالیٰ کا نمائندہ و سفیر ہونے کی حیثیت سے آپ کے اختیارات و تصرفات کا منکر تھا لیکن آپ ﷺ کی شانِ شفاعت سے تو اسے خاص بیر تھا جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہے۔

یاد رہے کہ انکارِ رسالت کا فتنہ مابعد تمام ادوار میں بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا اور اب تک جاری ہے۔

ہر الحادی تحریک کا روگ شانِ رسالت کا انکار:

آپ کتب تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ تاریخِ اسلام کا مطالعہ کر لیجئے مختلف ادوار میں جتنی بھی الحادی اور گمراہ تحریکیں اور شخصیات گزری ہیں اُن کا اصل روگ یہی تھا۔ سب کی سب تحریکیں کسی نہ کسی اعتبار سے رسالت اور شانِ رسالت سے انکار کے تصور پر ہی مبنی تھیں۔ کسی تحریک کا موضوع یا مرکزی نکتہ صفاتِ الوہیت، تصورِ توحید یا دیگر شعبہ ہائے ایمان میں سے کسی کا انکار نہ تھا۔ ہر گمراہ شخصیت، باطل طبقے اور الحادی تحریک نے منصبِ رسالت ہی کے حوالے سے حضور ﷺ کی کسی نہ کسی شان کا انکار کیا۔ کسی نے توحید کی آڑ میں تنقیصِ رسالت کا باب کھولا تو کسی نے قرآن کی آڑ میں حضور ﷺ کے تشریعی منصب سے انکار کیا۔ عنوان بڑے بڑے خوبصورت باندھے جاتے رہے لیکن نفسِ مضمون سراسر گمراہی اور ضلالت پر مشتمل رہا۔ خوارج سے لیکر دَورِ حاضر تک کی سب الحادی تحریکوں کا اصل روگ یہی ہے۔

عالمِ کفر کا سارا زور آج بھی منصبِ رسالت سے انکار پر ہے:

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ کفر و اسلام اور حق و باطل کے درمیان اصل کشمکش اور

مخاصمت کا میدان منصب رسالت ہی ہے۔آج بھی عالمِ کفر عالمِ اسلام کے خلاف علمی وفکری سطح پر برسرِ پیکار ہے تو اسکی ساری سعی و کاوش کا مرکز اور تحقیقات کا محور منصبِ رسالت ہی ہے۔ عالمِ عیسائیت کا موجودہ لٹریچر اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ عالمِ یہودیت کے لٹریچر کا مطالعہ کر لیجئے۔ ہر کتاب پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف لکھی جاری ہے۔

ہر ہر باب عظمتِ رسالت پر کیچڑ اچھالنے کیلئے قائم کیا جارہا ہے۔عیسائی و یہودی محققین کا سارا زورِ تحقیق حضور ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی پر صرف ہورہا ہے آپ ﷺ کے پیغمبرانہ تقدس کی مجروح کرنے کیلئے سوقیانہ ہتھکنڈے استعمال کیے جارہے ہیں۔ مستشرقین تحقیقِ جدید کے تصور کی آڑ میں رسولِ خدا ﷺ اوران کی تعلیمات کو نشانہ بنارہے ہیں بغض وعناد کی آگ میں جلنے والے اسلام دشمن محققین بدترین قسم کی علمی بددیانتی اور فکری تعصب کا مظاہرہ کررہے ہیں۔لائبریریوں کی لائبریریاں ایسے لٹریچر سے بھری پڑی ہیں۔مغرب کے اشاعتی ادارے دن رات زہریلا لٹریچر چھاپنے میں مصروف ہیں۔آج کل کے مغربی میڈیا نے تو انتہا کردی ہے ہر ایک کا ہدف منصبِ رسالت ہے۔ عصمتِ رسول اور مقامِ رسالت ہے۔تصورِ توحید کسی کے دل ونگاہ میں نہیں کھٹکتا۔ صفات باری تعالیٰ کے انکار پر کسی کو اصرار نہیں۔ ملائکہ اور مسئلہ تقدیر کسی کے حرز جاں نہیں۔ یومِ قیامت اور حیات بعدالممات کا تصور کسی کا روگ نہیں۔تصور وحی پر بھی کسی کو اعتراض نہیں۔ عقائد اسلام میں سے کوئی تصور اہلِ مغرب کو کھٹکتا ہے تو وہ تصورِ رسالت ہی ہے کسی نظام نے ان کی نیندیں حرام کررکھی ہیں تو وہ نظامِ رسالت ہے اور کسی شخصیت کے خلاف وہ بغض وعناد کی آگ میں جل رہے ہیں تو پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی شخصیت ہے۔کوئی فکر وفلسفہ اُن کے لئے روگ بن چکا ہے تو وہ فکرِ مصطفوی ﷺ ہے۔غرضیکہ شیطانی ذریت کا سارا زور آج بھی تصورِ رسالت کی نفی پر ہے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ:

لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر بھی ایسے مفکرین اور داعیانِ دین کی

کمی نہیں جو سرورِ انبیاء ﷺ کی فقط بشری حیثیت کو ہی آپ کی حقیقت قرار دیتے ہیں اور اسی پر اصرار کو حقیقی دینی خدمت قرار دے رہے ہیں۔ اس طبقے میں موجود بعض اعتدال پسند مصنّفین اور محققین نے بلاشبہ آپ ﷺ کے بشری محاسن اور آپ ﷺ کے اسوۂ و سیرت کی عظمت کے بیان میں کئی قابلِ ذکر تصانیف بھی قلمبند کی ہیں لیکن اس حقیقت پر بھی اظہارِ افسوس کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ اس طبقے نے منصبِ رسالت کی تفہیم کے حوالے سے اپنے زاویۂ نظر کو وسعت نہیں دی۔ حق تعالیٰ کا نمائندہ وسفیر اور ذات و صفاتِ الٰہیہ کا مظہرِ اتم ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کو جو اوصاف و کمالات اور بے پایاں اختیارات و تصرفات اور امتیازات حاصل ہیں ان سے آنکھیں چرا کر گزر جانے کی پالیسی کو اپنایا ہے اور ہر اس شان کا صراحتاً یا کنایتہً انکار کیا ہے جو آپ ﷺ کی مافوق البشری حیثیت سے متعلق ہے اگر آج بھی یہ طبقۂ امت تفہیمِ رسالت کے حوالے سے الوہی نقطہ نظر اپنا لے اور حق تعالیٰ جس زاویۂ نظر سے اپنے رسول ﷺ کو پیش کرتا ہے اور اسے جس انداز میں اور جس طرح منوانا چاہتا ہے اسے مان لے تو اتحادِ امت کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

؎ کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

....

دوسرا باب (حصہ دوم)

توحید و رسالت کا باہمی تعلق

وجودِ مصطفوی ﷺ دلیلِ توحید و وجودِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن گواہ ہے کہ جب بھی کسی نبی یا رسول نے گم کردہ راہ انسانوں کے سامنے دعویٰ توحید رکھا اور اُنہیں معبودانِ باطل سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے مالک حقیقی کی بارگاہ میں سر جھکانے کی دعوت دی تو اُنہوں نے اس نبی یا رسول سے دعویٰ توحید کی تصدیق یا اپنے منصبِ رسالت کے ثبوت کے طور پر کوئی نہ کوئی دلیل ضرور طلب کی۔ یہ دلیل بالعموم کوئی نہ کوئی حسی یا خارجی معجزہ ہوتا تھا۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم عاد کے مطالبے پر اونٹنی کا معجزہ عطا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کے معجزات عطا ہوئے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتیٰ سمیت دیگر معجزات عطا کئے گئے۔ غرضیکہ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کو دعویٰ توحید اور اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر حالات کے تقاضوں کے مطابق مختلف معجزات عطا کئے گئے جو اُنہوں نے مخالفین و معاندین حق کے مطالبے پر اُن کے سامنے پیش کئے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے بھی جب کفار و مشرکینِ مکہ کے سامنے دعوتِ توحید رکھی تو آپ ﷺ سے بھی دعویٰ توحید و رسالت کی دلیل کے طور پر معجزہ طلب کیا گیا۔ آپ ﷺ بھی اگر چاہتے تو اپنے دعویٰ نبوت کی دلیل کے طور پر کوئی خارجی و حسی معجزہ پیش فرما سکتے تھے جیسا کہ بعدازاں مختلف اوقات میں آپ ﷺ کے ہاتھوں مختلف محیر العقول واقعات اور معجزات رونما ہوئے۔ آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ آپ ﷺ کی دعا سے غروب ہوتا ہوا سورج واپس پلٹا آپ ﷺ کی توجہ سے ابوجہل کی مٹھی میں بند کنکریوں نے شہادتِ توحید دی۔

آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ درخت زمین کا سینہ چیرتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وغیرہ وغیرہ لیکن اس موقع پر آپ ﷺ نے دعویٰ توحید اور اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر کسی خارجی وحسی معجزے کا سہارا لینے کی بجائے خود اپنی شخصیت اور سابقہ زندگی کو بطورِ دلیل پیش کر دیا اور فرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِنْ قَبْلِهِ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ: میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے۔ اس پر غور کیوں نہیں کرتے

یعنی میری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند تمہارے سامنے ہے۔ میری کتاب زندگی کا ایک ایک ورق تمہاری نظر میں ہے۔ میری خلوتیں، میری جلوتیں سب تم پر آشکار ہیں۔ میری سیرت اور میرا کردار سب کچھ تم پر عیاں ہے۔ میں نے تمہارے درمیان ایک بھرپور زندگی گزاری ہے مختلف حیثیتوں میں تمہارے ساتھ معاملہ کیا ہے۔ بھلا میری زندگی کے کسی پہلو یا کسی گوشے میں کوئی عیب یا کوئی کجی تمہارے مشاہدے میں آئی ہے۔ میری زندگی کے کسی معاملے یا کسی شعبے میں کوئی سقم یا کسی کمزوری کی نشاندہی تم کر سکتے ہو۔ اگر میری زندگی ہر قسم کے عیب وسقم سے پاک اور کجی وکمزوری سے مبرا ہے اور کسی اعتبار سے بھی میرے سیرت وکردار کا کوئی پہلو محلِ اعتراض نہیں میری صداقت وامانت کے بھی تم معترف ہو تو پھر میرے دعویٰ توحید کو مان لینے اور میری رسالت کی صداقت کو تسلیم کر لینے میں تمہیں کونسا امر مانع ہے۔

انوکھا دعویٰ نرالی دلیل:

یہ ایک انتہائی نازک اور اہم مرحلہ تھا۔ صدیوں سے کفر وضلالت کی دلدلوں میں پھنسی انسانیت کو توحید کی دعوت دی جا رہی تھی۔ کفر وشرک میں ملوث ذہنوں کے سامنے توحیدِ خداوندی کا انوکھا دعویٰ رکھا جا رہا تھا۔ اس انوکھے اور عظیم دعویٰ کی تصدیق کے لئے دلیل بھی اتنی ہی قوی اور

مضبوط درکار تھی۔ چنانچہ اس نازک مرحلے پر کسی خارجی یا حسی معجزے کا سہارا لینے کی بجائے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ہی ذات کو بطور دلیل پیش کر دیا۔ مزید لطف کی بات یہ کہ بطور دلیل پیش بھی اس عرصۂ حیات کو کیا جو بعثت سے پہلے کا تھا۔ سبحان اللہ! جس ذات کی قبل از بعثت زندگی دعویٰ توحید کی صداقت کی دلیل ٹھہرے اسکی مابعد بعثت زندگی کی عظمت اور عصمت وطہارت کا عالم کیا ہوگا۔

توحید و وجودِ باری پر دلیل اتم:

مذکورہ قرآنی استدلال کی روشنی میں یہ حقیقت بلاشک و شبہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ذات مصطفوی ﷺ دلیلِ توحیدِ وجود باری تعالیٰ ہے۔ یوں تو کائناتِ ہست و بود میں ہر سو اسی کی شانِ ربوبیت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں اور کائنات کا ہر ہر وجود حسب حال اسی حقیقتِ اولیٰ پر دلالت کر رہا ہے لیکن اُس ذات بے ہمتا کے وجود اور وحدانیت کی کامل ترین اور ناقابلِ تردید دلیل فقط وجودِ مصطفیٰ ﷺ ہے آپ ﷺ کی اس حیثیتِ زیبا کا ذکر قرآن حکیم میں ایک مقام پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

📖 قَدْ جَاءَ كُمْ من الله بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۝

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اس کی وحدانیت پر) دلیلِ کامل آ گئی۔

نتیجۂ کلام:

جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حق تعالیٰ نے ذاتِ مصطفوی ﷺ کو اپنی ذات پر دلیل بنا کر مبعوث کیا ہے تو پھر جملہ صفات الٰہیہ جو تابع ذاتِ باری ہیں پر دلالت کیلئے صفاتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان و اعتقاد رکھنے میں کونسا عقلی و شرعی امر مانع ہے۔ جب ذاتِ مصطفوی ﷺ ذاتِ خداوندی پر دلیل بن سکتی ہے تو پھر صفاتِ مصطفوی ﷺ صفاتِ خداوندی پر دلیل کیوں نہیں ہوسکتیں۔ حق یہ ہے کہ ذاتِ مصطفوی ﷺ ذاتِ باری کی مظہر اتم اور صفاتِ مصطفوی ﷺ صفاتِ

الٰہیہ پر دلیل اتم ہیں۔ ذات و صفاتِ خداوندی اور ذات و صفاتِ مصطفوی ﷺ ایک دوسرے کیلئے بمنزلہ دعویٰ و دلیل ہیں۔ دلیل کا اثبات چونکہ دعویٰ کا اثبات اور دلیل کا انکار دعویٰ کا انکار ہوتا ہے اسلئے حضور ﷺ کی ذات و صفات کا اقرار ذات و صفاتِ خداوندی کا اقرار اور آپ ﷺ کی ذات و صفات کا انکار ذات و صفاتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ پھر منطقی اعتبار سے ہر دعویٰ چونکہ اپنے اثبات کیلئے دلیل چاہتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے اوصاف و کمالات کے اقرار کی فقط ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ اسکی ربوبیت کے شاہکارِ اعظم کے اوصاف و کمالات کا اقرار کیا جائے۔ جس طرح آپ ﷺ کی ذات کا انکار کر کے ذاتِ حق کا اقرار ممکن نہیں اسی طرح آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا انکار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے اوصاف و کمالات کا اقرار کیونکہ معتبر ہوسکتا ہے۔ شانِ رسالت کا انکار کر کے توحید پر ایمان کا دعویٰ سراسر منافقت اور دجل و فریب کے علاوہ کچھ نہیں۔

شانِ دلالت و مظہریت کی ایک جھلک:

یوں تو اس ذات بے ہمتا کی شانیں اور اوصاف و کمالات بے حد و بے شمار اور انسانی ذہن کے احاطہء ادراک سے ماورا ہیں لیکن علم اور قدرت اسکی دو ایسی شانیں ہیں کہ بقیہ ساری شانیں انہیں دو شانوں کی تفصیل و تفسیر ہیں۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ اُس علیم و قدیر ذات نے کس طرح ان شانوں میں اپنے محبوب ﷺ کو شانِ دلالت کے ساتھ نوازا اور کس طرح ان شانوں کا مظہر بنایا ہے کہ آپ ﷺ کی شانِ علم، علم خداوندی اور آپ ﷺ کی شانِ تصرف قدرتِ خداوندی پر دلیل بن سکے۔

ذاتِ باری عالم الغیب ہے۔ کائنات ہست و بود کا ہر ہر ذرہ اور ہر ہر گوشہ ہر وقت ہر آن اس کے سامنے منکشف ہے۔ اس کی وسعتِ علمی کا اندازہ انسانی فہم نہیں کرسکتا لیکن اسکی اس شانِ علم پر ایمان لانا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے چنانچہ انسان کو اسکے حسب ظرف اپنی شانِ علیمی کی ایک جھلک دکھانے اور اسکے ایمانِ محض کو زندہ حقیقت کا درجہ عطا کرنے کیلئے اس نے اپنے محبوب ﷺ کو مغیبات

پر مطلع فرمایا۔ آپ ﷺ پر عالمِ کون و مکاں کے سربستہ راز کھولے اور ماکان و مایکون کا علم عطا فرمایا تاکہ آپ ﷺ کے علم کی وسعت اور مشاہدے کی بے کرانی کو دیکھ کر عقلِ انسانی کو اُس علام الغیوب کی وسعتِ علم اور شانِ علیمی کا کچھ تو اندازہ ہوجائے اور وہ یہ جان سکے کہ جس ذاتِ بے ہمتا نے اپنے رسول ﷺ کو یہ وسعتِ علم عطا کی ہے خود اس کے اپنے علم کی وسعتوں کا عالم کیا ہوگا۔ جسکے بندے اور رسول ﷺ کے بحرِ علم کا کوئی کنارہ نہیں اُس کے اپنے علم کی جولانیوں اور بے کرانیوں کا عالم کیا ہوگا۔

لمحۂ فکریہ:

کس قدر ستم ظریفی کی بات ہے کہ رب تعالیٰ تو اپنے رسول ﷺ کے علم کو اپنے علم کی دلیل بنا کر بھیجے اُس کے علم کی وسعت کے ذریعے اپنے بے پایاں علم کی جھلک دکھانا چاہیے اُسکے علم کے اظہار کے ذریعے اپنے علمِ مستور کو منوانا چاہیے لیکن ناقدر شناس اور کوتاہ بیں عقلِ انسانی اس علم کے اثبات کو شرک گردانے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

📖 **عرضت علی امتی فی صورھا فی الطین کما عرضت علی آدم فاعلمت من لومن ومن یکفر** (خازن: ۳۰۸)

ترجمہ: اپنی اپنی صورتوں میں مجھ پر میری امت پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا۔

سرور انبیاء ﷺ کے فرمانِ ذیشان کو سن کر منافقین نے استہزاء کیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

📖 **زعم محمد انه یعلم من یومن به ومن یکفربه**

ترجمہ: محمد ﷺ کا یہ گمان ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جانتے ہیں جو اِن پر ایمان لائے گا اور جو ایمان نہیں لائے گا (حالانکہ)

نحن معه ومایعرفنا

ترجمہ: ہم ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہمیں نہیں پہچانتے۔

جب آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو ایک دن آپ ﷺ نے لوگوں کو مسجد میں جمع فرمایا منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلو فی عن شیٔ فیما بینکم و بین الساعة الاّ نباتکم به (تفسیر مظہری: ۱۷۵)

ترجمہ: ان قوموں کا کیا حال ہوگا جو ہمارے علم میں طعن کرتی ہیں۔ اس وقت سے لیکر قیامت تک ہونے والی کسی بھی چیز کی بابت چاہو پوچھ لو۔ میں تمہیں اسکی خبر دوں گا۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

فواللّٰه لا تسئلونی عن شیٔ اِلاّ اخبرتُکم بهٖ مادمتُ فی مقامی هٰذا

(بخاری جلد ۲: ۱۰۸۳)

ترجمہ: خدا کی قسم! جس چیز کے بارے میں پوچھو گے یہیں کھڑے کھڑے اسکا جواب دونگا۔

لوگوں نے آپ ﷺ سے کچھ سوالات کیئے۔ آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر آثار جلال نمایاں تھے۔ لوگ رحمۃٌ للعلمین کا پُر جلال چہرہ دیکھ کر رونے لگے۔ فاروق اعظمؓ چہرۂ مصطفوی ﷺ پر آثارِ جلال دیکھ کر دست بستہ عرض گزار ہوئے یارسول اللہ ﷺ!

رضینا باللّٰه ربا وّ بالا سلامِ دینًا و بِمُحَمَّدٍ رَّسُولاً.

ترجمہ: ہم حق تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور آپ ﷺ کے رسول ﷺ ہونے پر راضی ہیں۔

اس موقع پر آپ ﷺ کی رسالت کے اقرار اور آپ ﷺ کی رسالت پر راضی ہونے کا

مطلب سوائے اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک ایمان نام ہی آپ ﷺ کے جملہ اوصاف وکمالات کے اقرار کا ہے۔ منافقین نے آپ ﷺ کے علم پر ہی تو طعن کیا تھا۔ آپ کی رسالت کا مطلق انکار تو اُنہوں نے بھی نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان کی یقین دہانیاں تو وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر کرایا کرتے تھے۔ قرآن گواہ ہے۔

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون: ۱)

ترجمہ: جب منافق آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ یقیناً اسکے رسول ہیں اور وہ گواہی دیتا ہے کہ منافق بالیقین جھوٹے ہیں۔

منافقین بظاہر حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتے تھے اور صبح وشام اپنے ایمان کی یقین دہانیاں کراتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کی خداداد وسعتِ علمی کے قائل نہ تھے اور اپنے حلقوں میں آپ ﷺ کی شانِ علمی کا استہزاء کرتے تھے۔ ایمان بالرسالت کے ایک لازمی جز کا انکار کرتے تھے لہٰذا ربّ العزت نے اپنی گواہی کے ساتھ اُنکے ایمان کی نفی کردی۔

یہاں ایک اور بات جو بصراحت سامنے آئی وہ یہ کہ منافقین کا اصل روگ اور انکی اصل بیماری شانِ رسالت کا انکار تھا۔ توحید اور لوازماتِ توحید کی پاسداری سے اُنہیں انکار نہ تھا۔ دیگر ضروریاتِ دین کی پاسداری سے بھی وہ انکاری نہ تھے۔ اُن کا اصل روگ ایمان بالرسالت سے متعلق ہی تھا اسی لئے تو اپنے ایمان کی یقین دہانیاں صرف آپ ﷺ کے منصب رسالت کے حوالے سے کراتے جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۝

ترجمہ: جب منافقین آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں (کہ) آپ ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

منافقین اپنے اصل روگ اور باطنی کیفیات سے خوب واقف تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف جس بغض وعناد اور حسد کی آگ میں وہ جل رہے تھے اس پر اُن سے بڑھ کر کوئی دوسرا کیا مطلع ہوگا لیکن چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق بارگاہ مصطفوی ﷺ میں آ کر اپنی صفائیاں پیش کرتے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کی منافقت پر بخوبی آگاہ تھے لیکن بعض مصلحتوں کے تحت اُنکی منافقت آشکار کرنے کو مؤخر کیا گیا۔ المختصر حضور ﷺ کو مطلع علی الغیب ماننا حق تعالیٰ کو عالم الغیب ماننے کا بدیہی تقاضا ہے۔ آپ ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے کا انکار باری تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا انکار ہے اور آپ ﷺ کی اس شان کا انکار منافقوں کا وطیرہ اور ان کا نمایاں شعار ہے۔

ربّ علیم وقدیر کی دوسری شان ''قدرت'' ہے۔ وہ علٰی کُلِّ شَیْءٍ قدیر کی شان کا مالک ہے اُسکے کلمۂ کن کہنے سے کائنات وجود میں آئی لیکن کسی آنکھ نے اُسکی شانِ قدرت کا یہ منظر نہیں دیکھا۔ اُسے منظور یہ ہوا کہ اپنی شانِ قدرت کی ایک جھلک چشم عالم کو بھی دکھائے۔ چنانچہ اپنے رسول ﷺ کے کائناتِ عالم پر تصرف کے منظر چشمِ عالم کو دکھا دیے۔ آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ آپ ﷺ کی دعا سے ڈوبتا ہوا سورج واپس پلٹا۔ چشمِ عالم نے آج تک اس سے بڑھ کر انسانی تصرف واختیار کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اپنے رسول ﷺ کے ہاتھوں ان تصرفات کے اظہار سے مقصود ذہنِ انسانی کو یہ باور کرانا تھا کہ جس کے بندے اور رسول ﷺ کے اشارے پر سیارگانِ فلکی اپنی گردش کے ضابطے اور سارے بندھن توڑ کر کھلونوں کی مانند کھنچے چلے آتے ہیں اُس مولا اور خالق ومالک کی شانِ قدرت کا عالم کیا ہوگا۔

جس طرح کائنات ارض سما میں حضور ﷺ کا تصرف قدرتِ خداوندی کی دلیل ٹھہرا اور

آپ ﷺ کی شانِ تصرف کے مشاہدے سے حق تعالیٰ کی شانِ قدرت کی راہ کھلی آپ ﷺ کا علم وسعتِ علمِ الٰہی کی دلیل قرار پایا اور آپ ﷺ کے وسعتِ علم کے مظاہرے سے حق تعالیٰ کی شانِ علیمی پر ایمان کی راہ کھلی اسی طرح آپ ﷺ کی ہر ہر شان اور آپ ﷺ کا ہر ہر کمال درحقیقت حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی شان اور کسی نہ کسی صفت کا مظہر اور اس پر ناطق دلیل ہے۔ آپ ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے کا انکار حقیقتاً حق تعالیٰ کے علام الغیوب ہونے کا انکار اور آپ ﷺ کے تصرف واختیار کا انکار درحقیقت قدرتِ خداوندی کا انکار ہے۔

اللہ اور اسکا رسول ﷺ لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کے مابین دعویٰ ودلیل کا تعلق ہے۔ ایک کا اقرار دوسرے کا اقرار اور ایک کا انکار دوسرے کا انکار ہے۔ جب ذات وصفاتِ مصطفوی ﷺ ذات وصفاتِ باری پر دلیل بنیں۔ ذات وصفاتِ باری کا اثبات انہی کے اثبات پر منحصر ٹھہرا تو پھر اس ذات کے ساتھ والہانہ محبت اور نسبتِ غلامی کیوں نہ اصل ایمان بلکہ عینِ ایمان قرار پائے گی۔ نصابِ ایمان میں نسبت وحبِ رسول ﷺ کی اسی اساسی اور اعتقادی حیثیت کے پیشِ نظر اسے ایمان کا مرکز ومحور قرار دیتے ہوئے ایمانی و عملی زندگی میں اس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔ واضح رہے کہ محبتِ رسول ﷺ محبتِ الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں حضور ﷺ کے ساتھ محبت اللہ ہی کی محبت کا دوسرا نام ہے۔ دونوں محبتیں ایک ہی نسبت کے دو عنوان ہیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ نسبت اللہ کے ساتھ نسبت ہے۔ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے درمیان مذکورہ یک نسبتی تعلق کے بیان سے پورا قرآن لبریز ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

📖 مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (القرآن)

ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں اس حقیقت کا اعلان دوٹوک الفاظ میں اس طرح کیا گیا ہے:

📖 من اطاع محمداً فقد اطاع اللّٰہ ومن عصی محمداً فقد عصی اللّٰہ ان محمد فرق بین الناس o (الحدیث)

ترجمہ: جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی بے شک ذاتِ محمد (ﷺ) ہی انسانوں کے درمیان بنائے امتیاز ہے۔

رسول ﷺ کا کلام کلامِ الٰہی ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

📖 وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o (النجم:)

ترجمہ: یہ رسول اپنی خواہشِ نفس سے تو کچھ بولتا ہی نہیں مگر جو اس پر اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔

رسول ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

📖 اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

رسول ﷺ پر سبقت اللہ پر سبقت ہے:

ارشادخداوندی ہے:

📖 یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (الحجرات:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر پہل (کرنے کی کوشش) نہ کیا کرو۔

رسول ﷺ کی طرف ہجرت اللہ کی طرف ہجرت ہے:

📖 وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (النساء:۱۰۰)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کیلئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

رسول ﷺ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے:

📖 مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا (التوبہ:۶۳)

ترجمہ: جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے اسکے لئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نار جہنم ہے۔

رسول ﷺ کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے:

📖 ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الانفال:۱۳)

ترجمہ: یہ (سزا) اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

رسول ﷺ سے جنگ اللہ سے جنگ ہے:

📖 اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ .... (المائدہ:۳۳)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں انکی سزا یہی ہے کہ..............

رسول ﷺ کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا ہے:

📖 وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (التوبہ:۶۱)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔

رسول ﷺ کو ایذا دینے والے یہ نہ سمجھیں کہ وہ فقط رسول ﷺ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں وہ حقیقتاً اللہ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

📖 اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ......... (الاحزاب ۵۷)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

رسول ﷺ کے ساتھ کذب بیانی اللہ کے ساتھ کذب بیانی ہے:

ارشاد خداوندی:

📖 وَقَعَدَ الَّذِیْنَ کَذَبُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ط (التوبہ: ۹۰)

ترجمہ: اور بیٹھے رہے وہ جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جھوٹ بولا تھا۔

رسول ﷺ کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے:

📖 یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ (الانفال: ۲۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حقوق میں خلل نہ ڈالا کرو۔

رسول ﷺ کی مدد کرنا اللہ کی مدد کرنا ہے:

📖 وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ط (التوبہ: ۱۶)

ترجمہ: اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔

رسول ﷺ کے ساتھ دوستی (رازداری) اللہ کے ساتھ رازداری ہے:

📖 وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً ط (التوبہ: ۱۶)

ترجمہ: اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا قلبی دوست (رازدار) نہ بنانا۔

رسول ﷺ سے محبت اللہ سے محبت ہے :

قُل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله.

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں (میری اس محبت بھری پیروی کے عوض) اپنا محبوب بنا لے گا۔

رسول ﷺ سے لاتعلقی اللہ سے لاتعلقی ہے :

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (التوبہ:۱)

ترجمہ: اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے (ایسے لوگوں کے ساتھ) اعلانِ لاتعلقی ہے۔

رسول ﷺ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے :

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج (الانفال:۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے بلاوے پر آجایا کرو جب تمہیں اللہ کا رسول ﷺ اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے حیات بخش ہے۔

رسول ﷺ کی عطا اللہ کی عطا ہے :

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ لا (التوبہ:۵۹)

ترجمہ: اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے اُنہیں عطا کیا تھا۔

رسول ﷺ کی مہربانی اللہ کی مہربانی ہے

سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ لا (التوبہ:۵۹)

ترجمہ: جو کچھ ہمیں اللہ اور اُس کا رسول ﷺ مہربان ہو کر دے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا اعلان اللہ کا اعلان ہے

📖 وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (التوبہ: ۳)

ترجمہ: اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان ہے کہ ....

رسول ﷺ کے ساتھ قول وقرار اللہ کے ساتھ قول وقرار ہے:

📖 عَهْدٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ (التوبہ: ۷)

ترجمہ: وہ قول وقرار (وعدہ) جو اُنہوں نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

الغرض حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت' آپ ﷺ کا کلام اللہ کا کلام' آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ' آپ ﷺ پر سبقت اللہ پر سبقت' آپ ﷺ کی طرف ہجرت اللہ کی طرف ہجرت' آپ ﷺ سے دشمنی اللہ سے دشمنی' آپ ﷺ کی مخالفت اللہ کی مخالفت' آپ ﷺ سے جنگ اللہ سے جنگ' آپ ﷺ کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا' آپ ﷺ سے کذب بیانی اللہ سے کذب بیانی' آپ ﷺ سے دھوکہ اللہ سے دھوکہ' آپ ﷺ کی مدد کرنا اللہ کی مدد کرنا' آپ ﷺ سے محبت اللہ سے محبت' آپ ﷺ سے لاتعلقی اللہ سے لاتعلقی' آپ ﷺ کا بلانا اللہ کا بلانا' آپ ﷺ کی عطا اللہ کی عطا' آپ ﷺ کی رضا اللہ کی رضا' آپ ﷺ کی مہربانی اللہ کی مہربانی' آپ ﷺ کی طرف سے اعلان اللہ کی طرف سے اعلان' آپ ﷺ کے ساتھ قول وقرار اللہ کے ساتھ قول وقرار ہے۔ مختصراً آپ ﷺ کے ساتھ نسبت وتعلق اللہ کے ساتھ نسبت وتعلق ہے۔ تو جس ہستی کو نصابِ ایمان میں یہ حیثیت حاصل ہو کہ گویا وہ کرۂ ارضی پر اپنے رب کی نمائندہ اور سفیر ہو تو ایسی ہستی کے ساتھ تعلقِ تام اور والہانہ محبت و وفاداری اصلِ ایمان بلکہ عینِ ایمان نہ ہوگی اور اُس ذات کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت پر اصرار تقاضائے ایمان نہ ہوگا تو پھر اور کس تصور' کس عقیدے اور کس شعبۂ ایمان کو یہ مقام حاصل ہوگا۔

تیسرا باب

حبِ رسول ﷺ پر اصرار کیوں؟

اسلام کا بنظر ذوق مطالعہ اس ایمان افروز حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ نسبتِ رسالتماب ﷺ دین و ایمان کی روح اور ذاتِ مصطفوی ﷺ ایمانی زندگی کا مرکز و محور ہے۔ آپ ﷺ کی محبت نہ صرف تقاضائے ایمان بلکہ عینِ ایمان ہے۔ اسلام سراسر غلامیٔ رسول ﷺ کا نام ہے اور آپ ﷺ کی محبت ہی اصل ایمان و روح اسلام ہے۔ باب ہذا میں ہم اس سوال کا جواب پانے کی کوشش کریں گے کہ حب رسول ﷺ کو اصلِ ایمان کیوں قرار دیا گیا اور آپ ﷺ کی محبت سرچشمۂ ایمان بلکہ عین ایمان کیونکر ٹھہری دین میں حُبِ رسول ﷺ کا مقام کیا ہے اور نصابِ دین و ایمان میں حُبِ رسول ﷺ پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟

باب ہذا کو ہم نے پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

☆ پہلی فصل میں عالمِ امر کے لطائف کی روشنی میں حُبِ رسول ﷺ کی معنوی و تشریعی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ دوسری فصل میں عالمِ خلق کے محسوس اور منافع بخش مادی حقائق کے حوالے سے حُبِ رسول ﷺ کی عقلی و منطقی بنیادوں کو تلاش کیا گیا ہے۔

☆ تیسری فصل میں عالمِ تشریع میں رشد و ہدایت کے منابع و مصادر کی روشنی میں حُبِ رسول ﷺ کی فکری و اعتقادی بنیادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ چوتھی فصل میں بفضلہٖ تعالیٰ عالمِ جذب و مستی کے لطائف کی روشنی میں حُبِ رسول ﷺ کی

قلبی وجذباتی بنیادوں کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ جبکہ پانچویں فصل میں جہانِ فکر و دانش کے نظری محاسن کی روشنی میں حُبِ رسول ﷺ کی ایمان پرور نظریاتی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تاکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجائے کہ عالمِ امر کے لطائف ہوں یا عالمِ خلق کے حقائق، عالمِ تشریع و ہدایت کے ضابطے ہوں یا عالمِ جذب و مستی کے عجائب ہر ہر عالم میں جانِ عالماں محبوب خالقِ کون و مکاں ﷺ ہی کی محبت کے چشمے جاری ہیں اور ہر ہر عالم اور اسکے حقائق پکار پکار کر فکرِ انسانی کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کررہے ہیں کہ کائناتِ ہست و بود میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جو خالق ومخلوق کی محبتوں کا مرکز ومحور اور رب ومربوب کی چاہتوں کا نقطۂ اتصال ہے جو فرشیوں کے دل و جاں کا قبلہ اور عرشیوں کی عقیدتوں کا کعبہ ہے۔ ہر ہر عالم کے عجائب کا سرچشمہ اور لطائف و حقائق کا منبع ومصدر ہے۔ اس کی محبت میں ہر ہر عالم مست و بے خود اور اس کی چاہت میں ہر ہر وجود رقصاں و شاداں ہے۔ وہی ذات دین بھی ہے اور روحِ دین بھی۔ ایمان بھی ہے اور جانِ ایمان بھی۔ وہی اسلام بھی ہے اور حسنِ اسلام بھی۔ قرآن بھی ہے اور جمالِ قرآن بھی، شریعت بھی ہے اور نزہتِ شریعت بھی، لوح بھی ہے اور نقشِ لوح بھی، قلم بھی ہے اور حسنِ تحریر بھی، وہی جلالت عرش بھی ہے اور وہی زینتِ فرش بھی۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

وہی اوّل بھی ہے اور وہی آخر بھی، وہی ظاہر بھی ہے اور وہی باطن بھی۔

وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

فصلِ اوّل...... عالمِ امر کے لطائف اور حبِّ رسول ﷺ کی معنوی وتشریعی بنیادیں:

نورِ مصطفوی ﷺ حق تعالیٰ کے اظہارِ محبت کا نقشِ اولیں:

حدیث قدسی ہے:

📖 **كنت كنزاً مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ٥**

ترجمہ: میں ایک مخفی خزانہ تھا' مجھے اس بات سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں۔ سو میں نے (اپنے اظہارِ محبت کے نقش اولیں کے طور پر) مخلوق خاص (یعنی نور محمدی ﷺ) کو تخلیق کر دیا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ایک دیگر حدیث کی رو سے بھی بصراحت ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز کو خلعتِ وجود عطا کی وہ نور مصطفوی ﷺ ہی تھا۔ حدیث بالا میں مذکور بے پایاں علمی و روحانی لطائف سے قطع نظر الفاظ حدیث کی روشنی میں ہمیں جس ایمان افروز اور محبت آفریں حقیقت کا استنباط کرنا ہے وہ ''فاحببت'' کے لفظ میں مستور ہے۔

فاحببت کا معنی ہے۔ مجھے اس چیز سے محبت ہوئی۔ میں نے چاہا یا پسند کیا۔ میری محبت نے جوش مارا یا میری مستور محبت نے کروٹ لی۔ حق تعالیٰ فاحببت کی بجائے اُرِدْتُّ یاشئتُ کے الفاظ بھی استعمال فرما سکتا تھا۔ اللہ کی مشیت اور ارادے کے اظہار کیلئے اور بھی مختلف الفاظ لائے جاسکتے تھے لیکن نہیں بلکہ فرمایا ''مجھے اس بات سے محبت ہوئی'' یا میری مستور محبت نے انگڑائی لی۔ میں نے چاہا یا پسند کیا کہ کب تک ایک مخفی خزانہ رہوں گا۔ کوئی مجھے بھی تو پہچانے' میری عظمت وحقیقت بھی آخر کسی پر منکشف ہو۔ محبت' چاہت' پسند معنی :دھی لیا جائے الفاظ زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی محبت نے جوش مارا۔ اس کی مستور چاہت نے کروٹ لی اور اس نے اپنی معرفت عطا کرنے کیلئے اپنی شانِ ربوبیت کے نقشِ اولیں یعنی نور محمدی ﷺ کو تخلیق کر دیا۔ گویا نور

مصطفوی ﷺ حق تعالیٰ کے محبت و چاہت کا جواب بن کر منصۂ شہود پر آیا۔ اللہ کی چاہت و محبت کا ذریعۂ اظہار بن کر جلوہ گر ہوا۔ حق تعالیٰ کی مشیت کی تکمیل اور اسکی مستور محبت کی تسکین کا سامان بن کر معرضِ وجود میں آیا۔

پس جو ذات خلعتِ محبوبیت زیبِ تن کئے انجمن آرائے بارگہِ الوہیت ہوئی۔ حق تعالیٰ کی محبت کا جواب بن کر جلوہ فگن ہوئی۔ اسکی چاہت کا عنوان اور اس کے اظہارِ محبت کا سامان بن کر نقابِ عدم پلٹ کر جلوہ آرائے وجود ہوئی۔ رب تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا نقشِ اولیں بن کر رونق افروز ہوئی جسکی محبت حق تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کرلی۔ جو ذات اُس یکتا و بے ہمتا اور غَنِیٌّ عَنِ العٰلمین ہستی کی مطلوب و مقصود اور اسکی توجہاتِ وعنایات کا مرکز و محور بنی اس ذات کے ساتھ نسبت اور اسکے ساتھ محبت ربِ محمد کے ماننے والوں کے لئے سرچشمۂ ایمان نہیں ہوگی تو پھر اور کونسی شے سرچشمۂ ایمان بننے کی سزاوار ہوگی۔ حق تعالیٰ کی محبوب اور مطلوب و مقصود ہستی کی محبت حق کے نام لیواؤں کے لئے اصلِ ایمان بلکہ عینِ ایمان نہیں ہوگی تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوگا۔ وہ ذات جو تخلیق کے بعد نامعلوم عرصہ تک حق تعالیٰ کے نورانی جلوؤں میں مقیم اور اسکے حریمِ نور میں زیرِ تربیت و زیرِ آرائش و زیبائش رہی۔ جسکے ساتھ اظہار محبت و دلداری میں حق تعالیٰ نے لولاک لما خلقت الافلاک، لولاک لما خلقت الدنیا اور لولاک لما اظہرت الربوبیة تک فرمادیا۔ جس ذات کے نور کے پرتو سے اس نے عالمِ خلق و عالمِ امر کو وجود اور تشریع و ہدایت کا نور بخشا۔ جس ذات کے نورانی جلوؤں کے پرتو سے اس نے لوح و قلم، عرش و کرسی، ہفت سماوات اور جملہ عوالمِ کون و مکاں کو وجود بخشا۔ پھر لوح و قلم، عرش و کرسی، فردوس و جنت، ان میں موجود اشجار و انہار، محلات و قصور، حور و غلماں اور کائناتِ عالم کے گوشے گوشے پر اپنے ساتھ ساتھ اس کے اسم گرامی کی مہر ثبت کی۔ جسکے انوار سے دلہنِ کائنات کی مانگ بھری۔ اذا ذکرت ذکرت معی کا قانون جاری کرکے کائنات بالا و زیریں کے گوشے گوشے اور عالم خلق و عالم امر کے ذرّے ذرّے کو جس کی نعت خوانی پر مامور کیا جسکا ذکر بلند

کیا۔ جس پر صلوٰۃ خود اپنے اوپر لازم کی اور فرشتوں اور اہل ایمان کو اس عمل میں اپنی ہمنوائی کا حکم دیا۔ جس کے سرزیبا پر رحمۃ للعٰلمینی کا تاج پہنا کر ہر دو عوالم کو اسکے در کی دریوزہ گری پر مامور کیا جسکی خواہشِ لطیف کی تکمیل اور دلداری میں رب تعالیٰ نے قبلہ تبدیل کیا۔ جسے فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کہہ کر اپنا منظور نظر قرار دیا۔ جسے اپنا قبلہ اور مرکزِ توجہ کہا۔ جسے راضی کرنے کا وعدہ کیا۔ جسکی سہولت اور آرام کی خاطر رب تعالیٰ نے قیام اللیل کو مختصر کرنیکا مشورہ دیا۔ جسکی رضا پر اپنی رضا کو موقوف کیا۔ ایسی ذی شان و ذی جاہت اور عالی مرتبت ہستی کے ساتھ نسبت و تعلق کو اگر وہ اپنے وفادار بندوں کے لئے بنائے ایمان نہیں قرار دے گا اس کے ساتھ والہانہ عشق و محبت کو اصلِ ایمان بلکہ عین ایمان نہیں بنائے گا تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ ایمان آخر کس چیز کا نام ہونا چاہیے۔

جس ذات کو خالق نے اپنے محبوب کی حیثیت سے پیدا کیا ہو۔ مطلوبیت کی خلعت عطا کی ہو اپنا پیارا، اپنا حبیب اور اپنا مطلوب و مقصود قرار دیا ہو جسے ایمان کا سرچشمہ اور دین کا مرکز و محور بنایا ہو۔

۱- اس کی محبت کی فکری و اعتقادی اہمیت کو نظر انداز کر کے

۲- نصابِ ایمان میں اس کی محبت کی جداگانہ حیثیت و اہمیت سے انکار کر کے

۳- اس کی محبت کے تقاضوں کو بائی پاس کر کے

۴- اس کی محبت کی افادیت و ناگزیریت سے آنکھیں چرا کر

۵- اس کی محبت کے تصور کو ایک مستقل دینی و ایمانی ضرورت کے طور پر تسلیم کرنے سے گریز اور اس کے عملی مظاہر اور اطلاقی پہلوؤں سے نظریں بچا کر ایمان کے دعویدار آخر جائیں گے تو کہاں۔ کہیں نہیں۔ اگر ان لوگوں نے لذتِ ایمان سے آشنا ہونا ہے۔ اپنے ایمان و عمل کو بارگہ خداوندی میں قابلِ قبول بنانا ہے تو اُنہیں عظمت مصطفوی کے سامنے اپنے سر کو جھکانا ہوگا۔ نسبتِ مصطفوی کو حرزِ جاں بنانا اور محبت رسول کے تصور کو بائی پاس کرنے کی بجائے

اسے ایک بنیادی، مستقل اور جداگانہ دینی ضرورت تسلیم کرنا ہوگا۔

اجزائے ایمان کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

ایمان مفصل کے تحت ایمان کے درج ذیل شعبے بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔	ایمان باللہ	یعنی اللہ پر ایمان
۲۔	ایمان بالملائکہ	یعنی فرشتوں پر ایمان
۳۔	ایمان بالکتب	یعنی آسمانی کتابوں پر ایمان
۴۔	ایمان بالرسالت	یعنی رسولوں پر ایمان
۵۔	ایمان بالآخرۃ	یعنی آخرت پر ایمان
۶۔	ایمان بالقدر	یعنی قضا وقدر پر ایمان
۷۔	ایمان بالبعث بعد الموت	یعنی موت کے بعد زندگی پر ایمان

ایمان کے درج بالا شعبوں کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ماسوائے ایمان بالرسالت کے ایمانیات کے بقیہ تمام شعبوں یعنی ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالآخرۃ وغیرہ کا تعلق خالصتاً عالم غیب کے ساتھ ہے جبکہ ایمان بالرسالت عالمِ غیب کے ساتھ ساتھ عالمِ شہادت سے بھی متعلق ہے۔ اب ذرا ایمانی سفر کی ماہیت پر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح آشکار نظر آتی ہے کہ عالمِ غیب میں پنہاں جتنے بھی ایمانی شعبے یا ایمانی حقائق ہیں انکی طرف راہ نقطۂ رسالت ہی سے نکلتی ہے کیونکہ رسول ہی عالمِ شہادت میں موجود وہ نورانی وجود ہوتا ہے جو انسانوں کے درمیان زندگی بسر کرکے اُنہیں عالمِ غیب سے متعلق اَن دیکھی حقیقتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے جو بنفسِ نفیس انسانوں تک پہنچ کر ان کے درِ دل پر دستک دیتا ہے۔ جو عالمِ شہادت میں عالمِ غیب کی نمائندگی کرتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور سیرت وکردار کے بل بوتے پر عالمِ غیب سے متعلق دعوؤں کی دلیل بنتا

ہے۔ سلیم الفطرت افراد کے سامنے اسکے دعوئ رسالت کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا اور وہ اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اُسے مان لیتے ہیں۔ رسول کو مان لینے اور اسکی عظمت کے سامنے جھک جانے کا نام ہی ایمان ہے اور یہ ایک ایسی بدیہی اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ معاندینِ حق بھی ہر دور میں اسکے قائل رہے ہیں چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے افراد کو دعوتِ ایمان دی تو اُنہوں نے برملا کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ)

ترجمہ: ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ کو ظاہری آنکھ سے دیکھ نہ لیں۔

ایمان کی نسبت قوم موسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی۔ اس حقیقت کی نشاندہی قرآن حکیم میں اور بھی متعدد مقامات پر کی گئی ہے۔ چنانچہ رسالت ہی درحقیقت وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر انسان ایمان کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ عالمِ شہادت میں موجود یہی وہ بدیہی اور ناقابل تردید دلیل ہے جس پر عالمِ غیب سے متعلق جملہ دعوؤں کا انحصار اور دار و مدار ہوتا ہے۔ ایمان بالرسالت دراصل عالمِ شہادت میں رہتے ہوئے عالمِ غیب تک رسائی کا نقطہ آغاز ہے۔ یہی کتابِ ایمان کا سرنامہ وعنوان ہے۔ ایمان کا سفر اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے چنانچہ حضور ﷺ کو مانا تو ہم دنیائے ایمان میں داخل ہوئے اب آپ ﷺ جو جو کچھ منواتے گئے ہم مانتے چلے گئے۔ آپ ﷺ کے کہے کو ماننے کا نام ایمان قرار پایا۔

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے مان لینے والو۔ اللہ کو مانو۔ ہم نے مان لیا تو یہ ایمان باللہ قرار پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتوں کو مانو۔ ہم نے مان لیا تو ہمارا ایمان بالملائکہ متحقق ہوا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتابوں کو مانو۔ ہم نے مان لیا تو ہمارا ایمان بالکتب مسلم ہوا۔ علی ہذا القیاس آپ ﷺ جو جو کچھ منواتے گئے۔ ہم مانتے چلے گئے اور اسطرح ہمارا ایمان مکمل ہوتا گیا۔

جو ذات ایمان کے ہر ہر شعبے پر ایمان کی بنیاد بنی۔ جس کی تحریک اور دلالت کے سبب عالمِ امر کی انمول نعمت یعنی ایمان تک ابنِ آدم کی رہنمائی ہوئی جس کی بدولت ایمان کے ہر شعبے کی معرفت اور اسکی حقیقت تک رسائی ہوئی اس ذات ستودہ صفات سے نسبت و تعلق اصلِ ایمان اور اسکے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت عین ایمان قرار نہ پائے تو پھر اور کونسی چیز اصل ایمان کہلانے کی سزاوار ہوگی۔

الغرض جس ذات کے وسیلے سے مخلوق کی خالق تک رسائی ہوئی جسکے سبب بندۂ خاکی کی عالمِ انوار یعنی عالمِ ملائکہ تک شناسائی ہوئی۔ جس کے ذریعے گم کردہ راہ انسانیت کی برکاتِ رسالت تک رہنمائی ہوئی اور جس کی بدولت مخلوق کو دنیائے آخرت اور نظام قضا و قدر تک آگاہی ہوئی اس ذات سے نسبت و تعلق اور اس سے والہانہ محبت ایمان کی اصل نہ قرار پائے گی تو پھر کونسی چیز اس مقام کی حقدار ٹھہرے گی اور نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر اس پر اصرار نہ ہو تو پھر ایمانی زندگی کا اور کونسا شعبہ ہوگا جو اس قدر اصرار کا محل و مستحق بن سکے۔

حقوق رسالت سے مقصود پر استشہاد:

بالعموم علماء و محققین نے رسالتماب ﷺ کے درج ذیل حقوق بیان کئے ہیں:

۱۔ محبت و تعظیم رسول ﷺ

۲۔ اطاعت رسول ﷺ

۳۔ اتباعِ رسول ﷺ

۴۔ نصرتِ رسول ﷺ

اطاعت رسول ﷺ' اتباع رسول ﷺ اور نصرت رسول ﷺ میں سے کوئی بھی حق ایسا نہیں جو فقط اور فقط رسالتماب ﷺ کی خاطر اور بے لوث طور پر آپ ﷺ ہی کے لئے بجالایا جائے۔ ان حقوق کی بجا آوری کا محرک کوئی نہ کوئی دنیوی یا اُخروی مفاد بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں جابجا

کامیابی، فلاح ونجات اور اجروثواب کو اطاعت رسول ﷺ کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب:۷۱)

ترجمہ: جس نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہی عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (النساء:۱۳)

ترجمہ: اور جس نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا حکم مانا اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی اور وہ ہمیشہ (ان) باغات میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اتباع رسول ﷺ میں بھی انسان کی ذاتی منفعت، فوز وفلاح اور بلندیٔ درجات کا پہلو مضمر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے بندو اگر تم اللہ سے محبت کا دم بھرتے تو میری پیروی کرو (نتیجتاً) اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

اتباع رسول ﷺ کے نتیجے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبوبیت کے درجے پر فائز ہونے کی خوشخبری دی جاری ہے۔

نصرتِ رسول ﷺ یعنی آپ ﷺ کے پیغمبرانہ مشن کے فروغ اور دین حق کی سربلندی کے سلسلہ میں کی جانیوالی کوششوں کا اجر بھی مختلف صورتوں میں ملنا یقینی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: پس جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائیں۔ آپ ﷺ کی تعظیم کریں۔ آپ (کے مشن) کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو آپ ﷺ کے ساتھ اُتارا گیا ہے صرف وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

نصرت رسول ﷺ کے مشن میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بلندئ درجات اور فلاح و کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (التوبہ:۲۰)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی کامیاب و کامران ہونیوالے ہیں۔

گویا نصرتِ رسول ﷺ میں بھی انسان کیلئے اخروی فلاح و کامیابی اور اجر و ثواب کا پہلو بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ مذکورہ بالا تینوں حقوقِ رسالت ﷺ کی ادائیگی کا محرک کوئی نہ کوئی دنیوی و اخروی مفاد اجر و ثواب یا کوئی اور بھی جذبہ ہوسکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ انسان یہ حقوق کسی دنیوی و اخروی منفعت یا اجر و ثواب کے لالچ میں بجالائے چنانچہ اطاعت' اتباع اور نصرت و حمایت کا محرک کوئی نہ کوئی مادی و باطنی مفاد یا کسی طرح کا کوئی حرص و لالچ ہوسکتا ہے جبکہ محبت ایک بے لوث جذبہ ہے۔ محبت کسی منفعت یا مفاد کی خاطر نہیں کی جاتی محبوب سے محبت فقط اُسی کی خاطر کی جاتی ہے۔ محبت کا پاکیزہ جذبہ اپنے آپ کو کسی قسم کے مفاد و منفعت اجر و معاوضے یا سوداگری کے تصور سے داغدار نہیں ہونے دیتا۔ محبّ کا مقصود فقط محبوب ہی ہوتا ہے۔ محبّ کی آتشِ

شوق فقط محبوب کے دیدار سے بجھتی ہے کوئی دوسری چیز اُسکے جذباتِ محبت کی تسکین کا سامان نہیں بن سکتی۔ محبت اپنا صلہ آپ ہے اور جوں جوں آتشِ شوق بھڑکتی چلی جاتی ہے اجر و معاوضے اور لین دین کے تصورات اس میں بھسم ہوتے چلے جاتے ہیں اور محبّ سود و زیاں کے تصور سے قطع نظر محبوب کی اک اک ادائے ناز پر سو سو مرتبہ جان قربان کرتا چلا جاتا ہے چنانچہ حقوقِ رسالتمآب ﷺ میں سے محبتِ رسول ﷺ ہی ایک ایسا رفیع المرتبت حق اور ایسا بے لوث و پاکیزہ جذبہ تھا جسے اصلِ ایماں ہونا زیبا تھا۔ دوسرے یہ وہ جذبہ تھا جس میں خالق ومخلوق دونوں شریک تھے اسی لئے اسے اصلِ ایمان بنایا گیا اور پورے کے پورے نصابِ ایمان میں اس پر ہر چیز سے بڑھ کر اصرار کیا گیا۔

محرکاتِ اتباع سے مطلوب کا استنباط:

کسی شخص کی اتباع یا پیروی بالعموم درج ذیل محرکات میں سے کسی نہ کسی محرک کے پیشِ نظر ہی کی جاتی ہے:

١- جذبۂ محبت

٢- تعمیلِ حکم

٣- حصولِ خوشنودی

٤- حرص ولالچ

٥- بربنائے خوف

بالفاظ دیگر کسی شخص کی پیروی یا اتباع یا تو اُسکی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر کی جاتی ہے یا اُسکے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے۔ اُسکی خوشنودی یا کسی لالچ کے زیرِ اثر کی جاتی ہے یا اسکے ممکنہ ردِّ عمل کے خوف کے پیشِ نظر' جہاں کہیں بھی کسی کی پیروی مطلوب ہوگی اس کا محرک یقینی طور پر انہی محرکات میں سے کوئی نہ کوئی جذبہ ہوگا۔ آیئے مذکورہ محرکاتِ اتباع اور اتباع کے باہمی تعلق کو ذرا تفصیلاً سمجھنے کی

کوشش کریں۔

☆ صاحبِ اختیار کے حکم کی تعمیل انسانی مجبوری ہے۔ حکم عدولی کی صورت میں نقصان اور تعمیلِ حکم کی صورت میں اجر و انعام یقینی ہے۔

☆ لالچ خواہ مادی و دنیوی نوعیت کا ہو یا روحانی و اُخروی نوعیت کا بہر حال انسان کی فطری کمزوری ہے۔ انسانی عمل بالعموم کسی نہ کسی لالچ یا مفاد کے زیرِ اثر ہی ہوتا ہے۔

☆ صاحبِ اختیار کی خوشنودی کا حصول بھی ایک لطیف لالچ ہے۔ اس میں بھی کسی نہ کسی صورت میں اجر و معاوضے یا جزا و سزا کا دخل پایا جاتا ہے۔

☆ صاحبِ اختیار کی ناراضگی کا خوف بھی انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اس خوف کے ہاتھوں اسکی اتباع بھی انسانی مجبوری ہے۔

درج بالا محرکاتِ اتباع میں سے فقط محبت ہی ایک ایسا منفرد محرک اور پاکیزہ جذبہ ہے جو ہر طرح کے حرص و لالچ، اجر و انعام، جزا و سزا یا خوف و مجبوری کے تصور سے ماورا ہے۔ محب محبوب کو فقط اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر چاہتا ہے وہ اُسے صرف اُسی کی خاطر چاہتا ہے۔ اسکے پیشِ نظر نہ کوئی مادی منفعت و مفاد ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی خوف یا لالچ کے پیشِ نظر محبوب کے نقشِ پا کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اُسکا مقصود فقط محبوب ہوتا ہے اسکے علاوہ اُسے کسی اور شے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ نہ اُسے درِ محبوب سے ہونے والی عطا و بخشش سے کوئی سرکار ہوتا ہے اور نہ ہی کوچۂ محبوب میں برسائے جانیوالے سنگہائے ملامت کا خوف اسکی نظر فقط محبوب کے رُخِ زیبا پر ہوتی ہے یا اُسکے حیات آفریں تبسم پر۔ اتباعِ رسول ﷺ شریعت کا مقصود تھا اور اسکا محرک درج بالا محرکات میں سے ہی کسی نہ کسی محرک کو بننا تھا۔ ان محرکات میں سے جذبۂ محبت چونکہ سب سے زیادہ ارفع سب سے زیادہ پاکیزہ اور سود و زیاں کے تصور سے بالا ایک بے لوث جذبہ تھا اسلئے محبت رسول ﷺ کے تصور کو بنائے ایمان بنایا گیا اور اسے نصابِ ایمان کا مرکزی نقطہ اور ایمانی زندگی کا مرکز و محور قرار دیتے ہوئے اس پر سب

سے زیادہ زور دیا گیا تاکہ محبت رسول ﷺ کے زیر اثر اتباعِ کامل کی صورت میں مقصودِ شریعت کماحقہ' حاصل ہو سکے۔

فصلِ دوئم .... عالمِ خلق میں رحمتِ مصطفوی ﷺ کی فیض رسانیاں اور حُبّ رسول ﷺ کی عقلی و منطقی بنیادیں:

ذات مصطفوی ﷺ عالمِ امر و عالمِ خلق کی اصل اور ہر دو عالمین کی جان ہے اور دونوں عالموں میں فیضان مصطفوی ﷺ کے ہمہ رنگ و ہمہ ذوق چشمے جاری و ساری ہیں۔ فصل ہذا میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ عالمِ خلق میں جاری محبوبِ خدا ﷺ کے فیضانِ لطف و کرم کے اُن چشموں کا ذکر کریں گے جو آپ ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلقِ محبت اور فصلِ جان نثاری کو سیراب کرتے ہیں۔ یہ بات انسان کی جبلت میں شامل ہے کہ وہ اپنے محسن و مربی اور نفع پہچانے والی ہستی کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتا ہے۔ جہاں انسان کو جوہرِ انسانیت اپنے محسن کے ساتھ اظہارِ محبت پر مجبور کرتا ہے وہیں صلابت فکری اور عقل و خرد کی رہنمائی بھی اُسے ایسا ہی کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ چنانچہ مؤمنین کو عالمِ خلق میں محبوبِ خدا ﷺ کے فیضانِ لطف و کرم سے جو جو نعمتیں، برکتیں، رحمتیں اور دنیوی و اُخروی سعادتیں مل رہی ہیں اور جو جو اعزازات و انعامات اور کمالات و امتیازات نصیب ہو رہے ہیں ان کی بنا پر بتقضائے فطرت و بر بنائے تشکر و امتنان ہر صاحبِ ایمان آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرنے پر مجبور ہے اور اگر وہ ایسی فیض رساں رؤف و رحیم اور محسن و غمخوار ہستی کیلئے اپنے قلب و باطن میں محبت کے چشمے پھوٹتے اور والہانہ عقیدت و وارفتگی کے مدو جذر محسوس نہیں کرتا تو اس کا اپنا جوہرِ انسانیت مشکوک ہے۔

سرورِ انبیاء ﷺ کے وسیلے سے اُمت پر رب تعالیٰ کے احسانات و انعامات اور خود آپ ﷺ کی نوازشات و عنایات کا احاطہ تو انسان کے بس کی بات نہیں البتہ چند ایک کا تذکرہ مقصودِ مذکورہ پر استدلال کی غرض سے ہدیہ قارئین ہے۔

۱۔ حضور ﷺ کے اہلِ ایمان سمیت جملہ موجودات کی اصل ہونے سے مقصود پر استدلال:

گذشتہ صفات میں ایک حدیثِ قدسی کی روشنی میں اس حقیقت پر بالتفصیل گفتگو ہوچکی ہے کہ نورِ مصطفوی ﷺ حق تعالیٰ کے داعیۂ محبت کا جواب بن کر جلوہ گر ہوا۔ حضور ﷺ کا نورِ اقدس رب تعالیٰ کی چاہت و محبت کی تسکین اور معرفت کا سامان بن کر منصۂ شہود پر آیا۔ بنابریں آپ ﷺ کا وجودِ اقدس سراپا محبت ہے اور آپ ﷺ اصلاً محبوب رب کائنات ہیں نیز حدیث نور کے حوالے سے ہم اس حقیقت کو بھی بصراحت واضح کر چکے ہیں کہ عالمِ خلق و عالمِ امر کا نقشِ اوّلیں نورِ محمدی ﷺ ہے اور عالمِ خلق و عالمِ امر کی بساط حق تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کے نورِ اقدس کے پرتو سے بچھائی ہے۔ عالمِ خلق کا نقطہ آغاز بھی نور محمدی ﷺ ہے اور عالمِ امر کا نقطۂ اولیں بھی نور محمدی ﷺ۔ عالمِ خلق میں بھی ہر سو نور محمدی ﷺ کے جلوے ہیں اور عالمِ امر میں بھی ہر جانب اسی کے پرتو۔ عالمِ ظاہر کے جملہ حقائق بھی اپنے ظہور وجود اور بقا وارتقاء میں سخائے مصطفوی ﷺ سے فیضیاب ہیں اور عالمِ باطن کے جملہ لطائف بھی اپنے ظہور وجود اور ترقی وارتقاء میں نور محمدی ﷺ سے مستنیر۔ الغرض نورِ مصطفوی ﷺ عالمِ خلق و عالمِ امر کے ہر ہر وجود اور ہر ہر حقیقت کیلئے اصل (بنیاد' جڑ) کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ حضور ﷺ عالمِ خلق و عالمِ امر کی جان اور ہر دو عوالم کے ہر ہر وجود کی اصل ہیں تو پھر عالمگیر قانونِ فطرت کُلُّ شَيْئٍ یرجعُ الٰی اصلہٖ کے تحت نور محمدی ﷺ کا پرتو اور آپ ﷺ کا جزو ہونیکی بنا پر عالمِ خلق و عالمِ امر کے ایک ایک ذرّے اور ایک ایک وجود کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اصل یعنی ذاتِ مصطفوی ﷺ کی طرف لوٹے۔ آپ ﷺ کی طرف رجوع کرے اور آپ ﷺ کے ساتھ کششِ محبت کے رشتے میں منسلک ہو۔ چنانچہ لوح و قلم' عرش و کرسی' زمین و آسماں' فردوس و جنت' حور و ملائکہ' رشد و ہدایت' جن و انس' سورج' چاند' ستارے کہکشائیں

غرضیکہ ہر ہر مادی وجود اور ہر ہر معنوی حقیقت مذکورہ قانون کے تحت جانِ عالم ﷺ کے ساتھ کششِ محبت میں منسلک ہے اور طبعاً آپ ﷺ کی طرف لوٹتی اور کھنچی چلی آتی ہے۔

اس حقیقت کو عقلی و سائنسی بنیادوں پر اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح مادی دنیا میں کششِ ثقل کا قانون جاری ہے اور مختلف سیارگان فلکی جو اصلاً سورج کا حصہ تھے بربنائے کشش سورج کے گرد گھومنے پر مامور ہیں یا ہر مادی وجود کو زمین کشش ثقل کی بنا پر اپنی طرف کھینچتی ہے اسی طرح عالمِ ہست و بود کی ہر ہر حقیقت اور ہر ہر وجود اصلاً نور محمدی ﷺ کا جزو ہونیکی بنا پر مذکورہ قانون کے تحت اپنی اصل یعنی ذاتِ مصطفوی ﷺ کی طرف کھنچتا ہے۔ عالمِ خلق و عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت اپنے محورِ اصلی یعنی حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے گرد گھوم رہی ہے اور اپنے مرکز و منبع کی طرف پھر سے لوٹنے اور پلٹنے کیلئے بے چین و بیقرار ہے۔ عالمِ طفولیت میں چاند کا کھلونے کی طرح حضور ﷺ کے ہاتھوں کی حرکت پر کھیلنا، سورج کا آپ ﷺ کی دعا پر واپس لوٹنا اور چاند کا آپ ﷺ کے اشارے پر اپنا جگر چیر کر رکھ دینا اسی حقیقت کا مظہر ہے۔ الغرض سورج، چاند، ستارے، کہکشائیں ہفت سماوات اور عالمِ بالا کی ہر ہر شے میں حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت و کشش ودیعت کردی ہے اور ہر ہر وجود میں بالفعل یا بالقوہ آپ ﷺ کی محبت کا عنصر کارفرما ہے۔ اسی طرح عالمِ زیریں کے جملہ مظاہر یعنی نباتات و جمادات اور حیوانات میں بھی ربّ کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت و چاہت ودیعت کردی ہے اور وہ بھی حضور ﷺ کی محبت میں سرشار اور آپ ﷺ کے اشارے پر مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اس حوالے سے کتب احادیث میں بہت سارے واقعات مذکور ہیں۔ سب کا احاطہ ممکن نہیں البتہ چند ہدیۂ قارئین ہیں:

i- جبلِ احد کی حضور ﷺ سے محبت:

جبلِ احد حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ جبلِ احد کی اپنے ساتھ محبت کی گواہی خود

حضور ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے۔

📖 انّ اُحداً جبل یحبنا و نحبّهٗ o

ترجمہ: احد پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ii- کھجور کے خشک تنے کا جانِ عالم ﷺ کے فراق میں رونا:

مسجد نبوی میں جانِ عالم ﷺ کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ کیوں نہ آپ ﷺ کی سہولت کیلئے لکڑی کا ایک منبر تیار کروالیا جائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے اس مشورے کو قبول فرمایا۔ جب منبر تیار ہو کر اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا اور جمعہ کے روز آپ ﷺ خطبہ دینے کیلئے تنے کے پاس سے گزرتے ہوئے منبر کی طرف بڑھے تو

📖 اذا بـالـجـزع یصرخ صرافاً شدیداً و یحن حنینا مولما حتی ارتج المسجد تساقط النباء و تشقق الجذع ولم یھدا o

ترجمہ: تنے نے چیخ و پکار شروع کر دی اور وہ اس قدر دردناک انداز میں رویا کہ پوری مسجد اس کی آہ و بکا سے گونج اُٹھی تنا (کثرت آہ و بکا سے) پھٹ گیا۔

اس دردناک کیفیت کو دیکھ کر صحابہ کی بھی ہچکیاں بندھ گئیں اور ایک عجیب دردانگیز منظر پیدا ہو گیا۔ غمگسارِ عالم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اس پر دستِ شفقت رکھا اور وہ ایک معصوم بچے کی طرح ہچکیاں لیتا ہوا آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے گفتگو کی اور فرمایا کہ تو چاہے تو تجھے جنتی درخت بنا دیا جائے اور اہلِ جنت تیرا پھل کھائیں اور اگر چاہے تو تجھے یہیں سرسبزی و شادابی دوبارہ عطا کر دی جائے۔ وفورِ محبت میں رونے والے تنے نے جنتی ہونا پسند کیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

📖 والذی نفسی بیدہٖ لولم التزمه لبقی یحن الیٰ قیام الساعة شوقًا الیٰ رسول اللہ o

ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے گلے نہ لگاتا تو یہ رسول اللہ ﷺ کے شوقِ محبت میں قیامت تک روتا رہتا۔

iii- درختوں کا سلام کرنا:

حضرت یعلیٰ بن مرۃ ثقفی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا حضور ﷺ آرام فرما ہوئے۔

📖 فجأت شجرة تشق الارض حتیٰ غشیته ثم رجعت الیٰ مكانها
(مسند احمد ۴: ۱۷۳)

ترجمہ: ایک درخت نے زمین پھاڑتے ہوئے حاضر ہوکر سایہ کیا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

آپ ﷺ بیدار ہوئے تو ہم نے اپنا مشاہدہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت نے ربّ العزت سے مجھے سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی جو اسے مل گئی۔

iv- پتھروں کا سلام عرض کرنا:

مسلم کتاب الفضائل میں حضرت جابرؓ بن سمرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

📖 انّی لاعرف حجراً بمكة كان یسلم علی قبل ان ابعث انّی لاعرفه الان o

ترجمہ: میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھے اعلانِ نبوت سے پہلے سلام عرض کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مکہ کے بعض علاقوں سے گزرے:

📖 فمرنا بین الجبال و الشجر فلم نمر بشجرة ولا جبل الاقال السلام علیک یا رسول اللہ o

ترجمہ: ہم جن پہاڑوں اور درختوں کے پاس سے گزرتے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے "السلام علیک یارسول اللہ"۔

v- پتھروں اور درختوں کا سجدہ کرنا:

اصلِ کائنات ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پتھروں اور درختوں کے سجدے کے واقعات کثرت سے مذکور ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کے مطابق بچپن میں ایک مرتبہ جب آپ ﷺ اپنے چچا حضرت ابوطالب کی معیت میں قریش کے زعماء کے ساتھ سفر شام پر نکلے تو راستے میں بحیرا نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا خود چل کر اہلِ قافلہ کے پاس آیا قافلے میں سے ہر ایک سے ملا بالآخر آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ کا دستِ اقدس پکڑ کر کہنے لگا:

📖 **هذا سيد العالمين، هذا رسول رب العلمين هذا يبعثه الله رحمة للعالمين ٥**

ترجمہ: یہ تمام عالمین کے سردار ہیں۔ یہ عالمین کے رب کے رسول ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا ہے۔

قریشی شیوخ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیسے علم ہوگیا؟ تو کہنے لگا میں دیکھ رہا تھا جب تم سامنے گھاٹی پر چڑھ رہے تھے۔

📖 **لم يبق شجر ولاحجر الاخر ساجداء ولايسجد الاالنبى ٥**

ترجمہ: کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ نہ کر رہا ہو اور یہ نبی کیلئے ہی سجدہ کرتے ہیں۔

vi- حضور ﷺ کی آمد پر در و دیوارِ مدینہ کا روشن ہوجانا:

اظہارِ محبت کے ذرائع میں محبوب کی آمد پر محبّ کے چہرے کا دمک اٹھنا اور اس سے جدائی پر غمگین و ملول ہوجانا فطری امر ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس روز آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے

📖 اضاء من المدینة کل شیئٌ o

ترجمہ: مدینہ طیبہ کی ہر شے روشن ہوگئی۔

اور جس روز آپ ﷺ کا وصال ہوا

📖 اظلم من المدینة کل شیئٌ

ترجمہ: مدینہ طیبہ کی ہر شے تاریک ہوگئی۔

vii- زہر آلود گوشت کی گذارش:

محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محبّ ہر اُس شے سے ڈرتا ہے جس سے اُسکے محبوب کو کوئی خطرہ ہو اور جب معاملہ اسکی ہلاکت تک پہنچ جائے تو پھر محبّ کیلئے خاموش رہنا ممکن نہیں رہتا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں زہر آلود گوشت پیش کیا تو آپ ﷺ نے ابھی لقمہ اُٹھا کر منہ میں رکھا ہی تھا کہ

📖 اخبرته الزراع بانها مسمومة o

ترجمہ: اس (گوشت کی) دستی نے اطلاع دی کہ میں زہر آلود ہوں

اسی طرح ایک اور موقع پر جب آپ ﷺ کی خدمت میں مالک کی باقاعدہ اجازت کے بغیر ذبح کی گئی بکری کا گوشت بغرض تناول پیش کیا گیا تو اس گوشت کے ٹکڑے نے آپ ﷺ کو حقیقت حال پر آگاہ کردیا کیونکہ وہ کب اس بات کو گوارا کرسکتا تھا کہ بلا استحقاق حضور ﷺ کے دہن اطہر کو چھو سکے۔

viii- کھانے کا تسبیح پڑھنا:

اظہارِ محبت کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محبّ محبوب کا قرب پا کر وارفتہ و بے خود ہوجاتا ہے اور محبوب و ربِ محبوب کی حمد و ثنا کے زمزمے اُسکے لبوں پر جاری ہو جاتے ہیں۔ متعدد

روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے کھانے کا لقمہ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس نے بصد سرور و انبساط تسبیح شروع کر دی۔

(البخاری کتاب المناقب، فتح الباری ۶: ۵۹۲، ابن حیان ۸: ۱۴۴)

ix- سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا:

روایت میں یہاں تک ملتا ہے کہ ایک مرتبہ سنگریزے بھی جانِ عالم کے مرمریں ہاتھوں کا لمس پا کر مچل گئے اور تسبیح پڑھنے لگے۔ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔

📖 وفی یدہٖ حصیات فسبحن فی یدہٖ (دلائل النبوۃ ۲: ۵۵۵)

ترجمہ: آپ ﷺ کے دست اقدس میں سنگریزے تھے جو تسبیح پڑھ رہے تھے۔

x- درخت کا آپ ﷺ کی صداقت پر گواہی دینا:

ہر محبوب اپنے محبّ کی بہتری چاہتا ہے اور اسکے شرف و کمال کا نہ صرف خود معترف ہوتا ہے بلکہ اپنے قول و عمل سے ہمہ وقت محبوب کی عظمت پر شہادت دینے کیلئے کمربستہ بھی رہتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جمادات و نباتات جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر آگاہ تھے بوقتِ ضرورت انسانوں سے ہمکلام ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت پر شہادت دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک بدو آیا۔ آپ ﷺ نے اُسے دعوتِ اسلام دی۔ اس نے دلیل مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ببول کا درخت۔ پھر آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا۔

📖 ناقبلت تخدالارض خداً حتی کانت بین یدیه ٥

ترجمہ: تو وہ زمین پھاڑتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

آپ ﷺ نے تین دفعہ گواہی کیلئے فرمایا تو اس نے حسب حکم گواہی دی اور پھر واپس اپنی جگہ لوٹ گیا۔

xi- حیوانات اور ادب و تعظیمِ مصطفوی ﷺ:

کتب حدیث میں متعدد واقعات درج ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ حیوانات بھی شرف و مقامِ مصطفوی ﷺ پر آگاہ اور آپ ﷺ کی محبت میں گرویدہ و سرشار تھے۔ سرکش اونٹ حضور ﷺ کی بارگاہ میں سر جھکاتے رہے۔ چوپائے اور جنگلی جانور تک آپ ﷺ کے نام و مقام کا ادب کرتے رہے۔ واقعات بے شمار ہیں صرف ایک ایمان افروز واقعہ جس میں حیوان کا ادب و احترامِ نبوی کا مظاہرہ اپنے کمال پر نظر آتا ہے پیشِ خدمت ہے۔

خادمِ رسول ﷺ حضرت سفینہؓ کہتے ہیں میں ایک مرتبہ سمندری سفر میں تھا کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ کشتی کے ایک تختے پر سوار شیروں کے جنگل میں جا پہنچا۔ ایک شیر میری طرف حملے کی غرض سے بڑھا تو میں نے کہا۔ اے ابوالحارث

📖 **انا مولی رسول الله**

ترجمہ: میں رسول اللہ ﷺ کا خادم اور غلام ہوں۔

پھر کیا ہوا۔

📖 **فطأطا رأسه و اقبل الیٰ فدفعنی بمنکبہٖ حتیٰ اخرجنی من الاجمه ووقفنی علی الطریق ثم هجهم فظننت انه یودعنی**

ترجمہ: اس نے سر جھکا دیا اور میرے پاس آ کر مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور جنگل سے نکل کر راستے پر لے آیا اور یوں آہستہ آہستہ بولنے لگا جیسے مجھے الوداع کہہ رہا ہو۔

اللہ اللہ! بھوکا شیر انسان پر حملہ آور ہوا لیکن جب اُسے پتہ چلا کہ یہ میرے محبوب کا غلام

ہے۔ میرے کریم آقا کا خادم اور اس کا ساتھی ہے تو پھر بصد نیاز سر جھکا دیا اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ خدمت کیلئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور راستے پر ڈال کر حقِ محبت ادا کر دیا۔

یہ حضور ﷺ سرورِ عالم کے ساتھ نباتات و جمادات اور حیوانات کی محبت کی چند مظاہر تھے جو غیر ذی عقل و غیر مکلف ہیں اس کے باوجود اصلِ کائنات و محبوبِ دوجہاں کے ساتھ ان کی محبت و عقیدت اور عشق و وارفتگی کا یہ عالم ہے تو پھر انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ کارخانہ کائنات میں ربوبیت خداوندی کا شاہکار اور نظام ربوبیت کے تحت شب و روز اپنے رب کی پیدا کردہ نعمتوں سے مستفید ہو رہا ہے۔ اس بات کا بدرجہ اتم سزاوار ہے کہ اپنی اصل اور اصلِ کائنات و جانِ جہاں ہستی کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرے اور مومن جسے حضور ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے اسلام کی نعمت ملی، ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ رب کا عرفان اور اس تک رسائی حاصل ہوئی۔ بدرجہ اولیٰ اس بات کا حق دار و سزاوار ہے کہ اپنی اصل اور اپنے ایمان کی بنیاد ہستی کی محبت میں ہر آن وارفتہ و سرمست اور سرشار و گرفتار رہے۔ اپنے محبوب کے ساتھ مومن کے اسی تعلقِ خاص کی بنا پر حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی محبت کو مومنوں پر فرض کیا۔ آپ ﷺ کی محبت کو اصل ایمان بلکہ عینِ ایمان قرار دیا اور نصابِ ایمان میں ہر شے سے بڑھ کر اس پر زور دیا گیا۔

۲- سرورِ انبیاء ﷺ کے رحمۃ للعلمین ہونے سے مقصود پر استنباط:

سرورِ انبیاء ﷺ کو حق تعالیٰ نے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا بلکہ جہانوں کیلئے سراسر رحمت بنا کر۔

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کو رحمۃ للعلمین کا منصبِ ذیشان عطا کر کے اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ جس طرح اس کی ربوبیت عام ہے اور عالمِ خلق و عالمِ امر کی کوئی شے اس کی

ربوبیت کے دائرے سے باہر نہیں اسی طرح عالمِ خلق و عالم کی کوئی حقیقت اور کوئی مخلوق اسکے محبوب ﷺ کی رحمت سے مستغنی نہیں۔ جس طرح ربِ محمد کی ربوبیت کا فیضان ہر ہر عالم میں جاری ہے اسی طرح محبوبِ رب ﷺ کی رحمت کا سائبان ہر ہر عالم پر سایہ فگن ہے بلکہ وسعت رحمتی کل شئی کی روشنی میں اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسکی ربوبیت کا نظام بواسطہ وبصورتِ رحمتِ مصطفوی ﷺ ہر ہر عالم میں روبہ عمل اور جاری وساری ہے۔ جس طرح عالمِ خلق و عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت کو وجود آپ ﷺ کے سبب سے ملا اسکی بقا اور ارتقاء وترقی بھی آپ ﷺ کی شانِ رحمۃ اللعلمینی کی مرہونِ منت ہے۔ اسی طرح عالمِ امر کے لطائف وعجائب ہوں یا عالمِ خلق کے حقائق سبھی آپ ﷺ کے دامنِ رحمت کے خوشہ چیں اور آپ ﷺ کے درِ رحمت کے دریوزہ گر ہیں۔ عالمِ باطن کے معنوی وتشریعی غرائب ہوں یا عالمِ ظاہر کے عجائب سبھی اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی مقتضیات کے مطابق دامنِ مصطفوی ﷺ سے رحمت کی خیرات حاصل کر رہے ہیں۔ نباتات و جمادات، ذی روح وغیر ذی روح سبھی موجوداتِ جن وانس اور ملائکہ وکروبین رحمتِ مصطفوی ﷺ سے اپنا اپنا حصہ پا رہے ہیں۔ عالمِ انس چونکہ سبھی عوالم میں اشرف وممتاز ہے بالخصوص آپ ﷺ کے سرچشمۂ رحمت سے مستفیض ہو رہا ہے اور پھر مومنین پر تو آپ ﷺ کے لطف وکرم اور مظاہر رحمت ورأفت کا کوئی احصاء وشمار ہی نہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

📖 لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبہ : ۱۲۸)

ترجمہ: **بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول ﷺ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے تمہاری بھلائی کیلئے بے انتہا چاہنے والے مومنین پر حد درجہ مہربان اور رحمتیں نچھاور کرنے والے۔**

دنیا میں تشریف لاتے ہی امت کی بھلائی، اس کی خیر خواہی اور مغفرت وبخشش کیلئے فکرمندی،

پوری زندگی اسکی فلاح ونجات اور کامیابی کیلئے سعی و کاوش، معراج کی شب خصوصی خلوتوں میں امت کی بخشش و مغفرت کیلئے حق تعالیٰ کے حضور سفارش، دنیا میں ہوتے ہوئے برزخ میں موجود اُمتیوں کی آسودگی کیلئے تشویش، برزخ میں ہوتے ہوئے دنیا میں موجود غلاموں کی بہتری کیلئے فکرمندی، میدانِ حشر میں امت کی آسائش وسہولت اور بخشش ومغفرت کیلئے بارگہِ خداوندی میں طویل سجدہ ریزیاں، حوضِ کوثر پر پیاسے امتیوں کو سیراب کرنے کیلئے موجودگی۔ برسرِ میزان غلاموں کی مدد اور مشکل کشائی کیلئے کمربستگی، پل صراط پر سے بحفاظت امتیوں کو گزارنے کیلئے رب سے دعائیں۔ شومیٔ اعمال سے جہنم میں پھینک دیئے جانیوالے امتیوں کی رہائی کیلئے بے قراری اور کاوشیں غرضیکہ دنیا و آخرت میں قدم قدم پر اُمت کی نگہبانی، اس کی رکھوالی اور مشکل کشائی کرنے والی غمخوار و غمگسار ہستی کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت اگر امت کی ایمانی زندگی کا مرکز اور اسکی ساری محبتوں اور چاہتوں کا محور نہ بنے تو پھر دنیا میں کونسی چیز اس مقام کی سزاوار ہوگی۔ امت کیلئے حضور ﷺ کی انہی بے پایاں شفقتوں، رحمتوں، عنایتوں، نوازشوں، ہمدردیوں اور غمگساریوں کی بنا پر آپ ﷺ کے ساتھ بطور امتنان وتشکر والہانہ محبت و وارفتگی اور جاں نثاری کو اصلِ ایمان بنایا گیا اور امتی پر بطورِ سپاس واحسان مندی اپنے آقا ﷺ کی محبت کو لازم قرار دیتے ہوئے نصابِ ایمان میں اس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔

۳- جانِ عالم ﷺ کے مومنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کے قریب ہونے سے مقصود پر استدلال:

غمگسارِ عالم ﷺ کا مومنین کے ساتھ تعلق ہر شے سے بڑھ کر ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ مومنین کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان کے قریب ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

📖 اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط (الاحزاب:۶)

ترجمہ: یہ نبیِ معظم مومنین سے ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر قریب ہیں اور ان کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔

خود اللہ کے محبوب ﷺ نے اس تعلقِ قرب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

📖 **انا اولی بالمؤمنین من انفسھم** (البخاری کتاب......)

ترجمہ: میرا مومنین کے ساتھ تعلق انکی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

📖 **مامن مومن الا و انا اولیٰ بہ فی الدنیا والآخرہ**

ترجمہ: کوئی مومن ایسا نہیں کہ میرا اس کے ساتھ تعلق دنیا و آخرت کی ہر شے سے بڑھ کر نہ ہو

انسان اپنی جان کے ساتھ ہر شے سے بڑھ کر محبت کرتا ہے حتی کہ اپنی اولاد والدین اور ازواج سے بھی بڑھ کر لیکن جانِ عالم ﷺ چونکہ جانوں سے بھی بڑھ کر مومنین کے قریب ہیں لہٰذا فطری و قدرتی اور عقلی و منطقی ہر دو اعتبار سے مومنین کی آپ ﷺ کے ساتھ محبت اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ قیمتی سے قیمتی متاع حضور ﷺ کی محبت پر قربان کر دیا کرتے تھے۔ جانوں تک کا نذرانہ پیش کر دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ صحابہؓ کی اتباع میں ہر دور میں اہلِ ایمان اپنے آقا ﷺ کی عزت و عظمت پر اپنی جانیں نچھاور کرتے چلے آئے ہیں۔ آج کے گئے گزرے دَور کا مسلمان بھی جو ایمانی و عملی اعتبار سے بہت کمزور ہے' آپ ﷺ کی محبت میں اپنی جان قربان کرنے کی بدرجہ اتم آرزو رکھتا ہے۔ مومنین کے ساتھ حضور ﷺ کے اسی قربِ خاص کی بنا پر آپ ﷺ کی محبت کو جانِ ایمان بلکہ عینِ ایمان قرار دیا گیا اور نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر اس پر زور دیا گیا۔

۴۔ حضور ﷺ کے سر چشمۂ رشد و ہدایت ہونے سے مقصود پر استدلال:

محبوبِ خدا ﷺ کی بعثت سے قبل عالمِ انسانیت کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ انسان اپنی حقیقت سے نا آشنا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کائنات اور اس

کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ کائنات میں اسکا مقام اور خود اُس کی منزل کیا ہے اور منزل تک پہنچنے کا راستہ کونسا ہے۔ نیز ہر طرف ظلم کا دور دورہ تھا۔ طاقتور کمزور کو نگل رہا تھا۔ مطلق العنان بادشاہ انسان کی تقدیر کے مالک بنے خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ مظاہرِ فطرت جو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیے گئے تھے۔ معبود کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ اخلاقی رذائل باعث افتخار سمجھے جاتے تھے۔ معاشرتی اعتبار سے انسانی معاشرے تشتط وافتراق اور انتشار کا شکار تھے۔ کوئی نظام نہ تھا۔ ظلم وستم اور جور واستبداد کا سکہ چلتا تھا۔ کمزور طبقات کا استحصال طاقتوروں کا مشغلہ تھا اور محض تفریحِ طبع کیلئے زندہ انسان جنگلی درندوں کے سامنے پھینک دیئے جاتے تھے۔ اسی طرح سلاطین کے خدام اور غلاموں کو بغرضِ خدمت سلاطین کی میتوں کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بنتِ حوا کی بے بسی اور لاچارگی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ جبر و بربریت ظلم واستحصال اور ضلالت گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں نورِ حق آفتابِ ہدایت بن کر مطلع انسانیت پر جلوہ فگن ہوا۔ آفتابِ مصطفوی ﷺ کی ضیا بار کرنوں سے کفر وشرک اور ظلم و استحکام کے اندھیرے ٹھکانے لگے۔ ضلالت و گمراہی اور جہالت نے رختِ سفر باندھا۔ استحصال زدہ طبقات کی ڈوبتی نبضیں زندہ ہوئیں۔ دم توڑتی انسانیت کی حرکتِ قلب بحال ہوئی۔ رفتہ رفتہ ہر سو ہدایت کا نور پھیلا۔ انسانی فکر جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر نورِ ایمان کی وادی میں داخل ہوئی انسان کو عرفانِ نفس کی دولت ملی اسکی حقائق کائنات تک رسائی ہوئی۔ منزل کا سراغ ملا۔ منزل تک رسائی کا راستہ واضح ہوا۔ مخلوق کا خالق کے ساتھ ٹوٹا ہوا تعلق بحال ہوا غرضیکہ **انک لتھدی الی صراط مستقیم** (بے شک آپ ﷺ سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں) کی شان زیبا کے حامل ایک نبی اُمی نے انگلی پکڑ کر گم کردہ راہِ انسانیت کو منزل سے ہمکنار کر دیا۔

دوستو! جس ہستی کے قدموں کے طفیل انسان کی حقائقِ کائنات تک رسائی ہوئی معرفتِ نفس کی دولت ملی۔ جس کی مساعی جمیلہ سے منزل کا سراغ اور اس تک بحفاظت رہنمائی و رسائی ہوئی۔ جس کے واسطے اور وسیلے سے مخلوق کی خالق تک رسائی اور ہر ہر مخفی حقیقت تک رہنمائی ہوئی۔

جس کی کاوشوں اور قربانیوں سے ضلالت و گمراہی اور جہالت کی تاریکیاں ختم ہوئیں۔ جسکے واسطے سے حق تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام' اُس کا آخری پیغام قرآن' رشد و ہدایت کا سامان' ایمان اور خود ربّ رحمان ملا اُس ذات کے ساتھ والہانہ محبت و وفاداری اگر ایمان کا مرکز و محور نہ ہوگی اور نصابِ ایمان میں اس پر سب سے بڑھ کر اصرار نہیں ہوگا تو پھر کس چیز پر ہوگا۔

۵- انسانیت کی نجات اور اُمت کی بھلائی پر حضور ﷺ کے حریص ہونے سے مقصود پر استدلال:

عالم انسانیت کی بھلائی کیلئے بالعموم اور اپنے امتیوں کی خیر خواہی کے لئے بالخصوص مضطرب و پریشان رہنا آپ ﷺ کی شانِ کریمی اور رحمت و رأفت کا ایک نادر پہلو ہے۔ دیکھئے قرآن آپ ﷺ کی اس شانِ کریمی کا ذکر کن الفاظ میں کر رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

📖 فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف:٦)

ترجمہ: تو کہیں آپ شدت غم کی وجہ سے اپنی جان پر کھیل جائیں گے ان کی خاطر اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

📖 فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (الفاطر:٨)

ترجمہ: تو آپ کی جان ان پر حسرتوں میں نہ چلی جائے۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

مومنین کیلئے آپ کی غمخواری اور انکی بھلائی و خیر خواہی کیلئے آپ ﷺ کی کمال درجہ طلب کا ذکر کرتے ہوئے قرآن اس طرح گویا ہوا:

📖 لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ:١٢٨)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے تشریف لائے (ایسے) رسول جن پر تمہارا تکلیف اُٹھانا گراں گزرتا ہے۔ تمہاری بھلائی کیلئے حد درجہ طالب ہیں اور مسلمانوں پر کمال مہربان۔

مذکورہ شانِ کریمی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اس میں کیڑے مکوڑے گرنے شروع ہو گئے۔

📖 **فانا اخذ بعجز کم و انتم تقحمون فیه** (المعلم، کتاب الفضائل)

ترجمہ: میں تمہیں پیچھے سے پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں داخل ہونے کیلئے لپک رہے ہو۔

امت کیلئے غمگسارِ عالم ﷺ کی غمخواری کی ایک مثال اپنی مقبول دعا کو امت کی شفاعت کیلئے مؤخر کرنا بھی ہے۔ حضرت ابو ہرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کیلئے ایک مقبول دعا ہوتی ہے۔ ہر نبی نے وہ دعا کر لی۔

📖 **وانّی اختبأت دعوتی شفاعه لامتی یوم القیامة** (المعلم، کتاب الفضائل)

ترجمہ: میں نے اس دعا کو روز قیامت امت کی شفاعت کیلئے محفوظ کر لیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمر العاص کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضور ﷺ نے سورۂ ابراہیم اور سورۂ مائدہ کی آیات پڑھتے ہوئے شدتِ جذبات میں گریہ کناں اپنے ہاتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پھیلا دیئے اور عرض کیا اے اللہ! میری امت میری امت۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا اور فرمایا جلدی جاؤ اور پوچھو کیا ماجرا ہے حالانکہ وہ خود بہتر طور پر جانتا تھا جبرئیل حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ سے رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ ﷺ نے وجہ بتائی۔ جبرئیل واپس بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوئے اور پھر حضور کی خدمت میں حق تعالیٰ کی طرف سے اس خوشخبری کے ساتھ حاضر ہوئے۔

📖 **انا سنرضیک فی امتک ولانسوک** (المسلم کتاب الایمان)

ترجمہ: ہم تمہیں امت کے بارے میں خوش کریں گے۔ ہرگز پریشان نہ ہونے دیں گے۔

محبوب کو اپنی عطاؤں کی بارش کے ذریعے راضی کرنیکی خوشخبری سورۃ الضحیٰ میں ان الفاظ میں بھی دی گئی:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ٥ (الضحیٰ:۵)

ترجمہ: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کیلئے آپ ﷺ کی کمال درجہ طلب کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں بھی مذکور ہے:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:۶)

ترجمہ: بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ آپ کو ان کے ایمان لانے کی حد درجہ چاہت ہے۔

قریش کے ایک سردار عتبہ نے ایک مرتبہ جانِ عالم ﷺ سے کہا اگر تم مال و دولت کے خواہش مند ہو تو میں سب سے زیادہ مال و زر تمہارے پاس جمع کر دوں گا۔ اگر تم سرداری چاہتے ہو تو ہم سب تمہیں اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر تم تخت چاہتے ہو تو ہم سارے عرب کی فرمانروائی تمہارے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے نہ ریاست و حکومت کی۔ میں تو رب العلمین کا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور ہر سننے والے کان تک یہ پیغام پہنچا دینا میرا مقصودِ اصلی ہے۔

ایک مرتبہ ابو جہل ملعون نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ حضور ﷺ کے چچا حمزہ نے یہ واقعہ سنا تو ابو جہل کو جا کر پیٹا اور پھر آپ ﷺ کو آ کر بتلایا ''محمد ﷺ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا انتقام لے لیا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے انتقام سے کیا غرض۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ حضور ﷺ کے اس اصول اور ذاتیات سے بالاتر طرزِ عمل نے

حمزہؓ کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا دامن ذاتی اغراض کے گرد و غبار سے بالکل پاک تھا اور گم کردہ راہ انسانیت کیلئے غمخواری و نفع بخشی کو آپ اپنے لئے حرزِ جاں بنائے ہوئے تھے۔

امت کی بھلائی کیلئے آپ ﷺ کس درجہ فکرمند و حریص تھے اسکا اندازہ آپ ﷺ کی ان دعاؤں سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو آپ ﷺ کی زباں پر اکثر و بیشتر جاری رہتی تھیں۔ وصال سے ایک ماہ قبل ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا۔

مسلمانو! اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ تمہاری حفاظت فرمائے۔ تمہیں شر سے بچائے تمہاری مدد کرے۔ تمہیں بلند کرے۔ ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے' آفتوں سے بچائے' تمہارے دین کو تمہارے لئے محفوظ فرمائے۔

بقول سید سلیمان سلمان پوری ذرا ان الفاظ پر غور کرو ایک کے بعد دوسری دعا' دوسری کے بعد تیسری' گویا دعا و برکت دیتے ہوئے تھکتے ہی نہیں۔ یہ اسی صفت حریص علیکم کا ظہور ہے۔ دوستو! جس ذات کی اپنی امت کے ساتھ محبت' شفقت' رحمت و رأفت' غمگساری کا یہ عالم ہو اس ذات کے ساتھ والہانہ محبت اور وفاداری اصلِ ایمان اور عین ایمان کیوں نہ قرار پائے گی۔

۶- حضور ﷺ کے وسیلے سے اُمت کو ہر اعزاز اور ہر طرح کی فضیلت نصیب ہونے سے مقصود پر استدلال:

والیٔ اُمت حضور خاتم النبیین ﷺ کے سبب اور وسیلے سے حق تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ایسے ایسے اعزازات و امتیازات اور شرف و فضیلت کے درجات عطا فرمائے جو کسی دوسری امت کو نصیب نہ ہوئے۔ اسے خیر الامم قرار دیا گیا۔

📖 كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین اُمت ہو ان سب امتوں میں جو انسانوں میں ظاہر ہوئیں۔

اسے اُمتِ وسط قرار دیا اور دیگر امتوں پر شہادت کا منصب بخشا گیا۔

📖 وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول ﷺ تمہارے اوپر شاہد و نگہبان ہیں۔

امت مسلمہ کیلئے اسلام کو بطور دین پسند کیا اور اس پر اپنی نعمت کا اتمام کیا گیا۔

📖 اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

امت مصطفوی ﷺ کا نام مسلمان رکھا اور اسلام کو اسکے لئے خاص کیا۔

📖 هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ o

ترجمہ: اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

اس امت میں سے ایک گروہ تا قیامت حق پر قائم رہے گا۔ پل صراط سے سب سے پہلے یہی امت گزرے گی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ دوسرے لوگوں کو اس کا فدیہ بنایا جائے گا۔ جنت میں اکثریت اسی کی ہوگی۔ جنت کے سربراہ اسی میں سے ہوں گے۔ کفار تمنا کریں گے کاش ہم اس امت میں سے ہوتے۔ بعض احادیث میں یہاں تک آیا ہے کہ حضور ﷺ کی نسبت اور آپ ﷺ کے طفیل بعض امتیوں کو وہ درجات اور اعزازات و امتیازات نصیب ہونگے جو انبیاء کرام

کیلئے بھی باعث رشک و تعجب ہوں گے۔ محبوب خدا ﷺ کی نسبت اتنی قیمتی اور نفع بخش نسبت ہے کہ جلیل القدر انبیاء بھی حضور ﷺ کا امتی ہونے کی آرزو کرتے رہے جس ذی شان و ذی وقار ہستی کی نسبت سے امت کو یہ درجات' اعزاز و امتیازات اور شرف وفضیلت کے مقامات نصیب ہوئے اس کیلئے ازرہِ تشکر و امتنان بھی اس ذاتِ ستودہ صفات کو اپنی تمام تر محبتوں اور چاہتوں کا محور قرار دینا عقل سلیم کا بدیہی تقاضا اور اس کریم ہستی کی محبت پر اصرار ایک فکری وفطری تقاضا ہے۔

۷۔ حضور ﷺ کی نسبت سے انسانیت کو وقار اور اُمت کو آسانیاں نصیب ہونے سے مقصود پر استنباط:

محبوبِ خدا ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت طرح طرح کے ناروا بوجھوں تلے دبی سسکیاں لے رہی تھی۔ انسانیت سوز معمولات' توہم پرستانہ عقائد اور غیر انسانی رسوم و رواج نے طرح طرح سے شرفِ انسانیت کو داغدار کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے ان انسانیت سوز رسموں ظالمانہ بندشوں' ناروا قیدوں اور توہم پرستانہ عقیدوں اور ننگِ انسانیت معمولات سے انسانیت کو آزادی دلائی۔

عرب بدکاری و زناکاری کے رسیا تھے۔ اپنے افعال قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے اشعار کے ذریعے اُنہیں مشتہر کرنے میں ذرا باک محسوس نہ کرتے۔ لونڈیوں کو محفلوں کی زینت بنانے کیلئے پالا جاتا' ان کی بدکاری کو ذریعہ آمدنی بنایا جاتا۔ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلا بیٹا اپنی ماں کو زوجیت میں لے لیتا۔ عورتیں سرعام اپنے مخفی اعضا کی نمائش کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتیں۔ عورتیں اور نابالغ وراثت سے محروم رہتے۔ بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھالینا بہادری سمجھا جاتا۔ یہ انسانیت سوز تصورات اور قبیح افعال صرف خطہ عرب ہی میں رائج نہ تھے بلکہ یہود و نصاریٰ' اہلِ روم و اہلِ ایران' اہلِ ہند و افریقہ سبھی ان اور اسی طرح کے ظالمانہ و ننگِ انسانیت عقائد و نظریات اور افعال و معمولات کا شکار تھے۔ حضور ہادیٔ انس و جاں ﷺ نے پورے عالمِ

انسانیت کو ان غیر انسانی تصورات' انسانیت سوز رسوم و رواج' ناروا بندھنوں اور ظالمانہ بندشوں سے نجات دلائی۔

وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور (یہ رسول ﷺ) ان کے بوجھ ہلکے کرتا ہے اور وہ پھندے کھول دیتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔

عالمِ انسانیت پر ان عمومی احسانات اور شرفِ انسانی کی بحالی کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کیلئے حضور ﷺ کی خصوصی رحمت و شفقت اور عطا و بخشش کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے وہ تمام بوجھ اور بیڑیاں بھی کاٹ ڈالیں جو سابقہ امتوں کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے امت کیلئے طیبات کو حلال فرمایا خبائث کو حرام کیا۔ ہر خیر کی طرف امت کی رہنمائی فرمائی اور ہر شر سے امت کو بچنے کی تعلیم دی۔

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: یہ رسول ﷺ ان کے لئے ستھری چیزیں حلال اور ناپاک چیز حرام قرار دیتا ہے۔

حضور ﷺ ہی کے وسیلے سے حق تعالیٰ نے دینِ اسلام کو عمل کیلئے آسان تر بنایا اور اس میں کسی قسم کی تنگی یا عسرت نہیں رکھی اسے فطرت کے مطابق بنایا گیا تا کہ دائمی طور پر قابلِ عمل رہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ (الحج:۷۸)

ترجمہ: اور (اس نے) تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ (المائدہ:۶)

ترجمہ: اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔

اس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

📖 يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز (البقرہ:۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

امت مسلمہ کیلئے تخفیف و آسانی کا ایک پہلو یہ بھی پیدا کیا گیا کہ گذشتہ امتوں کیلئے توبہ بصورت قتل تھی (حوالہ البقرہ:۵۴) جبکہ اسلام میں توبہ گناہ پر ندامت، طلب مغفرت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم سے عبارت قرار پائی۔ اگر خطا کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو تو اس پر اُن سے معافی مانگ لینے کی کریمانہ شرط عائد کر کے آسانی پیدا کی گئی۔

اسی طرح سابقہ قوموں کیلئے کپڑے یا جسم پر پیشاب وغیرہ لگ جانے کی صورت میں کپڑا یا آلودہ حصے کو کاٹنا پڑتا تھا جبکہ اسلام میں پانی سے دھولینا کافی قرار دیا گیا۔ سابقہ امتوں کیلئے عبادت کی مخصوص جگہیں مقرر ہوتی تھیں جبکہ حضور ﷺ کے وسیلے سے پوری زمین مسجد قرار پائی۔ یہ سہولت بھی آپ ﷺ ہی کی نسبت سے عطا ہوئی کہ پانی کی غیر موجودگی میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے حضور ﷺ نے تراب روئے زمین کو ہمارے لئے طہور بنا دیا اور بارگہِ ربانی کی حضوری سے کسی حالت میں بھی دور و مہجور نہ رہنے دیا سبحان اللہ۔ نیز حضور ﷺ نے نہ صرف خود امت کیلئے آسانیاں پیدا کیں بلکہ شریعت میں سہولتیں روشناس کرائیں۔ گنجائشیں پیدا کیں، اپنی شریعت کو عمل کیلئے آسان تر بنایا بلکہ مملکتِ اسلامیہ کے عمال اور کارپردازان امت کو بھی اس طرح کی ہدایات جاری فرمائیں۔

📖 يسروا ولا تعسروا.

ترجمہ: لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات کھڑی نہ کرو۔

اللہ اللہ جس کریم ذات کے صدقے حق تعالیٰ نے انسانیت کو ناروا بوجھوں اور ظالمانہ بندشوں سے نجات عطا کی، امت مسلمہ کے لئے آسانیاں اور سہولتیں پیدا کیں پھر جس ذات نے خود قدم قدم پر اپنی امت کی سہولت اور آسانی کا خیال رکھا اور ہر صاحبِ بسط و کشاد کیلئے امت کی سہولت مدنظر رکھنے کا کریمانہ ضابطہ ''یسروا ولا تعسروا'' جاری فرمایا۔ اس کریم ہستی کی محبت میں مومن کا

دل ہر آن اور ہر گھڑی مسرور و شاداں کیونکر نہ رہے اور ایسی رؤف و رحیم ہستی کی محبت شرطِ ایمان بلکہ عینِ ایمان کیوں نہ قرار پائے۔

۸- ہم عاصیوں کیلئے حضور ﷺ کے اشتیاقِ ملاقات سے مقصود پر استدلال:

ڈاکٹر ابراہیم ملا خاطر اپنی کتاب محبت و اطاعتِ نبوی ﷺ میں رقمطراز ہیں۔ کامل و تام اور نافع محبت وہ ہوتی ہے جو دو ہم مرتبہ کے درمیان ہو لیکن محبت اگر شریف اور رذیل کے درمیان یا کامل اور ناقص کے درمیان یا بلند و پست کے درمیان ہو تو یہ پہلے کا فضل و کرم ہوتا ہے ورنہ دوسرے کا کیا مقام؟ تو کیا صورت ہوگی جب ایک طرف رسول اللہ ﷺ ہوں اور دوسری طرف افراد امت پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب ایک طرف خود خالق ہو اور دوسری طرف مخلوق۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

📖 يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ:۵۴)

ترجمہ: وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

📖 رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (التوبہ:۱۰۰)......(المائدہ:۱۱۹)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

جب کامل ناقص سے محبت میں پہل کر رہا ہو تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ناقص معذرت کرے یا محبت میں تاخیر کرے بلکہ ہونا تو اسکے خلاف چاہیے تھا کہ اس سے اظہارِ محبت میں جلدی کی جاتی کیونکہ یہ اس کی محبت کا بدلہ ہے جو برابر نہیں بلکہ نہایت بلند ہے بلکہ اگر دونوں برابر ہوں تب بھی محبت میں جلدی ضروری ہے کیونکہ دوسرے کی محبت کے جواب میں تاخیر بلا و مصیبت ہے۔ یہ حضور ﷺ کا کتنا کرم ہے کہ آپ بلند ہو کر پستوں سے، کامل ہو کر ناقصوں سے محبت فرمائیں اور ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قبرستان تشریف لائے

اور فرمایا اے اہل ایمان تم پر سلام ہو اور ہم بھی انشاء اللہ تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں۔ نیز فرمایا:

📖 وددت انا قد رأینا اخواننا.

ترجمہ: میں اپنے بھائیوں کو دیکھنے کا متمنی ہوں۔

ہم نے عرض کیا:

📖 اولسنا اخوانک یارسول اللہ

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

📖 انتم اصحابی و اخواننا الذین لم یأتوا بعد

ترجمہ: تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی ابھی نہیں آئے۔

ہم نے عرض کیا آپ ﷺ انہیں کس طرح پہچانیں گے۔ جو ابھی پیدا تک نہیں ہوئے۔ فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے پنج کلاں گھوڑے کا مالک دوسرے گھوڑوں میں سے اسے پہچان لیتا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہاں۔ فرمایا' وہ آئیں گے تو پانچوں دمنی والے اعضاء چمک رہے ہونگے۔ میں ان کا حوض پر انتظار کروں گا۔

محبت کی جزا محبت ہی ہے اور اشتیاق رکھنے والے کی جزا اُسکے لئے سوائے اشتیاق کے اور کچھ نہیں۔ تو جو رسول ﷺ اپنے اُمتیوں کیلئے اتنی محبت رکھتا ہو اور اُن سے ملاقات کا اس قدر آرزومند ہو اُمتی اُس رؤف و رحیم اور مہربان رسول ﷺ پر کیوں نہ ہزار مرتبہ اپنا دل و جان نچھاور کرے اور اسے اپنے ایمان کا محور و مرکز بنائے۔

۹- غمگسارِ اُمت کے وسیلے سے اُمت پر ربِ محمد ﷺ کی نظرِ عنایت سے مقصود پر استدلال:

ایک مقام پر ربِ محمد ﷺ نے اپنے محبوب ﷺ کے وسیلے سے اُمتِ مصطفوی پر اپنی ایک

انمول عنایت کریمانہ کا ذکر کچھ اس طرح فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِم. (انفال:۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا یہ کام نہیں کہ ان پر عذاب نازل کرے جب تک اے محبوب (ﷺ) آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

ربِ محمد ﷺ کا یہ کرم صرف اُمت مصطفوی ﷺ پر ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے فیضانِ وسیلہ سے غیر اہلِ ایمان بھی اس طرح کے عذابوں سے محفوظ بنا دیئے گئے جس طرح کے عذاب نافرمان اُممِ سابقہ پر نازل کئے گئے۔

۱۰- غمگسارِ اُمت کی طبیعتِ شریفہ میں عنصرِ رحمت و حلیمی ودیعت کئے جانے کی حکمتِ خاص سے مقصود کا استنباط:

غمگسارِ عالم کی طبیعتِ شریفہ میں نرم دلی اور کمال درجہ حلیمی رکھے جانے کی ایک حکمت ربِ محمد ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَو كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَولِكَ. (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اور یہ کیسی مہربانی ہے کہ اے محبوب! آپ ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر آپ تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کا احاطۂ قرب چھوڑ جاتے۔

دوستو! جس ہستی کا وجود اُمت اور دیگر طبقاتِ انسانیت کو رب تعالیٰ کی طرف سے گوشمالی اور سزا و عقاب سے حفاظت کا ذریعہ بنے اور جس ہستی کی نرم دلی اُس کے اُمتیوں کے اُس کے ساتھ تمسک و وابستگی کی ضمانت فراہم کرے اُس ہستی کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت پر اصرار دینِ اسلام کا بنیادی تقاضا اور ضروریاتِ ایمان میں سے ایک بنیادی اور اہم ضرورت نہ قرار پائے تو پھر کس

دوسرے شعبۂ دین و ایمان کو یہ مقام نصیب ہو گا۔

۱۱- مصطفوی نظامِ تربیت میں اُمت کیلئے فیض رسانیوں کی قوسِ قزح کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

قرآن میں ربِ محمد نے اُمت محمدی کی تعلیم و تربیت کے لئے جو نظام حسین وضع کیا اس کی ہر ہر شق اُمتِ مصطفوی کے لئے مصطفوی فیض رسانیوں کی ایک رنگا رنگ قوسِ قزح ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

📖 هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (الجمعہ:۲)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم سکھاتا ہے۔

نبوی نظامِ تربیت کے چاروں نکات یعنی تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت۔ مربیٔ اُمت کی اُمت پر ہمہ نوع فیض رسانیوں، کرم نوازیوں اور گوناگوں الطافِ کریمانہ کا نقطۂ کمال ہے اس وقت ان نکات پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں البتہ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ مقام مربیٔ اُمت کے اُمت پر احسانات وعنایات کا نقطۂ عروج ہے۔

۱۲- امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کا مقام عطا کیے جانے سے مقصود پر استدلال:

مربی امت و غمگسار انسانیت کی نسبت سے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کا مقامِ ذیشان عطا کئے جانے کا ذکر قرآن نے ان لفظوں میں کیا:

📖 وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا.......... (سورہ البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ: اور (اے پیکرانِ وفا مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر اُمت بنایا..........

جس عظیم نبی کی نسبتِ خاص کا اعزاز واکرام کرتے ہوئے اس کے محسن ومہربان صاحب نے اس کی امت کو امت وسطیٰ جیسے عظیم الشان مقام اور لقب رفیعہ سے نوازا اس عظیم المرتبہ نبی کی محبت کو ازراہ امتنان وتشکر بھی امت پر واجب کیا جانا اور اس محبت پر سب سے بڑھ کر زور دیا جانا عین تقاضائے عقل ودانش اور تقاضائے فہم ومنطق نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۳- ہدایت وگمراہی کے ممتاز کردیئے جانے سے مقصد کا استنباط:

رب محمد ﷺ نے سورہ بقرہ میں ایک مقام پر امت محمدی ﷺ کے لئے ہدایت وگمراہی کے باہم ممتاز کردیئے جانے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

📖 قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ .... (سورہ البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ: **بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہوچکی ہے۔**

جس مربی ذیشان کی نسبت اور فیضان تربیت کے طفیل اہلِ ایمان پر ہدایت وضلالت کے باہم کھلا امتیاز قائم ہوگیا اور اہل حق پر حق وصداقت کی راہیں واضح اور روشن وکشادہ ہوگئیں۔ نصابِ ایمان میں اس کی محبت پر ہر دیگر ضرورت دینی سے بڑھ کر اصرار آخر کیوں نہ کیا جاتا۔ ایسا اصرار تقاضائے عدل وانصاف اور عین حق وثواب تھا اس لئے ایسے ہی کیا گیا۔

۱۴- محافظ ایمان ہستی کی اہلِ ایمان میں بنفسِ نفیس موجودگی سے مقصود پر استدلال:

قرآن حکیم ایک مقام پر مربی امت کے فیضانِ وجود اور بنفس نفیس موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے رب محمد ﷺ نے کچھ اس طرح فرمایا:

📖 وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ.........

(سورہ آل عمران:۱۰۱)

ترجمہ: اور تم بھلا کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم تو وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (تمہارے مربی) اللہ کے رسول (بنفسِ نفیس) موجود ہیں۔

سبحان اللہ جو عظیم المرتبت اور ذی وجاہت ہستی اپنے غلاموں پر آیات خداوندی تلاوت کرے اور بنفسِ نفیس ان میں موجود رہ کر ان کے ایمان و اخلاص کی حفاظت کی ضمانت بنے اہل ایمان کے ایمان کی محافظ و نگہبان اور محسن و مہربان اِس ہستی ذیشان کی محبت پر نصاب ایمان میں سب سے بڑھ کر زور دیا جائے تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے ایسا ہونا تو عین تقاضائے تشکر و امتنان ہے۔

۱۵- امت پر غمگسارِ امت کے لطف کریمانہ سے مقصود پر استدلال:

قرآن حکیم میں ایک مقام پر امت مسلمہ پر غمگسارِ اُمت کے ایک انوکھے اور وجد آفریں لطف کریمانہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

📖 الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ...... (سورہ ابراہیم:۱)

ترجمہ: الف لام را (حقیقی معنیٰ اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)' یہ (عظیم) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اُتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی جانب لے آئیں............

جس رہبر اُمت، غمگسار ملت نے اپنے غلاموں کو اندھیروں سے نکال کر عالمِ نور سے ہمکنار کر دینا اپنے ذمہِ کرم پر لے لیا ہو اور جسکی شب و روز کی کوششوں اور ہمہ نوع کاوشوں کا مقصود و مطلوب یہی ہو کہ وہ اپنے غلاموں کو گویا ہاتھ پکڑ کر عالم انوار تک پہنچا دے اس غمگسار امت و فکر مند ہستی کے ساتھ غلاموں کی محبت اصل ایمان بلکہ عین ایمان قرار پا کر اپنے اوپر اصرار کا خراج نہ وصول کرے گی تو پھر اور کون اس مقام ذیشان کا سزاوار و حق دار ہوگا۔

۱۶- اہلِ ایمان پر ایک اور لطفِ الٰہی کے حوالے سے مقصد کا استنباط:

قرآن میں رب العالمین نے اہل ایمان پر اپنے ایک اور لطف خاص کا ذکر ان الفاظ میں

کیا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا............ (القرآن)

ترجمہ: یاد کریں اُس نعمت کو جو اللہ کی طرف سے تم پر ہوئی جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو (اللہ) نے تمہارے دلوں میں باہم اُلفت پیدا کر دی اور تم اُس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے............

سبحان اللہ! جس عظیم المرتبت مربی امت کی نسبت و وساطت اور برکت و محبت کے طفیل اہل ایمان کی سابقہ دشمنیاں ختم ہو جائیں اور وہ جذبہ محبت و ایثار میں سرشار ہو کر بھائی بھائی بن جائیں اس شیرازہ اخوت وقوت میں پرونے والی محسن و مہربان اور غمگسار و من تھار ہستی سے محبت پر سب سے بڑھ کر تعلیمات دین و ایمان میں زور نہ دیا جائے گا تو پھر یہ مقام اور کس شعبہ دینی یا رکن ایمانی کو حاصل ہوگا۔

۱۷- قلوب مومنین کے ایمان سے مزین کیئے جانے کے تصور سے مقصود پر استدلال:

سورہ حجرات میں رب محمد ﷺ نے اہل ایمان کے دلوں میں نعمت ایمان سجائے جانے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ .... (سورہ الحجرات:۷)

ترجمہ: اور لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا

جس ہستیِ ذیشان اور مربی والا مرتبت کے وسیلے سے اہلِ ایمان کو ایمان کی محبت نصیب ہوئی اور پھر ایمان جیسی متاعِ محبوب سے ان کے دلوں کو زینت بخشی گئی ایسی غریب پرور بندہ نواز سراپا عطا اور سرچشمہ ایمان ہستی سے محبت عین ایمان یا اصلِ ایمان نہ ہوگی تو پھر اصل ایمان اور کونسی ایسی چیز ہوگی کہ نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر اس کی محبت پر زور دیا جائے۔

۱۸- قلوبِ مومنین کے کفر و فسق اور عصیان سے پاک ہونے کے مژدۂ جانفزا سے مقصود کا استنباط:

سورہ حجرات کی اسی آیت میں تصویر کا دوسرا رخ ان الفاظ میں اہل ایمان کے سامنے رکھا گیا:

وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ.......... (سورہ الحجرات:۷)

ترجمہ: اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا۔

جس مربی والا شان کے فیض تربیت اور فیض صحبت و مصاحبت کے سبب اہلِ ایمان کے دلوں میں کفر و فسق اور جرم و گناہ سے نفرتِ تامہ پیدا ہو جائے۔ ان کے دلوں میں شرک و ضلالت اور رذائلِ اخلاق کا داخلہ بند ہو جائے۔ اس مربی و مہربان ہستی کے فیض یافتہ تلامذہ اگر بہ دل و جان اس پر قربان نہ ہوں اور اسے اپنی تمام تر چاہتوں اور محبتوں کا قبلہ نہ بنائیں تو پھر آخر کس طرح حق تشکر و امتنان ادا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نصابِ ایمان میں اس ہستی اعلیٰ مرتبت کی محبت پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

۱۹- اُمت مسلمہ کا ایک اور اعزاز اور اس سے مقصود پر استدلال:

قرآن حکیم نے ایک مقام پر تکمیل دین کا اعلان کرتے ہوئے تلمیذان مکتب نبوی ﷺ کو ان الفاظ میں براہ راست مخاطب کیا:

📖 اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا .... (سورہ المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کرلیا۔

جس مربی والا شان کی برکت و رحمت اور وساطت اور درمیانگی کے سبب رب العالمین نے تلمیذان مکتب نبوی اور دیگر اہل امت کو براہ راست لَکُمْ کہہ کر مخاطب کیا اور ان پر اپنے دین کی تکمیل اور تمام نعمت کا اعلان کیا اس کی محبت پر نصابِ دین و ایمان میں سب سے بڑھ کر زور نہ دیا جائے گا تو پھر اور کس شعبہ ایمان یا رکنِ دین کو یہ مقام و منصب نصیب ہوگا۔ خدارا خود ہی انصاف کیجئے۔

۲۰-سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا .... کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

سورہ السجدہ میں اہلِ ایمان کو ایک خوشخبری سناتے ہوئے رب محمد ﷺ نے کچھ اسطرح کہا:

📖 سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ.........
(سورہ حٰمٓ سجدہ:۵۳)

ترجمہ: ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دِکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سبحان اللہ جس ہستی کے فیضان تربیت کے سبب اہلِ ایمان نے یہ مژدۂ جانفزا پایا اور پھر انفس و آفاق میں اپنے خالق و مالک کی قدرتوں کی نشانیاں دیکھیں، معرفت ربانی کے جام پیئے اور انفس و آفاق کے اسرار پر مطلع ہوئے اس مربیِ ذیشان کی محبت میں اس کے تلامذہ ہر حد محبت بھی پار کر جائیں تو اس کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔ اس مربی و مہربان ہستی کے لئے اظہار تشکر و امتنان کا بس یہی ایک راستہ رہ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہر دوسری شے سے بڑھ کر کی جائے لہٰذا نصاب ایمان میں اسی محبت کی تعلیم دی گئی اور اسی کی کمال درجہ پاسداری پر اصرار کیا گیا۔

۲۱- جس کی نسبت سے ابنِ آدم لائقِ تعارف ہوئی اس سے محبت......:

جس ہستی کی نسبت و وساطت سے ابنِ آدم ایک دوسرے سے متعارف ہوئی اسے ایک دوسرے کی پہچان ملی اور اسے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے الفاظ میں عزت و بزرگی اور فضیلت و افضلیت کی جانچ کا سنہری اُصول ملا۔ اس ہستی کی محبت ہر سلیقہ تشکر اور ہر مظہر امتنان کی رو سے بھی اہلِ ایمان پر واجب قرار پائی ہے۔ لہٰذا اسی بنا پر اسے واجب قرار دے کر اس پر اصرار کیا گیا۔

۲۲- مال و دولت اور دیگر ذرائع و وسائل کی منصفانہ تقسیم کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

سورہ حشر میں رب محمد نے اسلامی معاشرے میں اموال و دولت کی منصفانہ تقسیم کا ایک بنیادی اصول ان الفاظ میں دیا ہے:

📖 کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ .... (سورہ الحشر: ۷)

ترجمہ: تا کہ (سارا مال صرف) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے۔

جس داعی مساوات اور غریب پرور و غریب نواز ہستی کے ذریعے وساطت و درمیانگی اور تعلیماتِ حسنہ کے سبب رب العالمین نے اہل ایمان کو اموال و دولت کی منصفانہ اور عادلانہ تقسیم کا ضابطہ عطا کیا ایسی غریب پرور اور سراپا رحمت و مہربان ہستی سے محبت پر اصرار ایک فقیر نواز و غریب پرور دین نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا۔

۲۳- مرد و زن کے حقوق میں مساوات کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

مرد و زن میں بنیادی انسانی حقوق میں مساوات کے حوالے سے قرآن نے ایک اصولی ضابطہ ان الفاظ میں دیا:

📖 وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ .... (سورہ البقرہ: ۲۲۸)

ترجمہ: (اور دستور کے مطابق) عورتوں کے لیے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔

جس غمگسار و غمخوار امت کی تعلیمات کے سبب معاشرے کے ایک پسے ہوئے طبقے یعنی طبقہ خواتین کو بنیادی انسانی حقوق میں مساوات کا پیغامِ جانفزا ملا اُس مہربان و محسن اور حقوقِ نسواں کی علمبردار و نگہبان ہستی سے والہانہ محبت پر اصرار اگر اس کا پیش کردہ دین نہ کرے گا تو کونسی چیز اس درجہ اصرار کی حقدار ہوگی۔

۲۴- اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

قرآن کریم میں ایک مقام پر مردِ مومن پر رب محمد کے لطف و الطاف کریمانہ کا ایک باب ان الفاظ میں کھولا گیا:

📖 اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ .... (سورہ الزمر: ۲۲)

ترجمہ: بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا ہو، تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے۔

سبحان اللہ جس مربی انسانیت و والئ امت کے وسیلے سے اس کے مہربان و محسن رب نے اس کے اُمتیوں پر ان عنایات کریمانہ کا باب کھولا کہ ان کے قلوب فیضان تربیت محمدی کے نتیجے میں کھول دیئے گئے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر فائز کر دیئے گیے اس مربی ذیشان اور فاتح مہمات عرفانِ الٰہی ہستی کے ساتھ والہانہ تعلق محبت و وفاداری کو اصل ایمان بلکہ عین ایمان نہ بتایا جاتا تو یہ رب محمد کی شان عدل و عدالت ہی کے منافی ہوتا۔ سو رب محمد کو کب یہ گوارا تھا کہ اُس کی اپنی ہی شان پر حرف آئے لہذا نصاب ایمان اسی محبت پر سب سے بڑھ کر اصرار کیا گیا۔

۲۵- اُمتیوں کو خشیت الٰہی اور نورِ معرفت عطا کئے جانے سے مقصود کا استنباط:

سورہ الزمر ہی میں ایک مقام پر اصحاب النبی کے خشیت الٰہی کے مظاہر اور نورِ معرفت الٰہی کے حصول کے حوالے سے انتہائی فکر انگیز و انقلاب پرور انداز میں کچھ اس طرح فرمایا گیا:

📖 اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ...... (سورہ الزمر:۲۳)

ترجمہ: اللہ ہی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، جو ایک کتاب ہے جس کی باتیں (نظم اور معانی میں) ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں (جس کی آیتیں) بار بار دہرائی گئی ہیں، جس سے اُن لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر اُن کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں (اور رقت کے ساتھ) اللہ کے ذکر کی طرف (محو ہو جاتے ہیں)۔

اللہ اللہ جس مربی ذیشان کی تربیت کے نتیجے میں تلمیذان مکتب محمدیہ کو خشیت الٰہی کے یہ مقامات و درجات نصیب ہوئے اور ان مظاہر خشیت کے سبب انہیں نور معرفت اور ہدایت الی اللہ نصیب ہوئی اس مربی اعظم کے ساتھ نسبت و تعلق اور حب عشق کو مدار ایمان قرار دے کر اس پر سب سے بڑھ کر زور نہ دیا جاتا تو پھر کونسا شعبہ ایمان اس کا حق دار و سزاوار ٹھہرتا۔

۲۶- رب محمد کے امت محمدیہ پر ایک اور لطف کریمانہ کے حوالے سے مقصود کا استنباط:

سورہ انفال میں مربیٔ اُمت کے صدقے اس امت پر ہونے والے ایک اور ایمان پرور لطفِ الٰہی کا ذکر ان لفظوں میں کیا گیا:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ اِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ. (سورہ انفال:۲)

ترجمہ: ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اسکی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔

سبحان اللہ!! جس ہستی والا شان کے وسیلے سے اہل امت کے دلوں کو خشیت و خستگی اور ایمان میں مسلسل زیادتیاں اور بلندیاں نصیب ہوں اس سے والہانہ محبت و وابستگی ہی عنوانِ ایمان بلکہ عین ایمان نہ بنے تو پھر اپنے ایمانوں میں شب و روز رفعتیں اضافے اور بلندیاں حاصل کرنے والے امتی آپ کو چھوڑ کر کسی اور رکنِ دین یا شعبہ ایمان کو اپنی محبتوں کا کعبہ اور چاہتوں کا قبلہ بنائیں یہ بات ہماری سمجھ سے بالا ہے۔

۲۷- قرآن کی شان ہدایت و رحمت اور اسکے مقام بشارت کے حوالے سے مقصود پر استدلال:

جس مربی ذیشان اور امت کے غمگسار نبی کے وسیلے سے امت کو ہدایت و رحمت سے مالا مال اور شب و روز فوز و فلاح اور نجات و کامرانی کی بشارتیں سنانے والا قرآن ملے ایسے غریب پرور اور امت کے غمخوار و من ٹھار نبی کی محبت کو محورِ ایمان بلکہ اصل ایمان نہ بنایا جاتا تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوتا۔ سورہ نحل کی اس امر پر گواہی ملاحظہ فرمالیں:

وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ. (سورہ النحل:۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

۲۸- قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کے حوالے سے مقصود کا استنباط:

قرآن میں متعدد مقامات پر غمخوار امت کی اپنی تمام تر تبلیغی و دعوتی اور تربیتی و اصلاحی کوششوں کی نسبت اُن سے یہ اعلان بار بار کروایا گیا:

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا. (سورہ الفرقان:۵۷)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا مگر جو شخص اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے (کرلے)۔

سبحان اللہ جو غمخوار امت شب و روز اس امت کی اصلاح و تربیت کے لئے مشقتیں اٹھائے تکلیفیں برداشت کرے، صعوبتیں جھیلے، دشمنیاں مول لے اور بے لوثی و بے غرضی کا پیکر بنے امت کی فلاح و نجات اور دنیوی و اخروی کامیابی کے لئے کمال درجہ حریص اور صبح و شام کمربستہ رہے صرف اسی دنیا میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں اور پھر میدان حشر میں بھی اسے اُمت کی قدم قدم فکر و تشویش دامن گیر ہو ایسے امت نواز اور غمخوار و غمگسار نبی سے امتیوں کی والہانہ محبت و وفاداری اصل ایمان بلکہ عین ایمان نہ بنے تو پھر بتایا جائے کہ ایمان اور کس شے کا نام ہوگا اور کس شعبہ ایمان یا رکن دین کے ساتھ اس نوعیت کی محبت پر اصرار کیا جائے گا۔

والی امت مسلمہ اور دیگر انبیاء کی اسی بے لوثی اور بے غرضی پر مشتمل جملہ مساعی کے حوالے سے یہی اعلان سورہ شعرا: ۱۸۰، سورہ سبا: ۴۷، سورہ شوریٰ: ۲۳ اور سورہ یٰسین: ۲۱ میں بھی کیا اور کروایا گیا۔

۲۹- اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کے خطاب سے مقصود پر استدلال:

قرآن میں ایک مقام پر مربی انسانیت کو یہ اعلان ببانگ دہل کرنے کی ہدایت ہوتی ہے:

📖 قُلْ يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا............ (سورہ الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: آپ فرمادیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔

اللہ اللہ! جس داعی الی اللہ کی دعوت اور منادی الی الایمان نے ابنِ آدم کے ہر ہر فرد کو براہ راست اور فرداً فرداً اپنی دعوت کا مخاطب بنایا اور پھر جن سعید رُوحوں نے اس کی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اپنے لئے دنیا و آخرت میں فوز و فلاح کا سامان کیا ان کے لئے ایسی غمخوار و غمگسار ہستی کی محبت اصل ایمان جان ایمان بلکہ عین ایمان نہ قرار پائے تو پھر کس نسبت و تعلق یا کسی شخصیت یا کسی شعبہ دین و رکن ایمان کو یہ مقام حاصل ہوگا۔

۳۰- هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ میں مضمر مژدہٗ جانفزا کے حوالے سے مقصود کا استنباط:

قرآن حکیم ایک مقام مربی امت و غمگسار عالم کے زبانی امت کو ایک عظیم خوشخبری اور مژدہٗ کے جانفزا ان الفاظ میں دیا گیا:

📖 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ. تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (سورہ الصف: ۱۱،۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتا دوں جو تم کو دردناک عذاب سے بچا لے۔ (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر (کامل) ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اللہ اکبر! جس داعیٔ حق و مربی امت کے ذریعے امت مسلمہ کو ایک تجارت ذیشان کی خبر اور اسکے ذریعے دنیوی و اخروی کامیابی فوز و فلاحِ کلی اور نجات کا مژدہٗ جانفزا ملا ایسے کریم و مہربان اور

غمخوار من ٹھار آقا کی محبت اس کے امتیوں کے لیے ایمان کیوں نہ بنے گی۔ ہے کوئی عقلی و منطقی ایسی دلیل جو اس محبانہ ایمانی تصور کا ابطال کر سکے۔

۳۱- اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْمُؤْمِنُوْن کے منصب ذیشان کے حوالے سے مقصود کا استدلال:

قرآن حکیم میں ایک مقام پر اپنی مخلوق کو عزتیں عطا کرنے والے رب نے عزت کی تخصیص کچھ ان الفاظ میں کی:

📖 اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ. (القرآن)

ترجمہ: عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اُس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے۔

سبحان اللہ جس والی امت اور غمگسار و عزت نواز رسول کے وسیلے سے اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں عزت ملے، شوکت وسطوت اور ہر فضیلت کا تاج اس امت کے سر پہ سجے ایسے عزت نواز اور شوکت و عزت کے تقسیم کار رسول سے والہانہ محبت و عقیدت اور حب عشق افراد امت کے لئے سرچشمہ ایمان بلکہ عین ایمان نہ بنے تو پھر اور کونسا عقیدہ، کونسا تصور، کونسا شعبہ دین یا رکن ایمان اس منصب و مقام کا سزاوار ٹھہرے گا۔

۳۲- اُمت مسلمہ کی نوع انسان کیلئے داعیانہ حیثیت سے مقصود پر استنباط:

رب العزت نے والی امت کی نیابت میں دعوت الی الحق کی تا قیامت ذمہ داری امت مسلمہ کے سپرد کر رکھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

📖 وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورہ آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

اللہ اللہ! خود اللہ رب العزت جس داعی الی اللہ کی نیابت کا تاجِ اُمت مسلمہ کے سر رکھ کرتا قیامت اسے تمام طبقات ابن آدم کو دعوت حق پہنچانے کی عظیم ذمہ داری اس کے سپرد کرے۔ اُمتِ مسلمہ اپنی اس خوش نصیبی اور حسن انتخاب پر ازراہِ تشکر زندگی بھر بھی اپنے مربی و محسن آقا کی محبت میں سرشار و گرفتار ہو کر اس کی محبت کے نغمے گاتی رہے تو پھر حق محبت و وفا ادا نہیں کر سکتی۔

۳۳- لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ سے مقصود کا استدلال:

سورہ نور میں رب محمد ﷺ نے اپنے محبوب کے وسیلے سے اہلِ ایمان کو خلافت ارضی عطا کرنے کا وعدہ ان الفاظ میں فرمایا:

📖 وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا.......... (سورہ النور: ۵۵)

ترجمہ: اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل اُمت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کے ذریعہ) مضبوط و مستحکم فرما دے گا اور وہ ضرور (اس تمکن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا۔

اللہ اللہ! جس مربی امت کے وسیلے اور جس کی غلبہ دین حق کی نتیجہ خیز کوششوں کے سبب اس کا کریم و مہربان رب آئندہ بھی اس کی امت کو خلافت ارضی و امامتِ ابنِ آدم عطا کرے اور ان کے دین کو غلبہ و تمکین سے ہمکنار کر کے ہر طرح کے خوف کو امن و سلامتی سے بدل دینے کا وعدہ کرے دنیا و آخرت میں عزتیں عطا کرنے والی اور اُمت کو خلافتِ ارضی سے ہمکنار اور اسے اقوام کی امامت کے منصب ذیشان پر فائز کیے جانے کی عظیم خوشخبری عطا کئے جانے کا واحد سبب اور ذریعہ بنے' ایسی اعلیٰ مرتبت ہستی ذیشان کے ساتھ والہانہ محبت اصل ایمان بلکہ عین ایمان نہ قرار پائے اور بایں وجہ اس ذات والا شان کی محبت پر نصاب ایمان میں سب سے بڑھ کر اصرار نہ کیا جائے گا تو پھر اور کون سی ربانی عنایت' کونسا الوہی انعام'، نسا شعبہ ایمان' کونسا ایسا رکنِ دین ہوگا کہ جسے اس منصب ذیشان سے سرفراز کیا جائے۔

قارئین کرام! اس وقت قرآن میرے سامنے ہے مجھے تو کچھ ایسا نظر آ رہا ہے جیسے قرآن اوّل تا آخر حبِ مصطفوی کا علمبردار، لفظ بہ لفظ حب محمدی کا داعی، آیت بہ آیت حب رسالت کا دعویدار اور سورۃ بہ سورۃ حب حبیب ربانی کا علمبردار و تقسیم کار اور اسی پر مصر اور اس کے برعکس تمام تصورات اور اس تصور کے منافی تمام توجیحات کے خلاف قدم بہ قدم برسرِ جہاد و برسرِ پیکار ہے۔ سردستِ انہی مقامات قرآنی کی روشنی میں مقصود پر استدلال کرتے ہوئے ہم اپنی معروضات کا اختتام کر کے راہوار قلم کو بہ عجز و نیاز آگے بڑھائے ہیں۔

۳۴- اُمت کیلئے حضور ﷺ کی شفاعاتِ کریمانہ سے مقصود پر استدلال:

حق تعالیٰ نے سرور انبیاء ﷺ کو جن اعزازات اور شرف و فضیلت کے مقامات سے نوازا ہے اُن میں شانِ شفاعت ایک منفرد اعزاز ہے۔ نیز یہ بھی آپ ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ آپ ﷺ کو شفاعت عظمیٰ کا درجہ عطا فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ روزِ قیامت جب

سورج انتہائی قریب ہوگا۔ تپش وحرارت سے زمین تانبے کی مانند ہو جائے گی۔ ہر شخص اپنے پسینے میں ڈوبا پریشان وخستہ حال ہوگا۔ کوئی ذریعہ نجات اور وسیلۂ خلاصی نظر نہیں آئے گا تو اہل حشر مشورہ کریں گے کہ کاش ہم کسی کو اپنا شفیع بنائیں جو رب تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کرے چنانچہ قافلۂ انسانیت اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگا لوگ اُن سے شفاعت کیلئے عرض کریں گے۔ وہ فرمائیں گے یہ مقام میرا نہیں تم نوح علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ اور اپنا مدعا بیان کرو جب لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواستِ شفاعت کریں گے تو وہ بھی اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابراہیم کی طرف رہنمائی فرمائیں گے۔ اہلِ محشر سراپا حاجت بنے خلیل اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دیں گے لیکن سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان پریشان حال لوگوں کے دکھ کا درماں نہیں کرسکیں گے وہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں بھیجیں گے۔ غم کے ماروں کا قافلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوکھٹ پر حاضر ہوگا اور عرض مدعا کرے گا لیکن وہ بھی مجسمۂ عجز بنے کسی اور کریم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضری کا مشورہ دیں گے اور کہیں گے کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دو۔ وہاں جا کر روداد غم بیان کرو۔ دامنِ امید پھیلاؤ۔ آج کے دن اگر کوئی بارگاہ تمہارے غم کا درماں اور کوئی ذات تمہاری ملجا و ماویٰ بن سکتی ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ہے۔ شفاعت کی کلید صرف انہی کے ہاتھ میں ہے۔ جب اہلِ محشر اپنی زبوں حالی و کسمپرسی کی داستان اس بارگاہ میں عرض کریں گے تو محبوبِ خدا فخر الانبیاء ﷺ فرمائیں گے "انا لھا" شفاعت کیلئے تو میں ہی ہوں یہ اعزاز تو آج کے دن میرا ہی ہے۔ تم کہاں بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہو۔ اب غمگسارِ عالم ﷺ رب العلمین کے حضور سجدہ ریز ہوکر اسکی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ عجز و نیاز کا پیکر بنے اہلِ محشر کیلئے شفاعت کے طلبگار ہوں گے۔ حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور ارشاد ہوگا:

یا محمد ارفع رأسک، قل تسمع سل تعط، واشفع تشفع.

ترجمہ: پیارے محمد! اپنا سرِ ناز اُٹھائیے، کہیے آپ کی بات سنی جائیگی۔ مانگیے جو کچھ مانگیں گے عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپکی شفاعت قبول کی جائیگی۔

نبی الرحمتہ ﷺ کو عرشِ عظیم کے دائیں جانب کرسیٔ وزارت عظمٰی پر سرفرازی بخشی جائے گی اور خلعتِ خلافت کبریٰ زیب تن کرائی جائے گی۔ شافعِ یوم النشور ﷺ نے فرمایا ''پھر میں عرش الٰہی کی دائیں جانب ایسے مقام پر قیام فرما ہوں گا کہ تمام اولین و آخرین مجھے رشک کی نظروں سے دیکھیں گے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس پر اولین و آخریں آپ ﷺ کی حمد وثناء بیان کریں گے۔

حق تعالیٰ کی حمد وثنا انبیاء وصدیقین، اولیاء وعرفاء اور صلحاء واتقیا اپنے اپنے زمانوں میں کرتے رہے۔ اپنے اپنے علاقوں اور اپنی اپنی زبانوں میں کرتے رہے۔ آج پیارے مصطفیٰ ﷺ کی حمد وثناء تمام انبیاء ورسل اور انکے جملہ متبعین، صدیقین وشہداء، اولیاء وعرفاء اور اتقیاء وصلحاء باجماعت و یک زبان ہوکر کریں گے۔ ہمیں تو یوں لگتا ہے ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

غرضیکہ میدانِ حشر میں سرور انبیاء ﷺ کی شانِ شفاعت کے اس محبوبانہ مظاہرے کا مشاہدہ پوری انسانیت چشم ظاہر سے کرے گی۔ جانِ عالم ﷺ کی شفاعت صرف اسی پر موقوف نہ ہوگی بلکہ حساب وکتاب کے ہر ہر مرحلے پر آپ ﷺ کی شفاعت امتیوں کی مدد اور مشکل کشائی کیلئے موجود و سرگرمِ عمل ہوگی۔ کون کون خوش نصیب کس کس طرح اور کس کس بہانے آپ ﷺ کی شفاعت سے بہرہ ور ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حبیب رب کائنات ﷺ نے فرمایا:

📖 من زارنی متعمداً کان فی جواری یوم القیامة ومن سکن المدینة و صبر علی بلادھا کنت لہٗ شھیداً وشفیعًا یوم القیامة ومن مات فی احد الحرمین بعثه اللّٰه امناً یوم القیمة. (مشکوٰۃ بروایۃ البیہقی)

ترجمہ: جس نے قصدِ خالص سے میری قبر انور کی زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے قریب ہوگا۔ جو شخص مدینہ میں سکونت اختیار کرے گا اور اس میں پیش آنیوالے شدائد ومصائب پر صبر کرے گا میں قیامت والے دن اس کے لئے گواہ اور شفیع و پناہ ہوں گا اور جو شخص حرمین شریفین میں فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن حالت امن میں اُٹھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

📖 قال رسول اللّٰه ﷺ من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت فانی اشفع لمن یموت بھا

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص میں یہ استطاعت ہو کہ وہ مدینہ کی سرزمین پر مر سکے تو ایسی موت ضرور حاصل کرے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اسکی شفاعت کرونگا۔

اسی طرح فرمایا:

📖 من زار قبری و جبت له شفاعتی (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت لازم ہوگی۔

اسی طرح حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسالتماب ﷺ نے فرمایا:

📖 انّ اللّٰه وعدنی ان یدخل الجنة من امتی اربع مأته الف بلا حسابٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ افراد کو بِلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرمائے گا۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "زدنا یارسول اللّٰه ﷺ" حضور ﷺ ہماری امت

کے ان خوش نصیبوں کی تعداد میں اضافہ فرمائیے۔ غمگسارِ عالم ﷺ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو جوڑ کر جیسا کہ بوقت عطا کسی کو دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز دی جاتی ہے فرمایا۔ چار لاکھ پر اتنے اور زیادہ، اُنہوں نے عرض کیا اور اضافہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا اتنے اور "اللہ اللہ ابوبکرؓ جانتے تھے کہ حضور ﷺ حق تعالیٰ کی طرف سے مختار و ماذون ہیں۔ ہمارا واسطہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے اور آپ ﷺ کا معاملہ اپنے مولا کے ساتھ اس لئے کمی کس بات کی ہے جس قدر ہو سکے مانگ لیا جائے۔ دریائے رحمتِ مصطفوی ﷺ جوش میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے بھائی بندوں کی شفاعت کا سامان کر لیا جائے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ آقا ﷺ اور اضافہ فرمائیے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بول اُٹھے اور کہا ابوبکر! اب جانے بھی دو ہمیں اسی حال پر رہنے دو کہ کچھ عمل بھی کریں اور خوفِ حساب و عذاب کی وجہ سے جدوجہد کریں۔ اعتمادِ کرم و بخشش کی وجہ سے کہیں اعمال سے محروم نہ رہ جائیں۔ ابوبکرؓ نے فرمایا عمر! اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرما دے تو تیرا کیا بگڑتا ہے۔ عمرؓ بھی اللہ کی بارگاہ میں اسکے محبوب کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے۔ محبّ کی بارگاہ میں محبوب کی شانِ ماذونیت و قبولیت سے آشنا تھے اسلئے گویا ہوئے۔ ابوبکر! اگر اللہ (اپنے محبوب کے صدقے) اپنی تمام مخلوق کو ایک ہی کفِ دست سے داخل کرنا چاہے تو کر دے بار بار کفِ دست میں اضافہ کرانے (بالفاظ دیگر بار بار حضور ﷺ کو ہاتھ اُٹھانے کی زحمت دینے) کی کیا ضرورت ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "عمر نے سچ اور صحیح کہا ہے"۔ امتیو! تمہیں مبارک ہو۔ جن کی شفاعت اللہ کے حضور سرورِ عالم ﷺ کریں۔ جنکی بخشش اور بلا حساب کتاب جنت میں داخلے کیلئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں سفارش ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے اپنے انداز میں کریں اُنہیں بھلا کس بات کی فکر۔ حق تو یہ ہے کہ ہم عاصی اگر اپنی بقیہ تمام زندگی سرکار کے لطف و کرم پر ازرہِ امتنان آپ ﷺ کی ثنا خوانی آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہوئے اور اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریزی ہی میں گزار دیں تو ان نوازشاتِ کریمانہ کا حق ادا نہیں کر سکتے جو

حضور ﷺ کی بارگاہ سے ہمیں میسر آ رہی ہیں۔

درِ حضور ﷺ سے شفاعت کی خیرات صرف اہلِ صغائر ہی حاصل نہ کریں گے بلکہ خوش نصیب اہلِ کبائر بھی اس فیضانِ کرم سے یقینی طور پر مستفید ہوں گے۔ حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا:

شفاعتی لاهل الکبائر من امتی (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: گناہ کبیرہ کرنے والوں کیلئے (بھی) میری شفاعت (محقق وثابت) ہوگی۔

اسی طرح جہنم میں داخل ہونیوالوں اور نارِ جہنم میں جلنے والوں کیلئے بھی حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے گناہ گار امتیوں کو جہنم کی کلفتوں سے نجات دلا کر جنت کی ابدی راحتوں سے ہمکنار فرمائیں گے۔ نیز حضور ﷺ کی شانِ شفاعت کے وسیلے سے شہداء وصدیقین سے اولیاء وصلحاء، حفاظ کرام، معصوم بچے اور دیگر طبقاتِ امت بھی عاصیوں، رشتہ داروں اور اپنے اپنے تعلق داروں کیلئے شفاعت کریں گے۔ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو قبیلوں کی شفاعت کریں گے بعض صرف ایک قبیلہ کی بعض تھوڑی جماعت کی اور بعض صرف ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتیٰ کہ سارے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ دوستو! جس کریم ہستی کے دامنِ رحمت سے وابستگی کی بنا پر اہلِ ایمان کو دونوں جہاں کی نعمتیں میسر آئیں دنیا میں ایمان، اسلام، قرآن، ہدایت، ایمانی و روحانی بلندیاں اور رفعتیں نصیب ہوئیں آخرت میں آپ کے دامنِ کرم کا سایہ، آپ ﷺ کی شفاعت سے جنت میں داخلہ اور اسمیں موجود ابدی راحتیں، ناقابل تصور نعمتیں اور حیاتِ جاودانی کی لذتیں نصیب ہونگی اس کریم ذات کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت اور جاں نثاری ایمان نہ قرار پائے گی تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوسکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر:

”جب اللہ کے حضور آپ ﷺ کا یہ مقام ہے اور اُمت پر عطاو بخشش کے

حوالے سے اللہ کے ہاں آپ ﷺ کی یہ تکریم ہے تو پھر اہلِ اُمت کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیے کوئی راز کی بات نہیں آپ ﷺ کی نسبت سے ہی وہ سب کچھ ہیں۔ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو یہ عطائے عام اور فضلِ عظیم کہاں نصیب ہوتا۔"

۳۵- احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ نہیں / اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

نیکی کا صلہ سوائے نیکی کے کچھ نہیں اور احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہوسکتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

📖 هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن:٦٠)

ترجمہ: احسان کا بدلہ کیا ہے مگر احسان ہی۔

جب دنیوی امور کا معاملہ یہ ہے تو جس ہستی کے طفیل اہلِ اُمت کو رشد و ہدایت اور سعادت دارین نصیب ہوئی اس کے ساتھ احسان مندی اور سپاس و امتنان کا کیا درجہ ہونا چاہیے قلبِ سلیم رکھنے والا انسان اس کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے جو کچھ حضور ﷺ نے ہمیں دنیا میں دیا اور کچھ آخرت میں آپ ﷺ کے وسیلے سے ہمیں ملنے والا ہے بھلا کون ہے جو ان احسانات کا بدلہ چکا سکے۔ آپ ﷺ کے وسیلے سے ہمیں ایمان ملا' قرآن ملا' دولتِ اسلام اور نعمتِ ہدایت میسر آئی۔ آپ ﷺ کے وجودِ اقدس کی برکت سے ہمیں ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم (اللہ تعالیٰ کو یہ زیبا نہیں کہ آپ کی موجودگی میں ان پر عتاب کرے) کی خوشخبری ملی۔ آپ ﷺ کے دم قدم سے شریعت میں سہولتیں اور آسانیاں میسر آئیں۔ آپ ﷺ نے عالمِ انسانیت کو ناروا بندھنوں اور بوجھوں سے نجات دلائی۔ آپ ﷺ کے قدموں کے طفیل جبر و بربریت' ظلم و استحصال اور ضلالت

گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے دُور ہوئے۔ معبودانِ باطلہ کے سامنے سجدہ ریز انسانیت کو جھوٹے خداؤں کی خدائی سے آزادی کا پروانہ ملا۔ سسکتی انسانیت کی حرکتِ قلب بحال ہوئی حوا کی بیٹی کو عزت وعصمت اور وقار ملا۔ مظلوم طبقات کی حق رسی اور ظالموں کی گوشمالی ہوئی۔ عالمِ انسانیت کو ہر دور اور ہر زمانے کیلئے قابلِ عمل نظامِ حیات ملا۔ انسان کو عرفانِ نفس کی نعمت ملی اور اسکی اپنے خالق تک رسائی ہوئی۔ غرضیکہ عالمِ انسانیت پر آپ ﷺ کے ان احسانات کا کون احاطہ کرسکتا ہے۔ کون آپ ﷺ کی عطا و بخشش کو شمار کرسکتا ہے اور پھر آخرت میں آپ ﷺ کے طفیل امت کو جو جو نعمتیں نصیب ہونیوالی ہیں کون ان کا احسان چکا سکتا ہے۔ میدان حشر میں آپ ﷺ کی شفاعاتِ کریمانہ پل صراط اور برسر میزان امت کی نگہبانی و رکھوالی۔ پیاسے امتیوں کی حوض کوثر سے سیرابی۔ حساب و کتاب کے مراحل میں قدم قدم پر امتیوں کی دستگیری اور مشکل کشائی۔ شومئ اعمال سے جہنم میں پھینک دیئے جانیوالے امتیوں کی رہائی اور خلاصی کیلئے بارگہِ الوہیت میں طویل سجدہ ریزیاں اور اپنے ہاتھوں ان کی رہائی کا اہتمام اللہ اللہ کس کس احسان اور انداز نگہبانی کا تذکرہ کیا جائے کس کس شانِ مسیحائی و ادائے مشکل کشائی کو بیان کیا جائے۔ کون بھلا غمگسارِ اُمت حضور ختمی مرتبت ﷺ کے ان احسانات کا بدلہ دے سکتا ہے ہم ایسے عاصی اور ناہنجار لوگوں کی محبت' ہمارا احترام اور تعظیم و توقیر خواہ کسی بھی درجے کی ہو بھلا کب آپ ﷺ کی نوازشاتِ کریمانہ کا جواب بن سکتی ہے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ جتنی محبت کریں۔ آپ ﷺ کا جس قدر ادب بجا لائیں۔ آپ ﷺ کی جس قدر تعظیم و توقیر کریں حضور ﷺ کے مذکورہ احسانات میں سے کسی ایک احسان کے کروڑویں حصے کا صلہ بھی نہیں دے سکتے۔ ہاں البتہ اپنے خالق و مالک کے حضور ﷺ اتنا ہی عرض کرسکتے ہیں۔

پس جس ہستی کے اُمتی پر اس قدر احسانات ہوں اُمتی کے لئے اس کی محبت کو حرزِ جاں بنا لینا ہی قدر شناسی و شکر گزاری کی بہترین صورت ہے۔ بنائے بریں نصابِ ایمان میں اُمتی کے لئے غمگسار و احسان شعار نبی کی محبت پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

☆ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ.

۳۶- قبر کی وحشت ناک تنہائی میں غمگسارِ اُمت کی جلوہ گری / اس حوالے سے مقصود کا استنباط:

اب تک تو ہم نے جان عالم ﷺ کی شانِ رحمت ونگہبانی کا تذکرہ دنیا و آخرت کے مختلف مراحل کے حوالے سے کیا اب ہم اس کریم آقا ﷺ کی شانِ رحمت وشانِ کریمی کے ایک اور مظہر کا تذکرہ کرنے لگے ہیں جس کا تعلق عالمِ برزخ کے ساتھ ہے۔

جب انسان کی روح پرواز کر جاتی ہے اور اسکے عزیزہ واقارب اور رشتہ دار جن کی آنکھوں کا وہ تارا ہوا کرتا تھا اور وہ دوست واحباب جن کی محفلوں کی رونق اور صحبتوں کی جان ہوا کرتا تھا وہی باپ بیٹے بھائی دوست اور رشتے دار انسان کو اپنے ہاتھوں منوں مٹی تلے دفن کر کے بوجھل قدموں کے ساتھ ہی سہی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔قبر کی وحشت ناک تنہائی میں جب انسان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اندھیری کوٹھری میں جب کہ روشنی کی کوئی کرن داخل نہیں ہوسکتی۔سب دوست واحباب اور رشتے دار اپنے پیارے کو سپرد خاک کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہوتے ہیں اور کوئی تھوڑی دیر کیلئے قبر پر ٹھہرنا بھی بے مقصد و لاحاصل تصور کرتا ہے۔ منکر ونکیر میت سے سوال و جواب کرنے کیلئے قبر میں داخل ہوتے ہیں۔ نادیدہ ٹھکانہ، گھٹاٹوپ اندھیرا، وحشت آفریں ماحول، بند کوٹھری جہاں نہ ہوا کا گزر، نہ روشنی کی کوئی کرن، منکر ونکیر کی سختی اور سخت گیری کسمپرسی اور لاچارگی کے ایسے عالم میں بھی اگر کوئی ہستی انسان کی مدد اور اُسکی مشکل کشائی کرتی نظر آتی ہے تو پیارے مصطفٰے ﷺ کی ہستی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ منکر ونکیر اس مرحلہ پر انسان سے تین سوالات کرتے ہیں:-

مَنْ رَّبُّکَ؟ تیرا رب کون ہے۔ مَادِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے۔ پھر پردے اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جانِ عالم ﷺ بنفسِ نفیس اپنے دیدار سے میت کو بہرہ یاب فرماتے ہیں اور فرشتے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے اگلا سوال پوچھتے ہیں:-

ماکنت تقول فی حق هذا الرجل

ترجمہ: اس ہستیٔ ذیشان کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا۔

بس یہی وہ سوال ہے جس کے جواب پر برزخی زندگی میں انسان کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اگر انسان جانِ عالم ﷺ کو پہچان جاتا ہے اور اسکے لبِ ثنائے مصطفوی ﷺ میں کھل جاتے ہیں تو اس کا بیڑہ پار ہو جاتا ہے اور اگر وہ شومئی قسمت سے آپ ﷺ کی پہچان سے محروم رہتا ہے تو اسکی حرماں نصیبی کا باب کھل جاتا ہے اور وہ پوری برزخی زندگی قیامت تک کُلفت و اذیت اور ناقابلِ بیان کرب و ذلت میں بسر کرتا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ہر میت سے مذکورہ تینوں سوال کئے جاتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پہلے سوال کے جواب پر ہی انسان کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ جب میت نے اس مرحلہ پر حق تعالیٰ کے رب ہونیکا اقرار کرلیا تو اس کا ایمان ثابت ہوگیا اور اگر وہ رب تعالیٰ کی ربوبیت کا ہی اقرار نہ کرسکا تو اس سے اگلا سوال لاحاصل ٹھہرا لیکن نہیں دوسرا سوال پھر بھی پوچھا جائے گا یعنی تیرا دین کیا ہے۔ اب اگر جواب میں اسلام کہا گیا تو اس سے بھی میت کا ایمان ثابت ہوگیا اور اگر جواب میں وہ اسلام نہ کہہ سکا تو اس کا اسلام سے عدمِ تعلق ثابت ہوگیا اور مزید کسی سوال کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن سلسلۂ سوالات یہاں بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ اب رحمتِ عالم ﷺ جیسی کریم ہستی آخری سہارے اور آخری اُمید کے طور پر اُسکے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے کہ اے انسان اگر تو پہلے سوالوں کا جواب تسلی بخش نہیں بھی دے سکا تو کم از کم اس ہستی ذی شان کو اس مرحلہ پر ہی پہچان لے تیرے لئے برزخ میں سہولت و آسانی اور سایۂ رحمت کا اہتمام ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں پہلے سوالوں کا

جواب اگر تسلی بخش دے بھی دیا گیا تھا تو جب تک اس ہستی کو نہیں پہچان سکے گا اور اس کے بارے میں حسنِ عقیدہ کا ثبوت فراہم نہیں کر دے گا اس وقت تک حق تعالیٰ کی ربوبیت اور دین اسلام کا اقرار تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکے گا۔ بات اس ہستی پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ اس ہستی ذیشان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا تھا۔ یہ کیا کہتا رہا کیا کیا لکھتا رہا۔ ذوق میں بات بہت دور نکل گئی۔ ذکر یہ ہو رہا تھا کہ جب سارے رشتے دار دوست واحباب انسان کو منوں مٹی تلے ڈال کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قبر کی اندھیری کوٹھڑی میں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔ جس چار دیواری میں داخل ہوتے ہی باہر کی دنیا کا سارا نظام انسان سے منہ توڑ گیا ہر کوئی ناتا توڑ گیا، ہوا نے خنکی اور تراوتیں سمیٹ لیں، روشنی نے کرنیں لپیٹ لیں، کوئی حامی و مددگار اور مونس و غمگسار نہ رہا تو اس تنہائی و بے بسی اور بے یاری و لاچارگی کے ماحول میں بھی جو ذات انسان کو وحشت ناک تنہائی سے نجات دلانے کے لئے اپنے منور و تاباں سراپا کے ساتھ قبر کی تاریک کوٹھڑی میں جلوہ گر ہوئی اور جس کی پہچان پر برزخی زندگی کی ساری مشکلیں آسان ہوئیں۔ جسکے ورودِ منور کی برکت سے قبر کو کشادگی ملی وحشتوں کو ہدایتِ روانگی ملی۔ جسکے قدموں کے طفیل جنت کا دَر کھلا، جسکے دم قدم سے منکر و نکیر کی زبانی "سو جا جیسے دلہن سوتی ہے" کا مژدۂ جاں فزا ملا۔ اس غمخوار و غمگسار، کریم و مہربان، دافع البلاء اور مشکل کشا ہستی کے بارے میں فہم و شعور، دین و ایمان، علم و ادراک، ذوق و وجدان، امانت و دیانت اور عقل و منطق ہر ایک کا فتویٰ یہی ہے کہ ایسی ہستیٔ لاریب ہی مومن کی ساری محبتوں اور چاہتوں کا مرکز، اسکے دین کا محور اور اسکے ایمان کا قبلہ ہونی چاہیے اور اسی محبت پر نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر اصرار ہونا چاہیے۔ الغرض امتی اگر ایسی غمخوار و مہربان ہستی کی محبت میں ایک مرتبہ کیا ہزار مرتبہ بھی جان قربان کر دے تو حقِ محبت ادا نہیں کر سکتا۔

فصلِ سوئم .... عالم تشریع میں ہدایت کے منابع اور حُبِّ رسول ﷺ کی فکری و اعتقادی بنیادیں:

گذشتہ دو فصلوں میں ہم نے بالترتیب عالمِ امر اور عالمِ خلق میں جاری حُبِّ رسول ﷺ کے

مختلف چشموں کا ذکر کیا۔ فصل ہذا میں ہم عالم تشریع و ہدایت میں جاری حُبِ رسول ﷺ کے ہمہ رنگ و ہمہ ذوق دھاروں کا تذکرہ کریں گے یعنی انسان کی رہنمائی کیلئے حق تعالیٰ نے رشد و ہدایت کا جو نظام جاری کیا ہے اس کی روشنی میں حُبِ رسول ﷺ کا مقام کیا ہے؟ بالفاظ دیگر عالمِ انسانیت کیلئے رشد و ہدایت کے سرچشموں یعنی قرآن وسنت نے حُبِ رسول ﷺ کی فرضیت اور اسکے وجوب کیلئے بلاواسطہ یا بالواسطہ کیا کیا احکام اور ضابطے جاری فرماتے ہیں تا کہ شریعتِ مطہرہ کے ان مصادر ومنابع کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوسکے کہ حُبِ رسول ﷺ کا تصور نظامِ تشریع و ہدایت کا محوری نکتہ ہے اور اس نظام کے خالق و مالک اور مربی نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت کے تصور کو اپنے ماننے والوں کیلئے ایک ناگزیر ضابطے کے طور پر لازم کیا ہے نیز یہ بھی واضح ہوجائے کہ عالمِ خلق و عالمِ امر میں رحمتِ مصطفوی ﷺ کی ہمہ نوع فیض رسانیوں اور نفع بخشیوں کے پیشِ نظر حُبِ رسول ﷺ کا تصور محض ایک جذباتی یا فقط عقلی و منطقی تقاضا ہی نہیں بلکہ خالقِ کائنات نے اپنے ماننے والوں پر اپنے محبوب کی محبت واجب کردی ہے اور نہایت دوٹوک اور غیر مبہم انداز میں اس محبت کو نصابِ ایمان کا پہلا باب بنایا ہے۔ اس محبت سے گریز ممکن نہیں اور تمام تر ایمانی و روحانی لذتیں اور فکری و اعتقادی بنیادیں اس تصورِ محبت کے ساتھ متعلق اور وابستہ کردی گئی ہیں جو جو شخص اس تصورِ محبت سے جس جس قدر سرشار ہے وہ اسی قدر حق تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ رشد وہدایت میں موجود ایمانی و روحانی لذتوں اور ذوقی و وجدانی حلاوتوں سے بہرہ ور ہے اور جو اس تصورِ محبت سے جس جس درجہ عاری و لابلد ہے اسی قدر ایمانی حلاوتوں اور روحانی لذتوں سے محروم اور حرماں نصیب ہے۔ اب آیئے اس اجمال کی تفصیل قرآن وسنت کی روشنی میں پانے کی کوشش کریں۔

۱۔ محبتِ رسالتماب ﷺ ہر محبت پر مقدم ہونے سے مقصود کا استنباط:

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ محبت کو اہل ایمان پر نہ صرف لازم کیا بلکہ اسے ہر محبت پر حاکم ومقرر اور مقدم رکھا ہے۔ تقدیمِ محبت کے اس تصور کا اعلان حق تعالیٰ نے قسم کے ساتھ

اپنے محبوب ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ان الفاظ میں کرایا ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ

(البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے والدین اور اولاد سے پیارا نہ ہوجاؤں۔

جو شخص اپنے والدین اور اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کے ساتھ محبت نہیں کرتا اُسکے ایمان کی نفی پر حضور ﷺ کی قسم ایک انتہائی گراں تنبیہ ہے اور تصورِ محبت سے گریزاں طبقے کیلئے لمحۂ فکریہ ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین .

(البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے اُسکے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔

مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

حتیٰ اکون احب الیہ من اھلہٖ ومالہٖ والناس اجمعین.

ترجمہ: یہاں تک کہ میں اسے اسکے اہل، مال اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔

مذکورہ احادیث میں والدین، اولاد، اہل، مال اور جمیع الناس کا ذکر ہے لیکن حق یہ ہے کہ ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر حضور ﷺ کے ساتھ محبت نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن ہشام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ان کے اتنا کہنے پر کہ آپ ﷺ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر شے سے محبوب تر ہیں۔ فرمایا:

لا والذی نفسی بیدہٖ حتیٰ اکون احب الیک من نفسک.

ترجمہ: (تیرا ایمان مکمل) نہیں مجھے اس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب یہ حالت ہے کہ:

📖 واللّٰه لانت احب اليّ من نفسي.

ترجمہ: اللہ کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

📖 الان يا عمر. (البخاری کتاب الایمان والنذور)

ترجمہ: اے عمر اب بات بنی (یعنی اب تیرا ایمان مکمل ہوا)

دوستو! جس ذات کے ساتھ محبت کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر ہونا ایمان کا اوّلیں تقاضا ہو تو پھر نصابِ ایمان میں اس محبت پر سب سے بڑھ کر اصرار کیوں نہ کیا جائے گا۔

۲- حضور ﷺ کی اتباع محبوبیتِ خداوندی کا سبب ہونے سے مقصود پر استدلال ہے:

حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اتباع پر متبعین کو اپنی محبوبیت کے درجے پر فائز کرنے کا مژدہ سنایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

📖 قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب) تم فرما دو (کہ اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

آیت بالا میں بات حق تعالیٰ کی محبت کے تصور سے شروع کی گئی اور اس کا انجام رب تعالیٰ کی محبوبیت بیان کیا گیا ہے۔ درمیان میں نسبتِ رسالتماب ﷺ مذکور ہے یعنی اے ایمان والو! اگر تم

اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری اتباع کرو جسکا نتیجہ اور ثمر تمہیں بارگہ خداوندی سے یہ ملے گا کہ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ گویا حق تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل کرنے کیلئے اتباع رسالتماب ﷺ لازمی شرط ہے۔ جب حضور ﷺ کی پیروی انسان کو حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام پر فائز کردیتی ہے تو پھر آپ ﷺ کی محبت جو اتباع کی اصل اور اسکی قبولیت کی شرط ہے کس قدر ضروری و لابدی اور ناگزیر و واجب ہوگی۔ نظامِ رشد و ہدایت میں حُبِّ رسول ﷺ کی اس اساسی اور ناگزیر حیثیت کے پیشِ نظر اسے ایمان کی اصل اور اساس قرار دیا گیا اور بایں وجہ نصابِ ایمان میں ہر شے سے بڑھ کر اس پر زور دیا گیا۔

۳- اہلِ ایمان پر وجوبِ حُبِّ رسول کا ایک نرالا انداز اور اس حوالے سے مقصود کا استدلال:

سورۂ احزاب میں ربِ محمد نے اُمتِ مصطفوی ﷺ پر اپنے محبوب ﷺ کی محبت کو جن الفاظ میں واجب کیا اس کا تو انداز ہی نرالا ہے۔ فرمایا گیا:

📖 اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (احزاب:۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو (تم بھی) ان پر خوب درود و سلام بھیجو۔

ربِ محمد ﷺ کا اپنے محبوب ﷺ پر درود بھیجنا از روئے محبت ہے اسی طرح فرشتوں پر بھی حُبِّ رسول واجب کرتے ہوئے ربِ ملائکہ نے یہ حکم لاگو کر رکھا ہے کہ وہ اس کے محبوب پر ہمہ وقت درود بھیجیں۔ جو کام خود ربِ محمد ازرہِ محبت خود کر رہا ہے اس کام پر اہلِ ایمان کا مامور کیا جانا کیا وجوبِ محبت کی دلیل نہیں؟ بالیقیں یہ حکمِ الٰہی اہل ایمان کے لئے اس ذاتِ ستودہ صفات کی نسبت وجوبِ

محبت کی روشن دلیل ہے تو جس ذات سے محبت اہلِ ایمان پر واجب ٹھہرے اس محبت پر نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر زور نہ دیا جائے گا تو پھر کون سا رکنِ دین یا شعبۂ ایمان اس مقام و منصب کے لائق قرار پائے گا۔

۴۔ جس ہستیٔ ذیشان کو راضی کرنا اس کے رب کے ذمۂ کرم پر ہو/ اس حوالے سے مقصود کا استنباط:

جس محبوبِ ذیشان کو راضی کرنا اس کے مہربان و مربی رب نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہو اس سے کمال درجہ محبت کو مدارِ ایمان بلکہ عین ایمان کیوں نہ بنایا جائے گا جیسا کہ فرمایا گیا:

📖 **وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی.** (والضحیٰ:)

ترجمہ: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا کچھ عطا کر دے گا کہ آپ اس پر راضی ہو جائیں گے۔

۵۔ جس محبوبِ ذیشان کے ہاتھ پر بیعت اللہ کے ہاتھ پر بیعت قرار پائے/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

جس ہستیٔ ذیشان پر اس کا رب اس قدر مہربان ہو کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دے اس ذاتِ باکمال سے محبت نصابِ ایمان کا پہلا نقطہ نہ قرار پائے تو پھر ایمان اور کس چیز کا نام ہوگا۔

📖 **اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فوقِ ایدیھم.** (الفتح: ۱۰)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

۶- والیٔ امت کی شانِ محبوبی کا ایک اور پہلو اور اس سے استدلال:

سورہ نجم میں رب محمد ﷺ نے والی امت کی شانِ محبوبی و مقام نیابت کا ایک اور پہلو ان الفاظ میں اہلِ ایمان کے سامنے رکھا:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى. (سورہ النجم: ۳ تا ۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان پر وحی کی جاتی ہے۔

دوستو! جس محبوب ذیشان کی زبانِ حق ترجمان سے نکلنے والا ہر بول وحی الٰہی ہو، جس کی زبان پر اس کا رب کلام کرے اس ذاتِ ستودہ صفات سے حد درجہ محبت کیسے محور ایمان بلکہ عین ایمان نہ بنے گی اور اس محبت پر نصاب ایمان میں سب سے بڑھ کر اصرار کیوں نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک مقام پر محبوب خدا کے عمل کو ربِ محمد نے اپنا عمل قرار دیا ہے۔

وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى......... (سورہ انفال: ۱۷)

ترجمہ: اے محبوب جو خاک آپ نے پھینکی تھی وہ آپ نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

۷- محبوبِ خدا کے مقام محمود پر فائز کیے جانے سے مقصود کا استنباط:

ربِ محمد نے اپنے محبوب کے ساتھ اپنے تعلق محبت کا حق ادا کر کے دکھانے کا ایک اعلانِ حسیں ان لفظوں میں حصہ قرآن بنایا:

.... عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا. (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمادے گا۔

جب رب محمد اپنے محبوب کے ساتھ رشتہ محبت نبھاتے ہوئے اُسے مقام محمود پر فائز کرنے کا صرف برملا اعلان کر چکا ہو اس کی محبت اپنے ماننے والوں پر کیسے واجب نہ کرے گا اور پھر نصاب ایمان میں اسی محبت پر سب سے بڑھ زور کیوں نہ دیا جائے گا۔ ہے کوئی دلیل کسی کے پاس جو اس

استدلال کو جھٹلا سکے۔ ؎ ایں خیال است و محال است جنوں

۸- محبوبِ خدا کی شانِ محبوبیت اور نیابتِ الٰہی کے اظہار کا ایک اور منظرِ لاجواب اور اِس حوالے سے مقصود پر استدلال:

سورۃ آلِ عمران میں ربِ محمد ﷺ نے اپنے محبوب یکتا کی شانِ محبوبی، شانِ نیابت کا ایک ایسا منظر لاجواب حصہ قرآن بنایا ہے جس کی نظیر خود رب کائنات کے کارخانہ کائنات میں موجود نہیں:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ.

(سورہ آلِ عمران:۸۱)

ترجمہ: اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول ﷺ تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے' فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا' فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

جس محبوب ذیشان پر ایمان اس سے محبت وفاداری اور اس کی بہر صورت مدد کرنے کا عہد اسکا کریم و مہربان رب جملہ انبیاء و رسل سے لے اس مہربان و مربی' تمام اولین و آخرین' انبیاء کرام اور ان کے مقتدیان' امم سابقہ اور جملہ صالحین اقوام گذشتہ کے ذریعے میدان حشر میں اپنے محبوب کی حمد و ثنا اور اس کی عظمت و سطوت کے پرچم ہائے رنگا رنگ لہرائے جانے اور لواءالحمد کے سائے میں

صلوۃ وسلام کی مجالس کے انعقاد کی خوشخبریاں اپنے اسی محبوب ذیشان کی زبانی اہل ایمان تک پہنچا چکا ہو۔ عرش اعظم پر اپنی کرسی صدارت کے پہلو میں اپنے محبوب کے لئے ایک مسند سجا کر اس پر اپنے خلیفۂ اعظم کے مسند نشین کئے جانے کا برملا و بیانگ دہل اعلان اپنے اسی محبوب یگانہ کی زبانِ حق ترجمان کے ذریعے کر چکا ہو اس کے ساتھ والہانہ اور قلبی محبت اس کی اُمت پر واجب و ناگزیر نہ ہوگی اور نصاب ایمان میں اس محبت پر سب سے بڑھ کر زور نہ دیا جائے گا تو پھر کونسا شعبۂ ایمان یا کون سا رکن دین اس مقام کا نہ سزاوار ہو گا۔

۹- ربِ محمد تو اس شہر جاناں کی قسم کھائے/ اس حوالے سے مقصود کا استنباط:

ربِ محمد ﷺ نے قرآن میں ایک مقام پر اپنے محبوب کے مسکن و مستقر حاملِ صد ہزار عزت واحترام شہر، شہر مکہ کی قسم کچھ اس طرح کھائی:

📖 لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ. وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ. (سورہ البلد:۱تا۲)

ترجمہ: میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔ (اے حبیب مکرم!) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔

ربِ محمد ﷺ نے ساتھ ہی اگلی آیت میں اپنے محبوب یکتا اور آپ ﷺ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے والد گرامی کی قسم ان الفاظ میں کھائی:

📖 وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ. (سورہ البلد:۳)

ترجمہ: (اے حبیب مکرم! آپ کے) والد (آدم یا ابراہیم علیہ السلام) کی قسم اور (آپ کی) قسم جن کی (اس عظیم الشان خانوادۂ اسماعیلی میں) ولادت ہوئی۔

تو جو رب ازرہِ محبت والتفات اپنے محبوب ﷺ کی قسم کھائے آپ کے والد گرامی کی قسم آپ ﷺ کے شہر اور آپ کے نگر کی قسم کھائے اور قسم پر قسم کھاتا چلا جائے وہ اپنے ماننے والوں پر اسی

ہستی ذیشان اور اپنی شان ربوبیت کی آن شخصیت کی محبت کو ایمان کی جان بلکہ عین ایمان قرار دے اس کی محبت پر سب سے بڑھ کر زور کیوں نہ دے گا ہے کوئی منطقی دلیل یا عقلی استدلال جو اس دعوے کا بطلان کر سکے۔

۱۰- تعلق حبی کے تعلق تعلیماتی پر تقدم سے مقصود کا استنباط:

سورہ اعراف میں رب محمد ﷺ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کے چار جہتی تعلق کے بیان میں تقدم و تاخر کا جو انداز اپنایا ہے وہ اس امر کے علاوہ بھلا اور کس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ امتی کے اپنے آقا و مولا کے ساتھ تعلق میں، تعلقِ حبی کو تعلیماتی تعلق پر اولیت و تقدم حاصل ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔

📖 فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورہ اعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اُتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

قارئین کرام "نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُ النُّوْرَ الَّذِيْ" سے پہلے اٰمَنُوْا بِهٖ اور وَعَزَّرُوْهُ کے بانگ دہل بتا رہے ہیں کہ نصرت و اتباع بعد کی باتیں ہیں اور ایمان و ادب اور محبت و تعظیم اس تعلق کے اوّلیں تقاضے ہیں۔ اسی بنا پر رب محمد ﷺ نے امت پر مربی امت کے ساتھ والہانہ تعلق محبت کو ایمان کی بنیاد اور اتباع و نصرت رسول کو کمال ایمان بنایا۔

۱۱- تربیت نبوی کے فیضان لاجواب کے تابندہ نقوش کیا بتلاتے ہیں:

سورہ فتح میں رب محمد نے مربی صحابہ کے فیضانِ تربیت کے تابندہ نقوش کا اعلان و اظہار ان

صلوۃ وسلام کی مجالس کے انعقاد کی خوشخبریاں اپنے اسی محبوب ذیشان کی زبانی اہل ایمان تک پہنچا چکا ہو۔ عرش اعظم پر اپنی کرسی صدارت کے پہلو میں اپنے محبوب کے لئے ایک مسند سجا کر اس پر اپنے خلیفۂ اعظم کے مسند نشین کئے جانے کا برملا و بیانگ دہل اعلان اپنے اسی محبوب یگانہ کی زبانِ حق ترجمان کے ذریعے کر چکا ہو اس کے ساتھ والہانہ اور قلبی محبت اس کی اُمت پر واجب و ناگزیر نہ ہوگی اور نصاب ایمان میں اس محبت پر سب سے بڑھ کر زور نہ دیا جائے گا تو پھر کونسا شعبۂ ایمان یا کون سا رکن دین اس مقام کا نہ سزاوار ہوگا۔

۹- ربِ محمد تو اس شہر جاناں کی قسم کھائے/ اس حوالے سے مقصود کا استنباط:

ربِ محمد ﷺ نے قرآن میں ایک مقام پر اپنے محبوب کے مسکن و مستقر حاملِ صد ہزار عزت واحترام شہر، شہر مکہ کی قسم کچھ اس طرح کھائی:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ. وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ. (سورہ البلد:١تا٢)

ترجمہ: میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔ (اے حبیب مکرم!) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔

ربِ محمد ﷺ نے ساتھ ہی اگلی آیت میں اپنے محبوب یکتا اور آپ ﷺ کے جدامجد حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے والد گرامی کی قسم ان الفاظ میں کھائی:

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ. (سورہ البلد:٣)

ترجمہ: (اے حبیب مکرم! آپ کے) والد (آدم یا ابراہیم علیہ السلام) کی قسم اور (آپ کی) قسم جن کی (اس عظیم الشان خانوادۂ اسماعیلی میں) ولادت ہوئی۔

تو جو رب ازرہِ محبت والتفات اپنے محبوب ﷺ کی قسم کھائے آپ کے والد گرامی کی قسم آپ ﷺ کے شہر اور آپ کے نگر کی قسم کھائے اور قسم پر قسم کھاتا چلا جائے وہ اپنے ماننے والوں پر اسی

ہستی ذیشان اور اپنی شانِ ربوبیت کی آن شخصیت کی محبت کو ایمان کی جان بلکہ عین ایمان قرار دے اس کی محبت پر سب سے بڑھ کر زور کیوں نہ دے گا ہے کوئی منطقی دلیل یا عقلی استدلال جو اس دعوے کا بطلان کر سکے۔

۱۰- تعلق حبی کے تعلق تعلیماتی پر تقدم سے مقصود کا استنباط:

سورہ اعراف میں رب محمد ﷺ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کے چار جہتی تعلق کے بیان میں تقدم و تاخر کا جو انداز اپنایا ہے وہ اس امر کے علاوہ بھلا اور کس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ امتی کے اپنے آقا و مولا کے ساتھ تعلق میں، تعلقِ حبی کو تعلیماتی تعلق پر اولیت و تقدم حاصل ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورہ اعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اُتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

قارئین کرام "نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُ النُّور الَّذِی سے پہلے اٰمَنُوا بِهٖ اور وَعَزَّرُوْهُ کے بانگ دہل بتا رہے ہیں کہ نصرت و اتباع بعد کی باتیں ہیں اور ایمان و ادب اور محبت و تعظیم اس تعلق کے اوّلیں تقاضے ہیں۔ اسی بنا پر رب محمد ﷺ نے امت پر مربی امت کے ساتھ والہانہ تعلق محبت کو ایمان کی بنیاد اور اتباع و نصرت رسول کو کمال ایمان بنایا۔

۱۱- تربیت نبوی کے فیضان لاجواب کے تابندہ نقوش کیا بتلاتے ہیں:

سورہ فتح میں رب محمد نے مربی صحابہ کے فیضانِ تربیت کے تابندہ نقوش کا اعلان و اظہار ان

الفاظ میں کیا:

📖 مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ .... (سورہ الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے' سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں۔ اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے۔

مربی صحابہ کے فیضان محبت وتربیت نے آپ کے تلامذہ کو جن خصوصیات سے نوازا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ کفار پر شدید وسراپا غضب لوگ

۲۔ ایک دوسرے کیلئے سراپا رحمت لوگ

۳۔ پیکران بندگی وذوق سجدہ ریزی سے مزین لوگ

۴۔ فضل ورضائے الٰہی کے رسیا لوگ

۵۔ سجدہ ریزیوں کے نقوش تابندہ رکھنے والے لوگ

اہلِ ایمان کو اپنی محبت وتربیت میں رکھ کر ان کی مربی ومزکی ہستی انہیں عظمت کردار کے جن جن تابندہ نقوش سے نواز رہی ہے کیا اس ہستی کے فیض یافتہ اور زیرتربیت وتربیت شدہ شاگردوں اور اُن کے سچے پیروکاروں کے لئے ضروری نہیں بنتا کہ وہ بھی ازرہِ تشکر وامتنان اس ہستی والا شان کو اپنی تمام تر چاہتوں اور محبتوں کا قبلہ بنائیں اور اس کی الفت کے نشے میں مست مست تزئین کردار کی منزلیں طے کرتے جائیں۔

۱۲- رب تعالیٰ کی طرف سے برہانِ عظیم ہونا کیا حبِ عظیم کا متقاضی نہیں:

قرآن میں رب محمد نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی توحید پر حتمی وقطعی اور ناقابل تردید دلیل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

📖 قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ. (القرآن)

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اسکی توحید پر حتمی اور قطعی دلیل آ گئی۔

سبحان اللہ جسے رب محمد ﷺ اہل ایمان کے پاس اپنی توحید پر حتمی وقطعی ناقابل انکار اور ناقابل شکست دلیل بنا کر بھیجے نصاب ایمان میں ایسی عظیم المرتبت دلیل کے ساتھ والہانہ محبت و وابستگی اور ایسی عظیم الشان اور ناقابل شکست دلیل کے ساتھ تمسک و اعتصام پر سب سے بڑھ کر اصرار نہیں ہوگا تو پھر اور کونسا شعبہ ایمان یا رکن دین اس مقام کا سزاوار ہوگا۔

۱۳- "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه" سے مقصود پر استدلال:

سورہ نساء میں رب محمد ﷺ نے اپنی شان ربوبیت و مقام محبوبیت کے شاہکارِ اتم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

📖 مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه..........(سورہ النساء:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

سبحان اللہ جس کی اطاعت کو رب تعالیٰ اپنی اطاعت قرار دے اور اس کی اطاعت ہو جانے پر الگ اپنی اطاعت پر اصرار نہ کرے تو ایسی جلیل القدر اور صاحب اختیار و باوقار ہستی کے ساتھ والہانہ محبت یگانہ وابستگی پر اگر دین وایمان اصرار نہ کرے گا تو پھر دین وایمان اس منصب ذیشان پر اور کسے بٹھائے گا اس عظیم المرتبت تخت وتاج کی زینت کسے بنائے گا!!!۔

۱۴- حیات بخش و حیات آفریں پکار پر لبیک کہنے کا حکم:

اس سے مقصود کا استنباط:

سورہ انفال میں رب محمد ﷺ نے اپنی شانِ تخلیق کی شاہکار اتم ہستی کی پکار پر لبیک کہنے کا حکم ان الفاظ میں دیا:

📖 يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ........

(سورہ انفال:۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔

جس مربی امت کی غمگسارانہ و غمخوارانہ پکار اہلِ ایمان کو زندگی بخشنے والی ہو، ایک نئی حیات سے ہمکنار کرنے والی ہو اس کی دردمندانہ اور حیات بخش پکار پر لبیک کہنے والوں کے دل اس کی محبت میں کس قدر سرشار ہونے چاہئیں اس پر کسی اضافی دلیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ بایں وجہ ہی نصابِ ایمان میں اس ہستی والاشان کی محبت پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

۱۵- جس کے صدقے اہلِ ایمان مدد خداوندی کے سزاوار ٹھہریں/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

سورۃ بنی اسرائیل میں رب محمد نے اپنے محبوب ﷺ سے نہایت محبوبانہ انداز میں کچھ اس طرح فرمایا:

📖 كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا.

(سورہ بنی اسرائیل:۲۰)

ترجمہ: ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیب مکرم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کیلئے) ممنوع اور بند نہیں ہے۔

جس ہستی والا شان کی نسبت و درمیانگی کی وجہ سے رب العالمین کی مخلوق پر ہر لمحہ اور ہر قسم کی عطائیں بخششیں اور عنایات ہوں اس ہستی کی از راہِ تشکر و امتنان محبت دین کی اصل بلکہ اصل الاصولِ دین اور جانِ ایمان نہ ہوگی اور اس محبت پر ہر شعبۂ ایمان اور ہر رکن دین سے بڑھ کر زور نہ دیا جائے گا تو پھر یہ مقامِ ذیشان اور کس کے حصے میں آئے گا۔

۱۶- جس کی خواہش لطیف کا پاس رب کعبہ رکھے/ اس حوالے سے مقصود کا استنباط:

جس محبوب ذیشان کی تحویل قبلہ کے بارے میں خواہش لطیف کا پاس اس کا محسن و مہربان رب یہ کہہ کر رکھے:

📖 قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.

ترجمہ: (اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رُخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے۔

دوستو! جس محبوبِ ذیشان کی خواہشِ لطیف پر آنِ واحد میں اُس کا رب قبلہ تبدیل کر دے اُس ہستی ذیشان کی محبت کا نصابِ ایمان میں کیا مقام ہوگا اس پر کسی اضافی دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

۱۷- حضور ﷺ کی محبت اور تعظیم و توقیر اوّلیں تقاضائے ایمان ہے/ اس حوالے سے مقصود کا استدلال:

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت اور تعظیم و توقیر کو تقاضائے ایمان قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

📖 اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا o لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا o (الفتح:۹،۸)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر خوشخبری سنانے والا۔ ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکیزگی بیان کرو۔

تعزیر کا ایک معنی تعظیم میں مبالغہ بھی کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے تعزروہ کا معنی ہوا۔ ایمان والو! رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو یعنی حد درجہ تعظیم اور توقیر بجا لاؤ۔ تعظیم محبت ہی کا ارفع درجہ ہے۔ محبت میں جب ادب و احترام کا عنصر داخل ہوتا ہے تو تعظیم بنتی ہے اور تعظیم میں مبالغہ اور فدا کاری تعزیر کہلاتی ہے۔ اب تعزروہ کا معنی ہوا محبتِ رسول ﷺ میں مستغرق ہو کر حد درجہ تعظیم و ادب کا اظہار کرو۔ چنانچہ مومنین پر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ سے غایت درجہ محبت کریں۔ بے انتہا تعظیم و توقیر اور ادب بجا لائیں اس محبت اور تعظیم سے کہیں بڑھ کر جو اولاد اپنے والدین کی کرتی ہے یا جو کوئی بھی محبّ اپنے محبوب سے کر سکتا ہے۔ ایمان کا اولین تقاضا تعظیمِ رسول ﷺ ہے بقیہ تقاضے بعد میں آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

📖 فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: تو وہ جو اس (رسول ﷺ) پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی کامیاب ہیں۔

کامیابی کیلئے ایمان کے ساتھ تعظیمِ رسول ﷺ' نصرتِ رسول ﷺ اور اتباع تعلیماتِ رسول ﷺ شرط ہیں۔ سب کچھ بجا! لیکن ذکرِ ایمان کے بعد یہاں بھی پہلا تقاضا تعظیم رسالتماب ﷺ ہی قرار دیا گیا۔ دیگر تقاضوں کا بیان مؤخر کیا گیا۔ نصابِ ایمان میں حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم اور توقیر وادب کا مقام واضح کرتے ہوئے ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد فرمایا گیا:

📖 يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

(الحجرات:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اُن سے اس انداز میں اونچی آواز میں بات کرو جس طرح ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سبھی اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں اس بات کی خبر بھی نہ ہو۔

نیز حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور مقامِ ادب کے پیشِ نظر مومنین کو ہر ایسے لفظ کے استعمال سے روک دیا گیا جس سے کسی طور پر بھی آپ ﷺ کی اہانت یا گستاخی کا پہلو نکل سکتا ہو۔ ارشاد ہوا:

📖 يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا.

ترجمہ: اے ایمان والو! ہمارے رسول ﷺ کی بارگاہ میں ''راعنا'' کے الفاظ استعمال نہ کیا کرو بلکہ ''اُنظرنا'' کہہ کر اپنی درخواست پیش کیا کرو۔

حکم مذکورہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ صحابہؓ کو بسا اوقات کسی مسئلے کی تفہیم کیلئے سرکار دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں دوبارہ ارشاد فرمانے کیلئے درخواست کرنا پڑتی تھی تو وہ ''راعنا'' کا لفظ استعمال کرتے تھے جسکا مطلب تھا ہماری رعایت فرمایئے یعنی ہماری خاطر مکرر ارشاد فرمایئے۔ لفظ بظاہر

بے ضرر تھا اور اس میں عیب کا کوئی پہلو نہیں تھا لیکن منافقین اسی لفظ کو قدرے تغیر کے ساتھ ادا کرتے جس سے اس کا معنی بدل جانے سے حضور ﷺ کی اہانت کا پہلو نکلتا تھا۔ حق تعالیٰ نے مومنین کو ایسے الفاظ استعمال کرنے سے بھی روک دیا جس کی ادائیگی میں لسانی تغیر سے حضور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی کا شائبہ پیدا ہوسکتا ہو۔ استدلال مذکورہ کی روشنی میں اس حقیقت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم و توقیر کا کس درجہ لحاظ ہے اور وہ مومنین کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت اور عزت و احترام کے کیسے جذبات موجزن دیکھنا چاہتا ہے اور وہ بلاقصد و ارادہ اور بِلانیت ہی سہی کسی ایسے لفظ کا استعمال بھی گوارا کرنے کیلئے تیار نہیں جس سے اُسکے محبوب ﷺ کی شان میں بے ادبی کا احتمال پیدا ہوتا ہو جب خدا کو اپنے محبوب ﷺ کی عصمت اور اسکی عزت و احترام کا نفاذ اس قدر عزیز ہے کہ وہ اسکی محبت اور توقیر و ادب کو شرطِ ایمان قرار دے رہا ہے تو اس کا نازل کردہ دین حُبِّ رسول ﷺ پر اصرار کیوں نہ کرے گا۔

۱۸- حضور ﷺ کی محبت پر غیر کی محبت کو مقدم کرنے کی ممانعت/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت اہلِ ایمان پر صرف لازم ہی قرار نہیں دی بلکہ ہر دوسری محبت کو اپنی اور اپنے محبوب ﷺ کی محبت کے تابع رکھنے کا حکم دیا اور اگر کوئی انسان دیگر محبتوں کو محبتِ رسول ﷺ پر مقدم رکھتا ہے تو اسکے لئے سخت عذاب کی وعید نازل کی گئی۔ ارشاد ہوا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ: ۲۴)

ترجمہ: (اے نبی مکرم) آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے کمائے اور تمہارے کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اسکی راہ میں جہاد سے محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) نافذ کردے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ یہ آیت اتنی شدید ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی آیت شدید نہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس آیت کا نفسِ مضمون اول تا آخر محبت ہی ہے۔ مختلف انواعِ محبت کا اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت کے مقابل ذکر کر کے انکی حیثیت کا تعین کیا گیا اور واضح طور پر یہ بتا دیا گیا کہ بے شک یہ ساری محبتیں فطری ہیں اور انکی یکسر نفی مقصود نہیں البتہ ان محبتوں کی حیثیت ثانوی ہے اور صرف اسی صورت میں اور اسی حد تک قابل قبول ہیں جب تک کہ وہ محمد و ربِ محمد کی محبت کے تصور کے تابع ہوکر رہیں اور اگر وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہیں تو مذموم و مردود اور نا قابلِ التفات ہیں۔ دنیائے ایمان میں حُبّ رسول ﷺ کی اسی حاکمانہ اور محبوبانہ حیثیت کے پیشِ نظر ہر دیگر دینی ضرورت سے بڑھ کر اس پر اصرار کیا گیا۔

۱۹- مومنین پر حضور ﷺ کی محبت اسلئے بھی لازم ہے کہ آپ ﷺ محبوبِ کائنات ہیں/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے پھر آسمان پر آواز دے کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پس اہلِ آسمان اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اہلِ زمین میں بھی اسے قبولیت نصیب ہو جاتی ہے۔

جانِ عالم ﷺ کی غلامی اور اتباع کے نتیجے میں جب اُمتی اللہ کی محبوبیت کا درجہ پاکر آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں مقبولیت حاصل کر جاتا ہے۔ مخلوقات کا ممدوح ومحبوب بن جاتا ہے اور ہر ایک پر اُسکی محبت لازم ہو جاتی ہے تو پھر وہ ہستی جو حقیقتاً اور اصلاً حق تعالیٰ کی محبوب ہے اور جس کی تخلیق ہی حق تعالیٰ کے داعیہِ محبت کا جواب بن کر ہوئی ہے مخلوق کی طرف سے کس درجہ محبت کی اہل اور حق دار ہوگی اسکا اندازہ کوئی صاحبِ ذوق ہی کر سکتا ہے۔

مذکورہ جہتِ محبت کا ذکر کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

احبوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمۃ واحبونی لحب اللہ.

ترجمہ: اللہ سے محبت کرو کیونکہ تم اسکی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہو اور میرے ساتھ اللہ کی خاطر محبت کرو۔

پس جو محبت فقط اللہ کی خاطر اور اسکی سنت پر عمل کرتے ہوئے کی جائے گی دین کی تعلیم اور ایمان کے نصاب میں اس محبت کا مقام ومرتبہ کیا ہوگا۔ لذت ایمان سے سرشار اُمتی کے لئے اس کا ادراک چنداں مشکل نہیں۔

۲۰- حضور ﷺ کی عزت وعصمت پر جان قربان کر دینے کا الوہی حکم اور اس حوالے پر مقصود کا استنباط:

مومنین کیلئے ہادیٔ اعظم ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی عزت وعصمت اور ناموس کا تحفظ اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر مقدم ٹھہرایا گیا ہے اور کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی جان جانِ عالم ﷺ پر فدا کرنے سے اعراض اختیار کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ (التوبہ: ۱۲۰)

ترجمہ: اہلِ مدینہ اور انکے اردگرد دیہات والوں کیلئے یہ مناسب تھا کہ رسول ﷺ سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان کو پیارا جانیں۔

وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهٖ کے الفاظ واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ جانِ عالم ﷺ کے ساتھ محبت اپنی جان سے بھی بڑھ کر لازم ہے ورنہ حق تعالیٰ اس طرح عتاب نہ فرماتا۔ مومن کیلئے یہی شایانِ شان ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی عزت و عصمت کو اپنی جان پر مقدم جانے اور ہر لحہ حضور ﷺ کے ناموس پر اپنی جان نچھاور کرنے کیلئے آمادہ و کمر بستہ رہے۔ صحابہؓ تو اس اعتبار سے خوش نصیب تھے کہ اُنہیں جانِ عالم ﷺ کی بنفسِ نفیس محبت و معیت نصیب تھی اور وہ آپ ﷺ کی محبت و چاہت میں جانیں نچھاور کرتے رہے اپنے خون کے نذرانے پیش کرتے رہے۔ بعد کے ادوار بھی اس جذبۂ جاں نثاری اور ناموسِ رسالتمآب ﷺ پر فدا کاری کے گوناگوں مظاہر سے مزین ہیں۔ ہر زمانے میں حضور ﷺ کے غلام آپ ﷺ کی عزت و عصمت اور ناموسِ رسالت ﷺ پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ آج کے اس گئے گزرے دَور کا مسلمان بھی جو عمل کے اعتبار سے بہت کمزور ہے اپنے آقا و مولا کی عصمت اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے ہر وقت اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔

۲۱- حضور ﷺ کی اطاعت مومنین پر فرض ہے/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

حق تعالیٰ نے مومنین پر حضور ﷺ کی اطاعت لازم کی ہے کتاب وسنت کی لاتعداد نصوص اس پر دال ہیں، مثلاً:

📖 **وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ** ٥ (آل عمران:۱۳۲)

ترجمہ: اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

📖 وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال: ۱)

ترجمہ: اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا حکم مانو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

📖 وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا.......... (الانفال:۴۶)

ترجمہ: اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں۔

یہاں تک حضور ﷺ کی اطاعت کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا:

📖 مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.

ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی پس اُسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

حق تعالیٰ کی محبت اور رضا صرف انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو حضور ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور آپ ﷺ پر جان نثاری میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے جانثاروں کو ایک مقام پر رب تعالیٰ کی رضا کی خوشخبری ان الفاظ میں دی گئی:

📖 لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا مومنین سے جب وہ اس درخت کے نیچے (اے محبوب) تمہاری بیعت کر رہے تھے۔

واضح رہے کہ اطاعت کبھی برضا و رغبت ہوتی ہے اور کبھی طوعاً و کرھاً جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

📖 وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا (آل عمران:۸۳)

ترجمہ: اور اس کے حضور گردن رکھے ہوتے ہیں جو کوئی آسمان اور زمین میں ہیں خوشی سے یا بامر مجبوری۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

📖 وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (الرعد:۱۵)

ترجمہ: اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے خواہ مجبوری سے اور انکی پرچھائیاں (بھی) ہر صبح وشام۔

لیکن اللہ کی رضا اور محبوبیت فقط اُنہی کو نصیب ہوتی ہے جو طوعاً و کرھاً نہیں بلکہ بہ دل و جاں حضور ﷺ کی محبت میں سرشار ہو کر آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع اختیار کرتے ہیں اور یہ مقام صحابہؓ کو حاصل تھا اور اُنہوں نے اس محبت کا حق ادا کر کے دکھایا۔ یاد رہے کہ رحمتِ عالم سے محبت ایمان ہے جبکہ آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کا تعلق عمل سے ہے' ایمان مقدم ہے عمل پر اور ایمان پر ہی عمل کا مدار ہے۔ نصابِ ایمان میں محبتِ رسول ﷺ کی اسی بنیادی حیثیت اور اساسی نوعیت کی بنا پر ہی دیگر ضروریات دین کے مقابلے میں اس پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

۲۲- حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو صاحبِ اسوۂ حسنہ بنایا/ اس حوالے سے:

حق تعالیٰ نے والیٔ انس و جاں حضور ختمی مرتبت کو صاحبِ اسوۂ حسنہ بنایا' ارشاد ہوا:

📖 **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ** (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں خوبصورت نمونہ عمل ہے

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

📖 **وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ٥** (القلم:۴)

ترجمہ: بے شک آپ خلق عظیم کے حامل ہیں۔

خود حضور ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا۔

📖 **بعثتُ لا تمم مکارم الاخلاق و محاسن الاعمال.**

ترجمہ: میں اعلیٰ ترین اخلاق اور حسین تر اعمال کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

دینوی و اُخروی کامیابی اور نجات کے لئے حضور ﷺ کی اتباع واقتداء اور آپ ﷺ کے

افعال و احوال اور اخلاق کو اپنانا لازم ولابدی ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اتباع واقتداء کا حکم دیا اور اقتداء بغیر محبت کے ممکن نہیں وجوبِ اقتداء وجودِ محبت کو مقتضی ہے بقول ڈاکٹر ابراہیم ملا خاطر انسان محبوب ہی کی اقتداء کرتا ہے۔ محبوب ہی کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ خصوصاً احوال واخلاق میں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس بے مثل رہنما ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و اسوۂ حسنہ میں اہلِ ایمان کے لئے حسنِ کردار کے نامختتم اور رنگا رنگ جواہر موجود ہیں۔

بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ جو ہستی حسنِ الٰہی کی مظہر اتم ہو جس کا دین حسین جس کا اسوہ حسین اور سیرت مرقعِ حسن و جمال ہو جسکی ہر ہر تعلیم اور شریعت کا ہر ہر پہلو حسین ہو اس پیکرِ حسن و جمال کے ساتھ والہانہ محبت اصلِ ایمان قرار نہ پائے تو پھر ایمان نام اور کس چیز کا ہوگا۔

۲۳- رب تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہونے سے مقصود پر استدلال:

ربِ محمد نے اپنے محبوب ﷺ کو اہلِ ایمان پر ایک عظیم احسان قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

📖 لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنین پر احسانِ (عظیم) کیا کہ ان میں سے ہی ان میں اپنا رسول بھیجا۔

جہانِ رنگ و بو میں ہر سو رب العالمین کی نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں جن کا احصاء و شمار ممکن نہیں، جیسے فرمایا گیا وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا، بلکہ یہ سب کچھ پیدا ہی ابنِ آدم کے لئے کیا گیا ہے، جیسے فرمایا گیا:

📖 وَ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے ہی پیدا کیا گیا۔

گرچہ کائنات عالم کی سب اشیاء ابن آدم ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں لیکن کسی نعمت کی عطا پر رب تعالیٰ نے احسان نہیں جتلایا۔ احسان جتلایا ہے تو جانِ عالم ﷺ جیسی نعمت کی عطا پر' ذاتِ مصطفوی ﷺ جیسے انعام کی عطا پر۔ تو جو ہستی کائناتِ انسانیت پر رب کا سب سے بڑا انعام اور اہلِ ایمان کے لئے رب العزت کا سب سے بڑا احسان ہو۔ اس ہستیٔ ذیشان کی محبت اہلِ ایمان کی ساری وفاداریوں' جملہ جاں نثاریوں' چاہتوں اور عقیدتوں کا مرکز ومحور نہیں ہوگی تو پھر کونسی چیز اس مقام کی اہل ہوگی۔ بنابریں نصابِ ایمان میں سب سے بڑھ کر زور حُبِّ رسول ﷺ پر دیا گیا۔

۲۴- رسول اللہ کی خیرخواہی شرطِ ایمان ہے/ اس حوالے سے مقصود پر استدلال:

سورہ توبہ کی آیت نمبر۹۱ میں رب العزت نے اُمت کے لئے آپ ﷺ کی خیرخواہی لازم فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا:

📖 اِذَا نَصَحُوا لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ. (التوبہ:۹۱)

ترجمہ: جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں۔

خیرخواہی کا کوئی تصور بغیر محبت کے ممکن ہی نہیں۔ محبت خیرخواہی کی اساس ہے۔ جب خیرخواہی واجب ہے تو آپ کی محبت بدرجہ اولیٰ واجب ٹھہری۔

۲۵- میثاقِ انبیاء سے حب رسول ﷺ کی اہمیت پر استدلال:

سورۃ آلِ عمران میں ربِ محمد ﷺ نے ایک میثاق کا ذکر کیا ہے جو عالمِ ارواح میں اس نے جب جملہ انبیاء علیہم السلام سے لیا تھا' ارشاد ہوتا ہے:

📖 و اذ اخذ اللّٰہُ میثاق النبیّین .... (آل عمران:۸۱)

ترجمہ: اور اے محبوب (وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا' کہ.....................۔

عالمِ ارواح میں جملہ انبیاء کرام سے سیّد الانبیاء ﷺ پر ایمان لانے اور پھر آپ ﷺ کی مدد و نصرت کا پیمان لیا جانا کیا اس امر پر دلالت کیلئے کافی نہیں کہ اس ہستی پر ایمان اس سے کمالِ محبت اور اس کے مشن کی مدد و نصرت ہی عین ایمان ہے اور ایمان بالرسالت کا اوّلیں تقاضا یہ ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کی جائے۔ نصابِ ایمان میں حبِ رسول ﷺ کی اسی اساسی اور بنیادی حیثیت کے پیشِ نظر اس پر سب سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ ربِ محمد ﷺ نے صرف ارواحِ انبیاء ہی سے اِس نوعیت کا عہد نہیں لیا تھا بلکہ انبیائے سابق کی اُمتوں یعنی اہلِ کتاب وغیرہ سے بھی ربِ العزت نے اپنے محبوب ﷺ پر ایمان آپ ﷺ کی مدد و نصرت بلکہ آپ ﷺ کے ذکر کے چرچے کرنے کا بھی پیمان لیا تھا۔ قرآنِ مجید کے متعدد مقامات اِس اَمر پر شاہد ہیں۔

فصلِ چہارم .... عالم جذب و مستی کے لطائف اور حبِّ رسول ﷺ کی قلبی و جذباتی بنیادیں:

حُسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہلِ دل کیلئے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

محبت کا موضوع حُسن ہے اور حُسن کا خراج محبت۔ حُسن جہاں ہوگا جس رنگ میں ہوگا آنکھ کو دعوتِ نظارہ دے گا اور ذوقِ دید کو انگیخت دے کر محبت کی صورت میں اپنے جلوؤں کا خراج وصول کرے گا اسکی ہر ہر ادا اہلِ نظر کو اپنی طرف متوجہ اور اہلِ دل کو اپنی جانب کھینچے گی۔ اس کا ہر ہر انداز دنیائے قلب میں ارتعاش اور جہانِ روح میں ہلچل مچائے گا۔ اس کا ہر ہر جلوہ بحرِ جذبات میں تلاطم اور عالمِ ذوق میں طوفان اُٹھائے گا یہ ممکن ہی نہیں کہ حُسن کسی جگہ موجود تو ہو لیکن اس کے دائرۂ کشش میں چاہتوں کے طوفان نہ اُٹھیں۔ محبتوں کے مدوجذر اور ذوق و مستی کے تلاطم بپا نہ ہوں۔

حُسن و محبت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حُسن محبت کا خراج حاصل کرنے کیلئے پیدا ہوا ہے اور محبت حُسن پر فدا ہونے کیلئے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ حُسن و محبت عالمِ جذب و مستی کے وہ تابندہ نقوش ہیں جن سے اس عالم کی ساری رنگینیاں اور سحر آفرینیاں وابستہ ہیں ساری لطافتیں ساری نزہتیں اور نزاکتیں متعلق ہیں۔ غرضیکہ حُسن جہاں ہوگا وہاں محبت ہوگی اور جہاں محبت ہوگی وہاں حُسن کو کسی نہ کسی صورت میں موجود ہونا ہوگا۔

اب اگر حق تعالیٰ کسی ہستی کو خود اپنی اور جملہ موجوداتِ عالم کی محبتوں کا مرکز اور چاہتوں کا محور بناتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ وہ ہستی حُسن و جمال کا ایسا پیکر اور ایسا لاثانی و لازوال مظہر ہوگی جو اپنی دلکشی و دلربائی اور اپنے ظاہری و باطنی محاسن کے اعتبار سے نہ صرف مخلوق بلکہ خالق کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان بن سکے۔ جسکے حُسن کے جلوے مخلوق ہی کی آنکھوں کیلئے ٹھنڈک کا سامان نہ بنیں بلکہ وہ خالق کی بھی منظورِ نظر ٹھہرے۔ جسکے حُسن و جمال کے چرچوں میں صرف مخلوق ہی رطب اللساں نہ رہے بلکہ خالق بھی جسکی مدح سرائی میں لطف ولذت محسوس کرے۔

دوستو! خالقِ کائنات نے جس ہستی کے سرِ ناز پر اپنی محبوبیت ﷺ کا تاج رکھا ہے اس کی شخصیت کو حُسن و جمال کے اُس سانچے میں ڈھالا ہے جس سے آگے حُسن کا کوئی درجہ متصور نہیں، جس سے وراء خوبی و کمال کا کوئی مقام اور محبوبیت و دلربائی کی کوئی منزل نہیں۔ اُن نے اپنے محبوب ﷺ کو یکتا و یگانہ پیدا کیا ہے۔ بے مثل و بے مثال اور لاثانی بنایا ہے اُسے ہر ہر ظاہری حُسن سے مالا مال اور ہر باطنی جمال سے آراستہ کیا ہے اس نے اپنے محبوب کو حُسنِ صورت کے اعتبار سے بھی یکتا و بے مثال بنایا ہے اور حُسنِ سیرت کے اعتبار سے بھی لاثانی و لازول۔ نیز جملہ محاسن اور حُسن کے ہمہ رنگ جلوؤں سے اپنے محبوب ﷺ کی ذات کو اس طرح مالا مال کیا ہے کہ ہر ہر جلوۂ حُسن اُس سے والہانہ محبت کا متقاضی اور ہر ہر رنگِ جمال اس پر جان فدا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

فصل ہذا میں ہم حُسن و جمال مصطفوی ﷺ کے انہی ہمہ رنگ جلوؤں میں سے چند ایک کا تذکرہ

کر کے اہلِ محبت کے قلب و جگر کی ٹھنڈک کا سامان کر رہے ہیں جن سے حق تعالیٰ نے اپنے محبوب و مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت مطہرہ کو آراستہ کیا ہے ورنہ حق تو یہ ہے کہ کسی انسان کیلئے شاہکارِ ربوبیت ﷺ کے محاسن اور جلوہ ہائے حسن و جمال کا احاطہ ممکن ہی نہیں جیسا کہ اکابرین امت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں:

بالجملہ فاوصافہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسنۃ ولا تحصیٰ ولا تحصر.

(کشف الغمہ : ۲:۵۱)

ترجمہ: مختصر یہ کہ محبوب خدا ﷺ کے محاسن یا اوصاف حسنہ حد و شمار سے ماوراء ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

حارث العقول فی تغدیر فضلہ علیہ و خرست الانس دون و صف یحبط بذالک (الشفا: ۱:۱۳۵)

ترجمہ: حضور ﷺ پر حق تعالیٰ کے جو انعامات ہیں ان کا اندازہ کرنے سے عقلیں عاجز اور زبانیں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

شاہکارِ ربوبیت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کا ہر ہر پہلو اور آپ ﷺ کی شخصیت مطہرہ کا ہر ہر گوشہ ہی حُسن کا ایک بے مثل مرقع اور جمال و دلربائی کا بے مثال و لازوال مظہر نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات عالمِ خلق و عالمِ امر کے ہر ہر حُسن کا منبع و مصدر اور ہر ہر جمال کا مرجع و سرچشمہ بھی ہے۔ کائناتِ خلق و امر میں جہاں جہاں بھی حُسن کا کوئی جلوہ یا جمال کا کوئی مرقع موجود ہے وہ درحقیقت حُسن و جمالِ محمدی ﷺ ہی کا پرتو یا محاسنِ مصطفوی ﷺ میں سے ہی کسی نہ کسی جلوۂ حُسن کا آئینہ دار ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے حُسن کا مظہر و آئینہ دار بنا کر اس کا دامن دولتِ حُسن سے اس طرح مالا مال کیا ہے کہ ہر وہ شے اور ہر وہ مادی یا معنوی حقیقت بھی جو

حضور ﷺ کے ساتھ منسوب یا متعلق ہوگئی ہے حُسن و جمال کا ایک بے نظیر مرقع اور حُسن کا ایک مسلمہ معیار قرار پائی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جیسے آپ ﷺ کی صورت و سیرت حسین ہے ویسے ہی آپ ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کی شریعت بھی حسین ہے۔ جہاں آپ ﷺ کا عطا کردہ فکر حسین ہے وہیں آپ ﷺ کا پیش کردہ نظام بھی حسین ہے جہاں آپ ﷺ کی دعوت سراپا حُسن ہے وہاں آپ ﷺ کا اندازِ تبلیغ بھی دلکش و رعنائی کا شاہکار ہے۔ جہاں آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت حُسن تبشیر و حُسن تنذیر کا مرقع ہے وہیں آپ ﷺ کا اندازِ خطابت بھی حُسنِ حکمت و جمال موعظت کا آئینہ دار ہے۔ جہاں آپ ﷺ کی تعلیمات سراپا حُسن ہیں وہیں آپ ﷺ کی تعلیمات کا منبع و سرچشمہ یعنی قرآن بھی سراسر حُسن ہے۔ جہاں آپ ﷺ کی عبادات اور آپ ﷺ کا دیا ہوا نظامِ عبادت گونا گوں جلوہ ہائے حُسن سے مالا مال ہے وہیں آپ ﷺ کی معاشرت اور آپ ﷺ کا دیا ہوا نظامِ معاشرت بھی ہمہ نوع مظاہر حُسن سے خوشحال ہے۔ جہاں آپ ﷺ کی جلوتیں سراپا کشش ہیں وہیں آپ ﷺ کی خلوتیں بھی سراپا تقدس ہیں۔ جہاں آپ ﷺ کی شخصی زندگی محاسنِ اخلاق کے مقامِ رفیع پر فائز ہے وہیں آپ ﷺ کی سماجی زندگی بھی اخلاقِ کریمانہ کا ایک انمول مرقع ہے۔ جہاں آپ ﷺ کی انفرادی زندگی حُسنِ نظم کی آئینہ دار ہے وہیں آپ ﷺ کی عائلی و ازدواجی زندگی بھی حُسنِ عدل و مساوات کا شاہکار ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا ایک ایک پہلو اور ایک ایک گوشہ سراسر حُسن ہے سراپا جمال ہے۔ آیئے اب اس حُسنِ اجمال کو جمالِ تفصیل کے آئینے میں جھانک کر شاہکارِ ربوبیت کے جمالِ جہاں آراء کے جلوؤں سے لوحِ قلب کو منور، فکر و نظر کو کیف آشنا اور مشامِ جاں کو معطر کریں۔

شاہکارِ ربوبیت کے ظاہری محاسن اور ظاہری حُسن و جمال:

بلاشک وشبہ وجودِ مصطفوی ﷺ کائنات میں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا شاہکار اتم ہے۔ حق

تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے داعیۂ محبت کی تسکین کیلئے پیدا کیا اور جمالِ مصطفوی ﷺ کو اپنے جمال کا مظہر و آئینہ دار بنایا اور ایسا کیوں نہ کرتا کہ وہ جمیل ہے اور جمال سے محبت اسکا شعار ہے۔

📖 **اللّٰہ جمیلٌ و یُحبّ الجمال.**

ترجمہ: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ جا بجا قرآن میں اپنے محبوب کے حُسن و جمال کے تذکرے کرتا ہے۔ کہیں ''والضحیٰ'' کہہ کر اسکے چہرۂ انور کی جلوہ سامانیوں کا ذکر کرتا ہے تو کہیں ''واللیل'' کے الفاظ میں اُسکے گیسوئے اطہر کو موضوع بناتا ہے۔ کہیں ''مازاغ البصر وما طغیٰ'' کے پیرائے میں اپنے محبوب کی پیاری پیاری آنکھوں کا تذکرہ کرتا ہے تو کہیں ''ید اللّٰہ فوق ایدیھم'' کے الفاظ میں، اپنے پیارے کے دستِ ذی شان کے شرف و کرامت کے چرچے کرتا ہے۔

تاریخِ انسانی کے وہ مقدس و عظیم نفوس، جنہیں دنیا اصحابِ رسول ﷺ کے لقب سے جانتی ہے اس اعتبار سے بڑے خوش بخت و خوش نصیب افراد تھے کہ انہیں محبوبِ خدا ﷺ کا زمانہ نصیب ہوا اور شب و روز جمالِ مصطفوی ﷺ کے جلووں سے اپنے قلب و نظر کو منور کرنے کا موقع ملا۔ یہ پاک طینت خوش بخت نفوس بھی اپنے رب کی سنت کی پاسداری میں اسکے محبوب ﷺ کے حُسن و جمال کے بیان میں رطب اللساں رہتے اور آپ ﷺ کے ظاہری حُسن و جمال کو موضوعِ سخن بناتے تھے۔ جس کا مختصراً تذکرہ ہم صحابہؓ اور مظاہر حُبِ رسول ﷺ کے عنوان سے الگ باب میں کریں گے۔

فصلِ پنجم .... جہانِ فکر و دانش کے نظری محاسن اور حبِ رسول ﷺ کی فکری و نظریاتی بنیادیں:

فصل ہذا میں ہم مظہرِ حسنِ الوہیت، تاجدارِ عالمِ خوباں اور حاملِ اسوۂ حسنہ و شاہکارِ ربوبیت

سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے دین، آپ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے محاسن کا تذکرہ کر کے اپنے مقصود یعنی "حبِ رسول پر اصرار کیوں" پر استدلال کریں گے۔

شاہکارِ ربوبیت کے پیش کردہ دین کے چند محاسن:

سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کا پیش کردہ دین یعنی اسلام سراسر خیر ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا حُسن بھی ہے۔ اہلِ علم نے اسلام کے فکری و عملی محاسن پر اپنے اپنے ذوق کے مطابق شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اسلام کے جملہ محاسن کا احاطہ تو فکرِ انسانی کے بس کی بات نہیں ہم مقصود پر استدلال کی غرض سے چند محاسن کے مختصر تذکرے پر اکتفا کریں گے۔ اس سلسلے میں تفصیلی تذکرہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی شہرۂ آفاق تصنیف رحمتہ العالمین میں بھی موجود ہے۔

۱- اسلام دینِ فطرت ہے:

اسلام دینِ فطرت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی جڑیں خود انسان کی اپنی فطرت میں موجود ہیں جس طرح کوئی انسان اپنی نفی نہیں کرسکتا اس طرح کوئی شخص اسلام کی نفی بھی نہیں کرسکتا۔ نیز فطرت میں جس طرح سادگی اور بے تکلفی کا عنصر کارفرما ہے اسلام کی تعلیمات بھی اُسی سادگی اور بے تکلفی کی آئینہ دار ہیں۔ اسلام ہر انسان کے دَرِ دل پر دستک دینے والی ایک اندرونی آواز ہے اور اگر کوئی نفسیاتی رکاوٹ یا مادی لالچ حائل نہ ہو تو انسان اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۲- اسلام دینِ کامل ہے:

اسلام ایک کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ انسان کی شخصی و انفرادی زندگی سے لیکر معاشرتی وسماجی اور بین الاقوامی زندگی تک کے ہر ہر شعبے کیلئے مکمل اور قابلِ عمل رہنمائی مہیا کرتا ہے۔

انسان کی جسمانی و روحانی، فکری و عملی اور نفسی و نفسیاتی ہر طرح کی ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ ہر ہر سطح پر ہر ہر طرح کے موانعات کا تدارک بھی کرتا ہے۔ اسلام دنیا و آخرت کے سارے مسائل کا حل اور دنیوی و اُخروی زندگی میں انسان کی فلاح و نجات اور کامیابی و کامرانی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

۳- اسلام تیسیر و سہولت کا دین ہے:

اسلام سے قبل انسانیت طرح طرح کے ناروا بوجھوں تلے دبی سسکیاں لے رہی تھی۔ توہم پرستانہ عقائد اور بے جا مذہبی رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑی کراہ رہی تھی۔ مذہب کے نام پر ناروا بندشوں اور انسانیت سوز روایات نے شرفِ انسانیت کا گلا دبا رکھا تھا اسلام نے ناروا بندشوں کو توڑا اور توہم پرستانہ عقائد اور انسانیت سوز رسوم و رواج کی زنجیروں کو اُتار پھینکا۔ انسان کیلئے سہولتیں اور آسانیاں متعارف کرائیں حتیٰ کہ سابقہ آسمانی شریعتوں میں بھی جو بعض سختیاں کارفرما تھیں اُن کو موقوف کر کے آسانیاں اور سہولتیں پیدا کیں اور یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العُسر کے الفاظ میں قرآنی ضابطہ تیسیر و سہولت کا اجراء عمل میں لاتے ہوئے ہر طرح کی تنگی، سختی اور بے جا تکلیف کا دروازہ ابدالاباد تک کیلئے بند کر دیا گیا۔

۴- اسلام دینِ تدریج ہے:

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور فطرت میں ارتقاء و ترقی تدریجاً کارفرما ہے لہٰذا اسلام بھی اپنے نفاذ و تنفیذ میں تدریج کا داعی ہے۔ قرآن بھی یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ اسکا نزول بتدریج ہوا اور ۲۳ سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ قرآن کے بتدریج نزول اور اسلام کے بتدریج نفاذ کا سبب کیا تھا اسکا جواب ہمیں بخاری کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کی زبانی ان الفاظ میں ملتا ہے:

📖 انما نزل اول مانزل سورة من المفصل فیها ذکر الجنة والنار حتٰی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول مانزل لا تشربوا الخمر لقالوا لاندع الخمر ابداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً.

(بخاری' باب تالیف القرآن)

ترجمہ: قرآن میں پہلے مکی سورتیں اُتریں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوگئے تب حلال اور حرام کے احکام اُترے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اُترتا کہ شراب نہ پیو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اُترتا کہ زنا نہ کرو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔

آج بھی نفاذ اسلام کے پُرجوش داعیوں کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اسلام کا تدریجاً نفاذ ہی معاشرے میں مطلوبہ نتائج پیدا کرسکتا ہے اور اگر اسلام کے نفاذ میں اس فطری اصول کو مدنظر نہ رکھا گیا تو اُلٹا اسلام کے خلاف بیزاری پیدا ہونیکا احتمال ہے۔ اسلام کے نفاذ سے پہلے اسکے حق میں دینی ونفسیاتی فضا تیار کی جانی چاہیے اور جب معاشرے کی قابلِ لحاظ تعداد دینی طور پر نفاذِ اسلام کیلئے تیار ہوجائے تو پھر تدریجی طور پر اسلامی قوانین کا اجراء عمل میں لایا جائے۔ نیز پہلے اسلام کا اقتصادی و فلاحی نظام رائج کیا جائے اور بعد میں تعزیراتی واحتسابی ضابطے نافذ کئے جائیں۔

۵- اسلام دینِ توحید ہے:

اسلام توحید کا علمبردار دین ہے اور اسلام کے پیش کردہ نظریۂ توحید کی صداقت وحقانیت کا نقش فکرِ انسانی پر کچھ اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ بقول سیّد سلیمان سلمان منصور پوری اب تو بت پرست بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کو خدائے واحد و یکتا تک رسائی کیلئے واسطہ قرار دینے پر مجبور ہوگئے ہیں نیز اہلِ تثلیث بھی تثلیث میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ بحمداللہ اسلام ہی وہ واحد دین

ہے جس نے عقیدۂ توحید کو اسکے تمام تر محاسن کے ساتھ پیش کیا اور اس طرح نکھار کر پیش کیا کہ جس پر دور دور تک کہیں بھی تشکیک والتباس کی گرد کا گزر نہیں۔ یہ اسلام ہی کا پیش کردہ نظریۂ توحید ہے جسکی تائید علم وعقل اور فکر ومنطق سے ہر ہر منزل اور ہر ہر گام پر ہو رہی ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے تصورِ توحید کو مکمل طور پر واضح کیا ہے اور توحید فی العبادت، توحید فی الاستعانت، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی العظمت اور توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات کے تحت توحید کے رموز کو کھول کر اسکے اسرار کو واضح اور انسانی فکر کو توحید کے انوار سے منور کیا ہے۔

۶۔ اسلام دینِ خالص ہے:

یہ بھی اسلام ہی کا شرف وامتیاز ہے کہ اپنی تعلیمات کے اعتبار سے چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی ہر طرح کی ملاوٹ، حذف واضافہ اور کمی وبیشی سے مبرا اپنی خالص حالت میں موجود ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی آسمانی مذہب آج اپنی اصل حالت میں موجود نہیں، نہ کوئی دیگر آسمانی کتاب من وعن محفوظ ہے۔ یہ اعزاز صرف اسلام اور سرچشمۂ اسلام یعنی قرآن کو حاصل ہے کہ دونوں اپنی اصل حالت میں مامون ومحفوظ ہیں اور قیامت تک اپنے اسی اعزاز اور شرف وامتیاز کے ساتھ قلوبِ سلیم کے حامل افراد کے ذہن وضمیر کو دعوتِ الیٰ الحق دیتے رہیں گے۔

۷۔ اسلام وحدتِ نسلِ انسانی کا علمبردار دین ہے:

اسلام وحدتِ نسلِ انسانی کا علمبردار دین ہے۔ اسلام میں گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ یہاں فضیلت کا معیار صرف ایمان اور تقویٰ ہے اسلام کی تعلیمات کی رُو سے نہ کوئی ادنیٰ ہے اور نہ کوئی اعلیٰ۔ سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں البتہ درجاتِ ایمان تقویٰ کی بنیاد پر موقوف ہیں۔ یہاں شودر وبرہمن جیسی کوئی تقسیم نہیں نہ ہی ذات پات کا کوئی تصور ہے۔ اسلام کان الناس اُمۃً واحدہ کے تصور کا علمبردار ہے اور نسلی ولسانی یا جغرافیائی یا رنگ ونسب کی بنیاد پر ابنِ آدم

کو تقسیم نہیں کرتا بلکہ وحدت نسل انسانی کے تصور کا علمبر دار ہے اور وحدت نسل انسانی کے تصور کو فروغ دیتا ہے۔

۸- اسلام شرف وتکریمِ انسانیت کا داعی دین ہے:

جہاں اسلام وحدت نسلِ انسانی کا داعی دین ہے وہیں ابنِ آدم کی تکریم کا دین ہے۔ ''ولقد کرمنا بنی آدم'' کا علمبردار یہ دین ہر ایک کے لئے بحثیتِ انسان عزت وتکریم کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام ہر ایک کو عزت دینے والا دین ہے یہ کسی کی توہین نہیں کرتا۔ غلط عقائد ونظریات اور جاہلانہ وسوقیانہ اعمال کی تردید تو ضرور کرتا ہے کفر وشرک کی نفی تو ضرور کرتا ہے لیکن مشرکین وکفار کی توہین اس کا شیوہ نہیں۔ پورے قرآن اور ذخیرۂ احادیث میں کوئی ایک بھی ایسا جملہ نہیں جو کسی کی توہین پر مشتمل ہو۔

۹- اسلام انسانی مساوات کا علمبر دار دین ہے:

اسلام مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے۔ اسلام میں شاہ وگدا' امیر وغریب' ادنیٰ و اعلیٰ' گورے کالے اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں۔ اسلام ہمیں یہ منظر دکھاتا ہے کہ خلیفۂ وقت اور اسکا غلام نوبت بہ نوبت اونٹ پر سوار ہوکر شام روانہ ہوتے ہیں اور جب منزلِ مقصود پر پہنچتے ہیں تو اپنے پرائے اور مختلف اقوام کے لوگ جو خلیفۂ وقت کا کرّوفر اور تزک واحتشام دیکھنے کیلئے موقع پر جمع تھے یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ غلام اونٹ پر سوار ہے اور خلیفۂ وقت امیر المؤمنین اُسکی مہار تھامے آگے آگے چلا آرہا ہے۔ یہ سبق امیر المؤمنین کو کس نے دیا تھا اُسی ہستی نے جو معلمِ اخلاق بن کر مبعوث ہوئی تھی اور جس نے اپنے ایک سفر کے دوران اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اسی طرح اور اسی انداز سے سفر کیا تھا ایک اونٹ تھا۔ تین سوار تھے۔ ایک اللہ کے رسول ﷺ' دوسرے علیؓ اور تیسرے ابوالدرداء۔ طے یہی ہوا تھا کہ ایک وقت میں دو سوار ہونگے اور تیسرا پیدل چلے گا۔ اللہ کے

رسول ﷺ نے اپنے عمل سے چشمِ فلک کو یہ نظارہ دکھایا کہ علیؓ اور ابوالدرداءؓ سوار ہیں اور وہ خود پیدل چل رہے ہیں۔ اگر خود معلمِ اخلاق کی اپنی یہ تعلیم نہ ہوتی اپنا یہ عمل نہ ہوتا تو فاروق اعظمؓ اور انکے غلام والی داستان اوراقِ تاریخ کی زینت نہ بنتی۔ انصار جو اپنی بیٹی کسی کے نکاح میں دینے میں بڑے سخت تھے۔ قریشی سردار حضرت ہاشم بن عبد مناف نے جن کی جلالتِ قدر کا پورے عرب کو اعتراف تھا جب یثرب کی ایک بیٹی لیلیٰ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو ان کی درخواست اس شرط پر قبول کی گئی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی۔ بقول سیّد محمد سلیمان سلمان منصور پوری بعد از اسلام اس تکبر والے قبیلے کا یہ حال تھا کہ ایک روز بلالؓ نے مسجد میں اعلان کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، حبشی بھی ہوں، بے زرومال بھی ہوں اور اس کم مائیگی کے باوجود نکاح کا خواستگار ہوں کیا کوئی شخص اپنی بیٹی میرے دامن کے ساتھ وابستہ کرنے کیلئے تیار ہے تو اُن کے اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں کی طرف سے پیشکش ہوئی کہ بلال اُنکے ساتھ اپنا تعلقِ فرزندی منظور فرمائیں۔ اللہ اللہ انسانی مساوات کا اس سے بڑھ کر منظر کوئی اور مذہب کوئی اور ملت پیش کر سکتی ہے؟

۱۰- اسلام دینِ اخوت ہے :

اسلام اخوت اور بھائی چارے کا دین ہے۔ پیغمبر اسلام کے فیضانِ محبت و تربیت سے شجرِ اسلام کے زیرِ سایہ جو اخوت قائم ہوئی وہ اتنی ارفع اور بے مثال تھی کہ جسکی نظیر چشمِ فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔ مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔ بقول سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری مکی مواخات میں نصرت علی الحق، اور مواسات مطلوب تھی جبکہ مواخاتِ مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب یعنی انصار و مہاجرین کے مابین توسیعِ محبت اور استحکام اُنس و مؤدّت کا جذبہ کارفرما تھا۔ مواخاتِ مدینہ کے نفاذ کے بعد رحماء بینھم کے ایسے ایسے مظاہر چشمِ فلک نے دیکھے جنکی مثال تاریخِ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ اسی مواخات اور باہمی ہمدردی و غمگساری کے جذباتِ

رفع کی کارفرمائی تھی کہ عین میدانِ جنگ میں جاں بہ لب مجاہد اپنے آپ پر اپنے دوسرے بھائی کو ترجیح دیتا ہے اور پانی کا پیالہ اسکی طرف بڑھائے جانے کا اشارہ کر کے خود جامِ شہادت نوش کرلیتا ہے۔ میدانِ جنگ، زخموں سے چور، آخری سانسیں، اپنے نفس اور اپنی جان کے مقابلے میں دوسرے مسلمان بھائی کی خیرخواہی، اسکی جان بچانے کی خواہش یہ تقدس، یہ احترام اور یہ خیرخواہی اسلام کے علاوہ بھلا اور کہیں نظر آتی ہے؟

۱۱- اسلام عدل واحسان کا دین ہے:

اسلام اپنے ماننے والوں کو بہرصورت عدل واحسان پر مبنی طرزِ عمل اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ زندگی کے جملہ معاملات میں عدل کی پاسداری اور احسان کی ترغیب اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اسلام مومنین کا عدل کے مقام سے کسی صورت بھی نیچے گرنا گوارا نہیں کرتا۔ نفاذِ عدل میں کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتا اور اپنے پرائے، چھوٹے بڑے، امیر غریب کے تصورات سے بالاتر ہو کر تقاضاہائے عدل پورے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

📖 اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا.

ترجمہ: کوئی امیر ہو یا غریب اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُسی کی پاسداری کی جائے۔

حتیٰ کہ اسلام کو دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں بھی دامن عدل کا ہاتھ سے چھوٹ جانا گوارا نہیں، ارشاد ہوتا ہے:

📖 وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۙ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ۚ

ترجمہ: کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ عدل نہ کرو۔ عدل ہی کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

اسلام کے نزدیک عدل کی پاسداری حق پرستی کا کم سے کم معیار ہے۔ جبکہ احسان اسکے

نزدیک ایک آئیڈیل شعار ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اپنے طرزِ عمل کے اعتبار سے احسان کے مقام رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ عدل اسلامی معاشرے کو ظلم سے محفوظ رکھتا ہے' تو احسان اُسے اخوت و مروّت کا گہوارا بناتا ہے۔ عدل افراد معاشرہ کو استحصال سے مامون رکھتا ہے تو احسان معاشرے کو استحکام کی دولت عطا کرتا ہے۔

۱۲- اسلام آفاقی و عالمگیر دین ہے:

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو محدود مفادات اور چھوٹی چھوٹی وفاداریوں کے چنگل سے نجات دلا کر انکے زاویۂ نظر کو آفاقی وسعتیں عطا کرتا ہے۔ عرب ہزاروں سال سے کرۂ ارضی پر آباد تھے لیکن تاریخ میں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انکے نام نہ لکھا جاسکا۔ ایں ہمہ اسلام کے زیرِ اثر جب ان کے اندر فکری انقلاب آیا تو وہ ایک عالمگیر تہذیب کے مؤسس ٹھہرے۔ علم وفضل کے نقیب اور جدید سائنس کے بانی قرار پائے۔ انہی کے اندر ابن سینا' ابن رشد' جابر بن حیان الرازی اور الادریسی جیسے سائنس دان اطباء اور جغرافیہ دان پیدا ہوئے۔

۱۳- اسلام علم اور علمی ترقی کا پیامبر دین ہے:

اسلام علم کو انسانی شرف وفضیلت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ تحصیلِ علم کو اپنے ماننے والوں پر فرض قرار دیتا اور ہمہ جہت علمی ترقی کو بنظرِ تحسین دیکھتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کتا جو نجس العین جانور ہے تعلیم و تربیت کے بعد شکار کرنے میں جارحہ انسانی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور اسکا شکار خود انسان کے شکار کا حکم رکھتا ہے۔ غیر مسلم کا ذبیحہ حرام ہے لیکن تربیت یافتہ شکاری کتے کا کیا ہوا شکار حلال' شکاری کتے کو غیر مسلم پر یہ فضیلت کس نے بخشی فقط علم نے۔ علم ضروری حاصل کرنے کے بعد وہی کتا ایسے انسان سے افضل قرار پا گیا جو خدا فراموش

تھا۔ الختصر اسلام کے دَورِ عروج میں مختلف علوم وفنون میں ترقی اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ اسلام علمی ترقی کا پیامبر دین ہے۔

۱۴- اسلام محسن انسانیت دین ہے:

اسلام کی تاریخ درحقیقت انسانی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہے۔ اس دَور نے انسانیت کو دو چیزوں سے نجات دلائی ایک اصر اور دوسرے اغلال سے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغمبرانہ حُسن دراصل انہی دو ناروا بندھوں اور بوجھوں سے انسانیت کو آزاد کرانے سے عبارت تھا۔ ارشاد خداوندی ہوا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور وہ ان پر سے وہ (ناروا) بوجھ اور وہ قیدیں اُتارتا ہے جو ان پر مسلط تھیں۔

اصر سے مراد وہ توہمات ہیں جو زمانہ قدیم سے انسانی ذہن پر مسلط تھے اور اغلال سے مراد قدیم زمانہ کا وہ بادشاہی نظام ہے جس نے انسانی فکر کو سیاسی جبر و استبداد کے شکنجے میں کس رکھا تھا۔ اسلام نے فکرِ انسانی کو توہمات سے آزاد کیا اور وہ انسان جو مظاہرِ فطرت کی پرستش کا خوگر ہو چکا تھا اُسے بتایا کہ آسمان وزمین کی کائنات میں جو کچھ ہے سب کا سب مخلوق ہے نہ کہ معبود۔ وہ قابلِ تعظیم نہیں بلکہ قابلِ تسخیر ہے۔ یہ مظاہرِ کائنات پرستش کا موضوع نہیں بلکہ تحقیق کا موضوع ہیں۔ اسی طرح اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ توہم پرستانہ عقائد پر مبنی مطلق العنان بادشاہتیں۔ انسانیت اور شرف و تکریم انسانیت کی نفی کے تصور پر استوار ہیں۔ اسلام نے ان مطلق العنان بادشاہوں کو توڑ کر فکر انسانی کیلئے ہر قسم کی ترقیات کا دروازہ کھولا۔ اگر اسلام کے زیرِ سایہ شکست و ریخت کا یہ عمل نہ ہوتا تو آج بھی دنیا اپنی تاریک ادوار میں پڑی ہوتی جہاں اسلام سے پہلے تھی۔ اسلام کا انسانیت پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسان پر علمی و سائنسی ترقی کا دروازہ کھولا۔ انسان کو مطلق العنان بادشاہوں سے نجات دلا کر

جمہوری دَور میں داخل کیا۔ آج اگر مغرب کو اپنی سائنسی ترقی یا جمہوری طرزِ حکومت پر فخر ہے تو یہ دونوں نعمتیں اسے اسلام ہی کے توسل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسلام نے ہی سائنسی زوایہ نگاہ کی داغ بیل اور جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے عصرِ حاضر پر یہ دو ایسے گرانقدر احسانات ہیں کہ جن سے کوئی بھی انصاف پسند اور سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اسلام کے عصر حاضر میں یورپ اور دیگر مغربی ممالک پر احسانات میں سے یہ ایک احسان ہی کیا کم ہے کہ یورپ میں موجود مسلمانوں کی وجہ سے غیر مسلم بھی حلال گوشت اور حلال چکن کی برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ حلال وحرام کے تصور کی شرعی اہمیت سے لابلد رہتے ہوئے بھی اسلام کی برکتوں سے فیضیاب اور شرعی طریقے سے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت استعمال کر کے گونا گوں طبی فوائد سے متمتع ہو رہے ہیں۔ نیز مسلمانوں کی دیکھا دیکھی کتنے مغربی خاندان شراب سے اجتناب کر کے اسکے مفسدات سے محفوظ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۵- اسلام ایک غیر متعصب دین ہے:

اسلام ایک غیر متعصب دین ہے اور اپنے ماننے والوں کو رواداری برداشت اور کشادہ ظرفی کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے مذہبی تعصب کی جو مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں مثلاً ہم مذہبوں پر عطاو انعام کی بارش اور غیر مذہبوں پر عرصہ حیات کا تنگ کردینا۔ غیر مذہبوں کیلئے آزادی رائے پر پابندی اور ہر طرح کی شہری اور مذہبی آزادیوں پر ناجائز بندشیں اور پابندیاں عائد کردینا۔ دیگر مذاہب کے لوگوں سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک روا رکھنا وغیرہ۔ تو مذکورہ حوالوں سے اسلام کا دامن ہر طرح کی عصبت وتعصب اور تنگ نظری سے پاک ہے۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کا یہود کے ساتھ معاہدہ اسلامی رواداری اور عدم تعصب پر شاہدِ عادل ہے۔ وہ یہود جن کو نہ کبھی بابل کی بت پرست سلطنت نے درخور اعتناء

سمجھا نہ مصر کی حکومت کو کبھی ان پر ترس آیا اور نہ ہی یہوداہ کی نسل سے پیدا ہونے والے مسیح علیہ السلام کی امت نے کبھی ان سے حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا اسی طرح نصاریٰ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا معاہدہ بھی اسلامی رواداری اور عدم تعصب کا ایک زندہ شاہکار ہے نیز اموی، عباسی، اندلسی اور فاطمی ادوار میں دیگر اقوام کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ اسلامی سلطنت میں صدیوں تک آباد رہنا اسلامی بے تعصبی کی ایک روشن مثال ہے۔

۱۶- اسلام دیگر مذہبی معابد کا محافظ دین ہے:

اسلام نہ صرف اپنی حدود میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو پوری پوری آزادی دیتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کی حفاظت و حرمت کی ضمانت دیتا ہے دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو مساجد کے برابر مقام دیتے ہوئے انکی حفاظت اہلِ اسلام پر ضروری قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر جہاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی جہاد نہ تو اپنی تعلیم کی اشاعت کیلئے ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے مذاہب کیلئے موجب اکراہ بلکہ حق تعالیٰ نے اسلامی حروب کیلئے جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (حج:۴۰)

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ بعض انسانی طبقات کے ذریعے دیگر طبقات کو ہٹانہ دیتا تو صوامع اور بیع اور صلوٰت اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بکثرت کیا جاتا ہے ضرور گرادی جاتیں اور اللہ تو ضرور اسکی مدد کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

صوامع، بیع اور صلوٰت بالترتیب درویشانِ قوم زرتشت کے خلوت خانے یا ہندوؤں کے مندر،

عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کے نام ہیں۔ آیت بالا یہ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی آزادی اس لئے دی گئی ہے کہ وہ جملہ مذاہب کے پیروکاروں کیلیے آزاد ماحول فراہم کریں۔ بدامنی دُور کریں اور ایسے حالات کی ضمانت مہیا کریں جن میں مسجدوں سمیت دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ مختلف قوموں نے دیگر اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد کس طرح اُن کے معابد کو گرایا اور پامال کیا نیتجتاً حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو سربلند کیا اور اُنکے کندھوں پر معابدِ عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور اُنہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اس خدائی فرض کو نبھایا۔

۱۷- اسلام دینِ محبت ہے:

اسلام سراسر محبت اور خیرخواہی کا دین ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو خالق ومخلوق دونوں کے ساتھ تعلقِ محبت میں باندھنے والا ہے۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر خالق ومخلوق کی باہمی محبت کا ذکر ان لفظوں میں ہے:

📖 **یحبھم ویحبونہ**

ترجمہ: وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ اُن سے محبت کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک ایمان سراسر محبت کا نام ہے۔ قرآن میں ایک مقام پر حق تعالیٰ اور بندے کے تعلقِ محبت اور محبتوں کے باہمی سودے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

📖 **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**

ترجمہ: کہہ دیجئے! کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا۔

محبت کے علمبردار دین اسلام کی رو سے ایمان سراسر محبتِ رسول ﷺ سے عبارت ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین .
(البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی اولاد اپنے والدین اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔

مسلمانوں کی باہمی محبت کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تدخلوا الجنة حتیٰ تومنوا ولا تومنوا حتیٰ تحسابو. (روا مسلم وابوداؤد ترمذی)

ترجمہ: جب تک ایمان نہیں تب تک جنت میں داخلہ نہیں اور جب آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔

ایک اور روایت میں مومنین کے مابین باہمی محبت و مودّت کو تمثیلی انداز میں کس قدر خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتکی منه فدعیٰ لهٗ سآئر الجسد بالشهر و الحُمّٰی. (رواہ البخاری والمسلم)

ترجمہ: آپس کی محبت، آپس کے پیار اور آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جو چند اعضا سے مرکب ہوتا ہے پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہوجاتی ہے تو پورے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی وتپ و بے تابی میں اُسکا ساتھ دیتے ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو انسانیت سے محبت اور اسکے اکرام کی تعلیم دیتا ہے۔ اپنے ماحول، اپنے ملک، حتی کہ نباتات جمادات حیوانات اور دیگر ذی حیات وغیر ذی حیات مخلوقات کے ساتھ بھی رحم و محبت پھر مبنی سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں کسی کیلئے نفرت نہیں ہے بلکہ محبت کے ذریعے بڑے سے بڑے دشمن اور مخالف کو موم کرنیکی طاقت اور ہر سلیم الفطرت انسان کے قلب و ذہن میں اُترنے کی خصوصیت موجود ہے۔

۱۸- اسلام دینِ تمدن ہے :

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے مدنی الطبع ہے لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مختلف مذاہب نے تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا اور مدنیت کو روحانیت کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ شہزادہ گوتم اپنی جواں سال بیوی اور نوزائیدہ بچے کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا ہے اور جنگلوں میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتا ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس بیدار دل انسان نے فطرت انسانی کا پاس کیا۔ ہرگز نہیں جب ہم رشیوں' جوگیوں سنیاسیوں' بیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے جٹیں لٹکائے آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے۔ جب ہم سینکڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو پتھر کی ایک مورت کے ساتھ بیاہی دیکھتے ہیں تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ طرزِ عقیدت اپنے اندر ذرا بھی معقولیت کا عنصر لئے ہوئے ہے' ہرگز نہیں۔

اسلام تمام اوہام کو دور کرتا ہے۔ ظنون باطلہ کی نفی کرتا اور ناروا ستم اور جور و جفا کا ابطال کرتے ہوئے بھرپور معاشرتی و تمدنی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ مدنیت میں روحانیت کی راہیں کھولتا ہے۔ ایک صالح اور روحانی الذہن معاشرہ قائم کر کے روحانی و تمدنی زندگی میں ترقی کے ابواب وا کرتا ہے۔ مختلف طبقات کے باہمی حقوق و فرائض' تعاون و عدم تعاون کے احوال اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تفصیلی احکامات جاری کر کے ایک جنت نظیر معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے۔

۱۹- اسلام امنِ عالم کا دعویدار اور امن کا محافظ دین ہے :

اسلام امن کا دعویدار اور امن و آشتی کا محافظ دین ہے۔ اسلام کی ہر تعلیم سراسر امن و سلامتی ہے۔ اسلام کی فکری و نظریاتی عملی و اخلاقی' سیاسی و مدنی اور سماجی و اقتصادی تعلیمات سب کی سب امن پرور اور امن کو فروغ دیتی ہیں۔ اسلام فضائلِ اخلاق کی تعلیم دیتا یا رذائلِ اخلاق کی نفی اور ان کی بیخ کنی کرتا ہے تو ان سب کا مقصود بھی معاشرے میں امن کا فروغ اور اس کا استحکام ہی ہے۔ لفظ

اسلام کا مادہ س-ل-م (سلم) ہی اس کے امن پسند ہونے کی دلیل ہے۔ یہ سراسر امن و سلامتی کا پیامبر اور اس کا محافظ دین ہے۔ اسلام کے نزدیک ایک بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں محرکِ عمل مطالبۂ حقوق نہیں بلکہ ایتائے حقوق ہے۔ اسلام عفو و درگزر کا داعی ہے، حلم و بردباری برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسروں کے لئے بغض و حسد، بدظنی و کینہ پروری، ظلم و استحصال اور ان جیسے اَن گنت رذائل اخلاق جو کسی نہ کسی سطح پر غارت گرِ امن رویے ہیں ان سب کی بیخ کنی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن اور تعلیماتِ نبوی کا ایک ایک گوشہ امن کا داعی اور عالمی امن کا داعی و پیامبر ہے۔ عالمی امن اسلام ہی سے وابستہ ہے اور یہ اظہر من الشّمس حقیقت بہت جلد ابنِ آدم پر آشکار ہو جائے گی۔

۲۰- اسلام جامع حسنات اور مکمل نظامِ حیات دینے والا دین ہے:

اسلام فقط آفاقی و عالمگیر دین ہی نہیں بلکہ ایک جامع حسنات دین ہے۔ اسلام کا ہر عقیدہ، ہر عبادت، ہر تعلیم اور مختلف تعلیمات کا ہر ہر گوشہ فطرتِ انسانی کی پکار اور انسان کے اندر کی آواز کا جواب ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات دینے والا دین ہے۔ اسلام انسان کی نجی و ذاتی زندگی سے لے کر قومی و اجتماعی زندگی کے معاملات اور بین الاقوامی زندگی یعنی دوسری اقوام و ملل کے ساتھ تعلقات کو کس طرح نبھانا ہے۔ تمام سطحوں پر مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح دینی و مذہبی روحانی و اخلاقی، سیاسی و سماجی اور معاشی و اقتصادی ہر ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اپنے ماننے والوں کو مکمل جامع ہدایات دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات ہر زمانے کے لئے ہیں ہر قوم اور ہر علاقے کے لئے ہیں۔

بنابریں بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلام جامع حسنات دین ہے۔

۲۱- اسلام دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن دین ہے:

اسلام دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن دین ہے۔ یہ انسانی زندگی نجی و عائلی، قومی و

اجتماعی تمام شعبوں کی کفالت کرتا ہے۔ معاشرتی زندگی کی ہر سطح پر ضروریات پوری کرتا اور دنیا و آخرت میں اپنے پیروکاروں کو فلاح ونجات اور کامیابی وکامرانی کی ضمانت دیتا ہے۔

۲۲- اسلام جسم وروح دونوں کی رعایت رکھنے والا دین ہے:

اسلام جسم وروح دونوں کی رعایت رکھنے والا دین ہے۔ دونوں کی بیک وقت ضروریات کی کفالت کرنے والا دین ہے۔ دونوں کی کفایت کرتا اور ان کی متناسب اور بیک وقت ترقی ونشوونما کو یقینی بناتا ہے۔ کسی ایک کے تقاضے کو دوسرے پر حاوی نہیں ہونے دیتا، کسی ایک کی یکسر نفی کر کے دوسرے کو اس طرح پروان نہیں چڑھاتا جس طرح بعض دوسرے مذاہب یا نظریات کا معاملہ ہے۔

۲۳- اسلام اعتدال وتوازن کا علمبردار دین ہے:

اسلام اعتدال اور توازن کا علمبردار دین ہے۔ یہ کسی بھی معاملے میں افراط وتفریط کا قائل نہیں۔ اس کی ہر ہر تعلیم، ہر ہر ہدایت، ہر ہر امرونواھی اور تعلیمات کا ہر ہر شعبہ اعتدال وتوازن کا آئینہ دار اور میانہ روی کا مظہر ہے۔

حقوق اللہ کا معاملہ ہو یا حقوق العباد کا، عبادات کا معاملہ ہو یا معاملات کا غرضیکہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں اعتدال کا علمبردار ہے۔ قرآن کے متعدد مقامات اور احادیث نبوی سے ان گنت نظائر اس سلسلہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

''محاسن اسلام ان گنت اور متنوع ہیں جن کا احاطہ محال ہے چند ایک تذکرہ ہی ممکن تھا حق تعالی فکر ونظر کو ان محاسن منور اور قول وکردار کو ان سے مزین کر نیکی توفیق دے۔''

۲۴- اسلام صدق وصداقت کا علمبردار دین ہے:

اسلام صدق وصداقت اور سچائی کا دین ہے، اسلام قول وعمل، نیت وارادہ اور انسانی زندگی

کے ہر ہر شعبے میں صدق وصداقت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام منافقت و ریا کاری، دجل وفریت اور کذب و دھوکہ دہی کی بیخ کنی کرتا ہے اور ہر حالت میں اپنے پیروکاروں کو وہ جہاں بھی ہوں، جس حیثیت میں اور جیسے بھی حالات سے دوچار ہوں ہمیشہ صدق وصداقت کی پاسداری کی تعلیم دیتا ہے اسلام اپنے ماننے والوں کو "کُونُوا مع الصٰدِقِین" کے الفاظ میں سچے لوگوں کا دامن پکڑے رہنا کی ہدایت دیتا اور صدق وسچائی کو انسانی اخلاق کا سب سے بڑا جوہر قرار دیتا ہے۔

۲۵- اسلام ایک فیض رساں دین ہے:

اسلام ایک فیض رساں دین ہے۔ اس کا چشمہ فیض آفاقی و عالمگیر ہے اسلام کی برکات ہر ایک کے لئے ہیں۔ اس کا فیض پوری ابنِ آدم میں جاری ہے۔ اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی کتنے ہی لادین معاشرے اور کتنی ہی غیر مسلم قومیں اس کے فیضِ عام سے مستفید ہو رہی ہیں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام کی سرچشمہ فیض پوری انسانیت کو سیراب کر رہا ہے۔

محاسنِ اسلام اَن گنت اور متنوع ہیں جن کا احاطہ محال ہے چند ایک کا تذکرہ ہی ممکن تھا حق تعالیٰ فکر ونظر کو ان محاسن کے نور سے منور فرمائے۔

صحیفۂ محمدی یعنی .... قرآن کے محاسن:

کائنات حسن وخوباں کے تاجدار ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب "قرآن" جہاں ایک طرف اہل ایمان کے لئے سرچشمہ رشد و ہدایت اور ایک آفاقی ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے وہیں گوناگوں محاسن کا بھی مجموعہ ہے۔ اہل علم نے اپنے اپنے ذوق تحقیق کی روشنی میں اس کے ان گنت محاسن پر گفتگو کی ہے جس میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱- قرآن ہر شک و شبہ اور امکان خطا سے پاک کتاب ہے:

قرآن وہ صحیفہ آسمانی ہے جس میں کسی قسم کی خطا یا شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ابتدائے قرآن ہی میں اعلان کر دیا گیا:

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ......... (سورہ البقرہ:۲،۱)

ترجمہ: الف لام میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲- قرآن سلسلہ وحی کا جامع اور خاتم ہے:

قرآن سلسلہ وحی کا جامع اور اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے۔ قرآن کے بعد سلسہ وحی ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا۔ وحی چونکہ نبوت و رسالت کا خاصہ ہے جب باب نبوت و رسالت بند ہو چکا تو بعد از خاتم النبین ﷺ بابِ وحی بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

۳- قرآن کلام لفظی پر مشتمل ہے:

قرآن کو دیگر آسمانی صحائف پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ کلام نفسی نہیں جبکہ کلام لفظی پر مشتمل ہے۔ یعنی اس کے الفاظ وہی ہیں جن میں یہ نازل ہوا اور یہ قرآن کا ایک ایسا حسن ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے۔

۴- قرآن تحریف و تبدل سے محفوظ ہے:

قرآن کے محاسن امتیاز کا یہ بھی ایک نہایت اہم پہلو ہے کہ یہ کتاب ہر طرح کے تحریف و تبدل یا کمی بیشی سے محفوظ ہے اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری خود رب محمد نے لے رکھی ہے۔ جیسے فرمایا گیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ. (سورہ الحجر:۹)

ترجمہ: بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

۵- قرآن ایک جامع و آفاقی کتاب ہے:

قرآن کا ایک اور حسن کتب سابقہ کے برعکس ایک جامع اور آفاقی صحیفہ ہونا ہے۔ یہ ایسی کامل ترین کتاب ہے جو تمام حقائق کائنات کی جامع اور اپنی تعلیمات کے اعتبار سے کامل ترین مجموعہ ہے۔ اہل علم نے جامعیت قرآن پر مختلف حوالوں سے بڑی فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ راقم نے بھی اپنی منظوم تصنیف سیر طیبہ کی تیسری جلد میں جامعیت قرآن کے مختلف پہلوؤں پر لکھا ہے۔ یہاں صرف اتنا ذکر مفید مطلب ہے کہ قرآن ایک جامع حقائق اور کامل ترین آسمانی کتاب ہے۔

۶- قرآن فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے:

قرآن کا ایک امتیازی اور منفرد حسن یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اسلوب کلام اور مندرجات کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ لیکن اس کی شانِ بلاغت و مقامِ فصاحت کو سمجھنے کے لئے عربی زبان اور علم معانی و بیان و بدیع میں مہارت کے ساتھ ساتھ فہم سلیم اور طبع غیر متعصب کا ہونا ضروری ہے۔ قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے اسی زبان کے قادر الکلام اور سحر البیان لوگ ساکت و متحیر اور لاجواب ہو کر رہ گئے تھے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اپنی تصنیف ”رحمۃ اللعالمین“ میں قرآن کی اس اعجازی شان پر نہایت فکر انگیز اور پُر تاثیر مباحث قلمبند کئے ہیں اور بتایا ہے کہ فردوسی و سعدی، شیکسپیئر و ہومر، المیک وملٹن، گوئٹے و بیکن، نابغہ و سرو اور امراء القیس وخسرو وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کے چرچے زبان زدِ عام ہیں فصاحت قرآن کے روبرو طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف مذکور نے جن الفاظ میں ان اساطین علم کے فن پاروں کا تقابل بلاغت و

فصاحتِ قرآنی کے ساتھ کرتے ہوئے ان کی فصاحتی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا دفتر کھولا ہے نہایت فکر انگیز اور چشم کشا ہے۔

۷- قرآن مضامین نادرہ اور معانی عالیہ کا مجموعہ:

کسی بھی کتاب کے مضامین میں دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہے۔ (۱) وسعت (۲) عمدگی وسعت کی بابت قرآن کا دعویٰ ہے ''لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِین '' یعنی دنیا کی کوئی خشک وتر شے ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ کر دیا گیا ہو۔ بقول علامہ منصور پوری اس دعویٰ کی بنیاد پر ایک مسلمان پوری دنیا کو مخاطب کر کے کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیۂ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم وجدید انکشافات وتجربہ پر ہو خواہ وہ اشراقیین سے لیا گیا ہو یا الٰہیین کے شوارقات کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔ ہم انشاء اللہ اس مسئلہ کو فصوحِ تام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دِکھائیں گے۔ ''وَلَا یَأْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا''

اسی طرح عمدگی بیان کے حوالے سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر بھی اقوام موجود ہیں وہ عملی طور پر توحید کی بہرحال قائل ہیں۔ ایک بت پرست وتثلیث پرست کو بھی اسی کوشش میں دیکھا جائے گا کہ وہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے اب دیکھو یہ مسئلہ جس انداز میں قرآن میں موجود ہے کسی اور جگہ نہ ملے گا قرآن پاک میں جن مضامین پر متضمن ہے اور جو اسکی خصوصیت خاصہ ہیں یہ وہ بصائر میں جو دیدہ کوتاہ بیں کے حجاب اُٹھا دیتی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں اس دعوی کے ثبوت میں قرآن پاک سے درجنوں شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۸- تاثیر قرآن و قرآنی پکار:

قرآن انسان کے اندر کی پکار اور اس کے باطن کی ضرورت ہے۔ قرآن کا ایک ایک مقام

انسانِ ناداں کے دلِ غافل کے دَر پر دستک دیتا اور اسے اپنی اندرونی پکار پر کان دھرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کا ایک ایک خطاب پر تاثیر اور اثر انگیز عامل ہے۔ عمر جیسا اسلام دشمن شخص ہاتھ میں تلوار لئے شمع حیات محمدی گل کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے لیکن اپنی بہن کی زبانی چند آیات قرآنی سنتے ہی اسکے ہاتھ سے شمشیر گر جاتی ہے، وہ جو گھائل کرنے کی نیت سے نکلا تھا دعوت قرآنی کے ہاتھوں گائل ہو جاتا ہے۔ ایک پیکرِ غضب و رعونت، پُتلہِ عجز و انکسار بن کر صاحب قرآن کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے اور فاروق اعظم کا لقب لئے واپس لوٹتا ہے۔

اسد بن زرارہ چند قرآنی آیات سن کر عظمت اسلام کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے رواحہ بن آثال جو صاحب قرآن کا سخت دشمن ہے جس کے نزدیک حضور ﷺ سے بڑھ کو کوئی شخص مغضوب اور مدینہ النبی سے بڑھ کر کوئی آبادی قابل نفرت نہیں ہے۔ اسے دو روز تک قرآن (بادلِ نخواستہ ہی سہی) سننے کا موقع ملتا ہے۔ جب اُسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو بالآخر خود بخود چل کر بارگاہ محمد ﷺ میں حاضر ہو جاتا ہے اور نعمتِ ایمان وصول کرتا ہے۔

ولید بن مغیرہؓ ہو یا ذوالبجادین عدی بن حاتم ہو یا مصعب بن عمیر جیسے کتنے ہی سنگدل اور شقی القلب لوگ رفتہ رفتہ تاثیر قرآنی اور سیرت محمدی ﷺ کے ہاتھوں گھائل ہو کر دعوت حق قبول کر لیتے ہیں۔ تین سو ساٹھ بتوں کے پجاری تاثیر دعوت قرآنی سے گھائل ہو کر توحید کے مبلغ بن جاتے ہیں۔ غرضیکہ اَن گنت ایسے واقعات ہیں جو دعوت قرآن کی تاثیر اور اثر انگیزی کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔

۹- قرآن کا اسلوب دعوت اور انداز تعلیم:

قرآن کا اسلوب دعوت انتہائی دلنشین و پر تاثیر اور انداز تعلیم و تربیت کمال درجہ دلربا اور سیرت ساز ہے۔ قرآن کے اسلوب دعوت و انداز تعلیم کو دیکھنے کے لئے قرآن کا مخاطب اوّلیں طبقہ یعنی اصحاب النبی ﷺ کے احوال و واقعات اور ان کی شخصیتوں اور سیرت و کردار میں آنے والے

انقلاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان کے صبر بر مصائب، تحمل بر نوائب اور ادائے شکر و احسان کے واقعات، ان کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع بخشی، ایثار و قربانی، پاکیزگی و اعلیٰ ہمتی، مہمان نوازی، خود فراموشی غرضیکہ ان کی سیرت و کردار کے جملہ نقوش یہ سب قرآنی اسلوب تعلیم اور مصطفوی انداز تربیت کا ثمر تھے، قرآن و صاحب قرآن نے عرب کے باسیوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا اور قرآن و صاحب قرآن کے فیض تعلیم و تربیت سے ایک ایسی جماعت وجود میں آئی جس کا ثانی تاریخ انسانیت پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے

۱۰- قرآن صداقت نواز و تصدیق افزا کتاب ہے:

قرآن نے اپنا نام ایک جگہ ''مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ'' بتایا ہے یعنی قرآن صداقت نواز کتاب ہے۔ یہ راست بازوں اور سچوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ قرآن کسی صداقت کی تکذیب نہیں کرتا خواہ اس کا تعلق متعلقات کائنات کے ساتھ ہو یا ماضی کے واقعات کے ساتھ قرآن باطل کی تردید کرتا ہے لیکن کسی کی توہین نہیں کرتا ہے۔ نیز قرآن ایک قَوْلٌ فَصْلٌ ہے اور ان تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکے تھے یا جن کو کتب سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔ علامہ منصور پوری نے ان مسائل و معاملات کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔ قرآن نے ان مسائل کے بیان میں یا ان کی توجیح و توضیح میں جو فیصلے دیئے ہیں ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور ان کی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے جب ان فیصلوں سے پیشتر کے اہل دانش و بصیرت کے بیانات کو بھی سامنے رکھ لیا جائے۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں متجسس حضرات ان کی تصنیف کا مطالعہ کر لیں۔

۱۱- قرآن کا ندرتِ اسلوب و نظمِ کلام:

قرآن اپنے اسلوب اور نظمِ کلام میں ایک اچھوتا شاہکار ہے۔ عہد نزول قرآن تک عربوں

معنوی نغمگی اور باطنی موسیقیت ، شعری اوزان وقوافی سے مبرا ہونے کے باوجود جا بجا محسوس کی جا سکتی ہے۔ قرآن کی سحر بیانی اِسی صوتی حسن اور نغمگی کا نتیجہ ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱. نٓ وَ الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْن.

۲. وَالْمُرسَلٰتِ عُرْفاً ہ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفاً ہ وَالنّٰشِرٰتِ نَشْراً ....

۳. فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ. وَاِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ. وِاِذَا لْجِبَالُ نُسِفَتْ ....

۴. وَالشَّمْسُ وَضُحٰهَا، وَالْقَمَرُ اِذَا تَلٰهَا. وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ....

۵. اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا. وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ....

قرآنی محاسن میں سے چند ایک کا ذکر کیا گیا۔ قرآن کے محاسن بے شمار ہیں اہل علم وتحقیق کی خوشہ چینی سے راقم نے قرآنی لعل و جواہر اور حسن قرآنی کے چند موتیوں کو قارئین کی خدمت میں حسبِ استطاعت پیش کر دیا ہے۔ رب قرآن صاحب قرآن کے صدقے قبول فرمائے۔

شریعت محمدی ﷺ کے محاسن:

شریعت محمدی ﷺ کو دیکھو تو یہ بھی سراسر حسن اور مجموعہ محاسن ہے۔ شریعت محمد ﷺ میں شان تکمیل بھی ہے اور شان جامعیت بھی، شان کاملیت بھی ہے اور شانِ خاتمیت بھی، محاسنِ شریعتِ مصطفوی ﷺ بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے:

۱- شریعت محمدی ﷺ شانِ جامعیت کی آئینہ دار ہے:

دین ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے یعنی اسلام جبکہ ہر رسول کی شریعت اپنی اپنی رہی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

📖 لِكُلِّ اُمَّةٍ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا. (القرآن)

پھر جس طرح ہر نبی کی بعثت ایک قوم، علاقے یا زمانے کیلئے تھی اسکی شریعت بھی ایک خاص طبقے، علاقے یا زمانے کیلئے تھی بالفاظ دیگر امم سابقہ میں شرائع اصلیہ تو تھیں مگر شرائع وضعیہ نہ تھیں۔ ان میں احکام تو تھے مگر ان میں ہمہ گیریت نہ تھی۔ اس لئے جس قوم کی طرف نازل کی گئی وہی اپنی افتادِ طبع کی بنا پر اسے قبول کرنا اور اس سے ہدایت و سامان نجات حاصل کرتا۔ دوسری کسی قوم یا علاقے کے لوگ اس سے کماحقہٗ مستفید نہ ہو پاتے۔ گویا شریعتیں وطنی ہوتی تھیں اور عالمگیر و ابدی نہ ہوتیں۔ اسکے برعکس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو جو شریعت دی گئی وہ جامعیت و ہمہ گیریت اور ابدیت کی شان لئے ہوئے ہے۔ شریعت محمدی ہر دَور، ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کی ضروریات و مقتضیات کی کفالت کرتی ہے اور کوئی دور کوئی علاقہ اور کوئی قوم ایسا نہیں کہہ سکتی کہ شریعت محمدی اسکی ضروریات کی کفایت نہیں کرسکتی۔

۲- شریعت محمدی ﷺ کا ایک اور حسن...... شانِ کاملیت و اکملیت:

شریعت محمدی ﷺ کا ایک اور حسن یہ ہے کہ اس میں شانِ کاملیت کی آئینہ داری ہے یہ ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جسکے مقتضیات وضروریات کی تکمیل کا سامان اس میں موجود نہ ہو انسانی زندگی کی انفرادی سطح ہو یا اجتماعی، خاندانی سطح ہو یا عائلی، قومی سطح ہو یا بین الاقوامی ہر سطح پر ہر ایک کے لئے اس میں کامل رہنمائی اور ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسکی مقتضیات کی کفالت سے یہ قاصر نظر آئے۔ انسانی زندگی کا اخلاقی پہلو.......... ہو یا روحانی، ظاہری پہلو ہو یا باطنی اقتصادی پہلو ہو یا معاشی، معاشرتی پہلو ہو یا عمرانی غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر ہر شعبے اور ہر ہر پہلو کے لئے اس میں سامان ہدایت و کفالت موجود ہے۔

۳- شانِ خاتمیت و تمامیت:

سرورِ انبیاء ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اسلئے آپ کی شریعت بھی اپنے اطلاق کے اعتبار سے

خاتم الشرائع کی شان رکھتی ہے۔ انسانی ضرورتوں کے تحت ماضی میں انبیاء و رُسل کی شریعتیں اپنے اطلاق میں تدریج پذیر رہیں اور اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے تقاضوں کے مطابق انسانی معاشروں کی کفایت کرتے ہوئے آنے والے زمانوں کے لئے جگہ خالی کرتی گئیں اس سلسلہ تشریع و ہدایت کی آخری کڑی شریعت محمدی ﷺ ہے اور اس کے اوامر و نواہی اور نظام معاشرت میں خاتمیت و تمامیت کی شان بدرجہ اتم موجود ہے۔ بایں سلسلہ متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ تفصیل میں جانے کا فی الوقت موقع نہیں۔

۴- شان سہولت وتیسیر:

شریعت محمدی ﷺ کا ایک اور نمایاں حسن سہولت وتیسیر ہے۔ سابقہ شرائع میں اس وقت کے حالات و مقتضیات کے تحت بعض سختیاں بھی تھیں شریعت مصطفوی نے چونکہ تا ابد ہر طبقہ انسانیت کی کفایت کرنا تھی اس لئے اس میں سہولتوں اور آسانیوں کا حسن رکھا گیا۔ الدین یُسراً اور یَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّروا کے الفاظ شریعت محمدی ﷺ کے اسی حسن کے آئینہ دار ہیں۔ احکام شریعہ میں قدم قدم پر تیسیری ضابطے موجود ہیں جسکی درجنوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ روزے کی فرضیت کا معاملہ ہو یا نماز کا مسئلہ قدم قدم پر معذور و کمزور اور مجبور و مضطر افراد کے لئے تیسیری احکام اور رعائتیں موجود ہیں اور شریعت محمدی ﷺ کا یہ ایک ایسا حسن ہے جو ہر کمزور سے کمزور اور مجبور سے مجبور شخص کو اپنے دائرہ عافیت و سہولت میں لئے ہوئے ہے۔

۵- احکام کی درجہ بندی کا حسن:

شریعت محمدی ﷺ کا ایک اور حسن احکام کی درجہ بندی ہے یہاں فرض و حرام کے درمیان حلت و حرمت کے مختلف مدارج ہیں۔ یہاں صرف دو انتہاؤں کا وجود نہیں بلکہ ان کے درمیان حلت و حرمت کی مختلف منزلیں ہیں اور یہ شریعت محمدی ﷺ کا ایک ایسا حسن ہے جو اِسی کا امتیاز و افتخار

ہے۔ فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، خلافِ اولیٰ، اساءت، مکروہِ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام جیسی درجہ بندی عاملین شریعت کیلئے سہولت کی ضرورت کے مختلف ابواب کھول کر اسے ہر ایک کے لئے قابلِ عمل بناتی ہے اور یہ ایک ایسا حسن ہے جسکا سابقہ شرائع میں وجود نہ تھا۔

٦- اجتہاد و تقلید اور فقہی مذاہب کا وجود:

اجتہاد و تقلید اور مختلف مذاہب کا ظہور شریعت محمدی ﷺ کا وہ امتیازی حسن ہے جس سے شرائع سابقہ مزین نہ تھیں۔ سابقہ شرائع کو اجتہاد کی ضرورت ہی نہ تھی کہ وہ ایک خاص قوم، علاقہ یا دور کے لئے تھیں جونہی وہ دور ختم ہوا، شریعت بھی ساتھ ہی اٹھ گئی اور نئے دور یا نئی قوم کے لئے نیا نبی نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوگیا۔ آپ سرورِ انبیاء چونکہ خاتم النبیین تھے اور آپ کے بعد آپ ہی کی تعلیمات اور شریعت نے تمام طبقات انسانیت کی تا ابد کفالت کرنا تھی اس لئے آپ کی شریعت شان اجتہادی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی اور مختلف المزاج قوموں، مختلف الضروریات زمانوں کی کفایت و کفالت کے لئے اجتہاد کی نعمت مشروع ہوئی۔ ماخذ شریعت و شریعت کے تحفظ کیلئے حفاظ قرآن و حفاظ حدیث کا الوہی اہتمام اور مجتہدین کا دَور آیا، جس دَور میں اجتہادی اُصول و ضوابط متعین ہوئے۔ مختلف فقہی مذاہب کی بنیاد پڑی جنہوں نے امت کیلئے شریعت پر عمل کیلئے مختلف الذوق، مختلف الالوان راہیں کھولیں۔ عوام الناس کے لئے فقہی مذاہب کی تقلید ضروری قرار پائی اور مستقبل میں پیش آنے والے متقضیات و ضروریات کی تکمیل کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا گیا۔ قاری طیبؒ نے اجتہاد و تقلید پر ایک رسالہ قلمبند کیا ہے جس میں ضرورت اجتہاد، تقلید، آئمہ اجتہاد اور مختلف فقہی مذاہب کے اجتہادی اصول اور ان میں مذاہب کی تنوع اور رنگا رنگی کے مظاہر اور ان کے فلسفے پر بڑے حکیمانہ مباحث قلمبند کئے ہیں۔ راقم نے بھی اپنی منظوم تصنیف سیرت طیبہ ﷺ میں سرور انبیا ﷺ کی سیرت کے مختلف تعلیماتی پہلوؤں پر جامع روشنی ڈالی ہے۔ اجتہاد و تقلید پر بھی ایک مکمل باب قلمبند

کیا ہے۔ رب محمد ﷺ قبول فرمائے۔

۷- قلتِ تکلیف، عدمِ حرج و عدمِ اکراہ:

قلتِ تکلیف، عدم حرج اور عدم اکراہ شریعت مصطفوی ﷺ کے ایسے امتیازی محاسن ہیں جن سے شرائع سابقہ متعارف نہ تھیں۔ شرائع سابقہ کے طائرانہ مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سابقہ امتوں کو تربیت نفس کے لئے بسا اوقات ایسے احکام کا مکلّف بنایا گیا جو یقیناً نہایت سخت اور شدید تھے۔

۸- ایک حُسن جو مجموعۂ محاسن ٹھہرا:

آخر میں شریعت مصطفوی ﷺ کے اس حسن کا تذکرہ کرنے لگے ہیں جسے تمام محاسن کا مجموعہ یا خاتم المحاسن کہا جاسکتا ہے۔ قاری طیب ؒ نے اپنی تصنیف اجتہاد و تقلید میں اس کا عنوان ''شریعت حد درجہ مرتب و منظم ہے'' باندھا ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ کچھ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

شریعت مصطفوی ﷺ اپنے ظاہری مسائل اور باطنی دلائل نیز اپنے تمام فروع اور اصول کے لحاظ سے حد درجہ مرتب و منظّم مثل سیدھی زنجیر کے ہے جس میں سارے فروع اور اصول اور جزئیات وکلیات درجہ بدرجہ ترتیب وار پرو دیئے گئے ہیں، شریعت کا کوئی جزیہ ایسا نہیں جو کسی نہ کسی کلیہ کے ماتحت نہ ہو، ہر فروع کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہے پھر ہر اصول کسی نہ کسی اصل الاصول سے مربوط ہے اور بالآخر سارے اصول وکلیات سمٹ کر کسی ایک اصلِ اصیل کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جس سے پوری شریعت ایک محیر العقول نظام کے تحت اور ایک ایسے شجرِ واحدہ کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ جس کی تمام شاخیں اور شاخ در شاخ ٹہنیاں مع اپنے ثمرات کے ایک اصل واحدہ سے ناشی ہو رہی ہیں اور ہر آن اپنے مستفیدوں کو اپنے پھلوں سے بہرہ مند کر رہی ہیں۔ پس آیات واحادیث میں جس قدر بھی احکام مذکورہ ہوئے ان کی رونمائی کلیات وعلل واسرار کرتے ہیں اور ہر جزئی میں ایک

علم کلی ہوتا ہے اور ہر علم کلی میں حکمت و مصلحت کلیہ پوشیدہ ہوتی ہے اور پھر ہر مصلحت کا تعلق کسی نہ کسی شانِ کمال کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر شان کمال کسی نہ کسی صفتِ الٰہی سے مربوط ہوتی ہے جس سے نفسِ انسانی کی صفات ناقصہ اس جزئیہ شریعت کی تعمیل کے ذریعے کمال کا اثر قبول کرتی ہیں اور پھر یہ صفاتِ انسانی، کمال بابرکات کے وجود سے مربوط ہوکر کمال حاصل کرتی ہیں (تَخَلَّقُوا بِاَخلاقِ اللّٰہ) کا فرمانِ ذیشان اسی کمال انسانی کی نشاندہی کررہا ہے اس طرح ساری شریعت بالآخران درمیانی اصول و کلیات اور شؤن و صفات سے گزرتی ہوئی وجود باموجود سے جڑ جاتی ہیں یعنی شریعت کے تمام اوامر و نواہی جو بمنزلہ افراد کے ہیں اپنی اپنی علل کے نیچے ہیں جو بمنزلہ انواع کے ہیں پھر یہ تمام انواع سمیٹ کر دو جنسوں کے نیچے آجاتی ہیں یعنی معروف و منکر کے۔ پس سارے ماموارت کا سرچشمہ معروف ہے اور سارے منہیات کا سرو منشا منکر ہے اور یہ معروف و منکر کی دونوں جنسیں اللہ کی صفت عدل کے نیچے آئی ہوئیں ہیں اور عدل الٰہی کا تقاضا ہے کہ معروف برسرکار آئیں اور منکرات زیر ترک رہیں۔

پس دین کے حق میں صفتِ عدل بمنزلہ جنسِ عالی کے ہے جس سے سارے اوامر ونواہی بالآخر وجود الٰہی سے مربوط ہوگئے اور اس طرح پوری کی پوری شریعت رب تعالیٰ کی ذات بابرکت سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ تنظیم شریعت کی مصنف نے چند مثالیں بھی پیش کی ہیں برائے تفصیل رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۱۷ تا ۲۵ ملاحظہ فرمائیں۔ شریعت مصطفوی کے متعدد اور بھی محاسن ہیں جن کا ذکر علماء و فقہاء نے اپنی اپنی تصانیف میں کیا ہے۔

مصطفوی اسلوب دعوت وتبلیغ کے محاسن:

ذیل میں مربی انسانیت وغمگسار عالم ﷺ کے اسلوب دعوت وتبلیغ کے چند محاسن کا ذکر کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں رب العالمین نے خاتم الانبیاء ﷺ کو دعوت وتبلیغ دین کی نسبت ہدایات

جاری کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

📖 اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (القرآن)

ترجمہ: (اے محبوب!) اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) بلایئے حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ اور (اگر اس حوالے سے مخاطب کے ساتھ) بحث وتمحیص ہو جائے تو وہ بھی نہایت احسن انداز میں ہونی چاہیے۔

آیات بالا سے دعوت وتبلیغ دین کے سلسلہ میں تین بنیادی نکات تعلیم فرمائے گئے:

۱۔ حسن دعوت　　۲۔ حکمت وعظمتِ حسنہ　　۳۔ جدال احسن

یعنی دعوت دین نہایت حکمت کے ساتھ دی جائے۔ مخاطب کی نفسیات، اسکی ذہنی وفکری سطح اسکی جذباتی وابستگی اور ضرورت تربیت کو سامنے رکھ کر دعوت دی جائے۔ اُسے مخاطب نہایت خیر خواہانہ انداز اور ناصحانہ اسلوب کے ساتھ کیا جائے۔ موعظت حسنہ کے الفاظ نہایت وسیع اور جامع ہیں نیز اگر داعی و مدعو میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہو جائے تو اس کے ساتھ بحث وتمحیص میں بھی نہایت احسن انداز اپنایا جائے۔

سورۃ فتح میں غمگسارِ انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

📖 اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا. لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ...... (سورہ الفتح: ۹،۸)

ترجمہ: اے محبوب ہم نے آپ کو شاہد، بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے (تاکہ) اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

آیت بالا میں سرور کائنات کی تین شانوں کا ذکر فرمایا گیا شانِ شہادت، شانِ تبشیر اور شانِ تنذیر اور پھر ان شانوں کے عطا کئے جانیکا مقصد بیان ہوا یعنی آپ ﷺ کی ان شانوں کو دیکھ کر یا آپ کی شانِ شہادت کی کارفرمائی یا اسلوب تبشیر یا انداز تنذیر سے متاثر ہوکر لوگ آپ کی دعوت کو

قبول کریں۔ آیت ہذا میں آپ کی دعوت میں کریمانہ اسلوبِ تبشیر اور خیر خواہانہ طریقہ تنذیر سے آپ کے اسلوب دعوت کے دو اور محاسن سامنے آئے۔

۱۔ حسنِ تبشیر یا حسن بشارت

۲۔ حسنِ تنذیر یا حسنِ نذارت

قرآن مجید میں سورہ فرمان میں آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

.... وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. (سورہ الفرقان:۶۳)

ترجمہ: اگر آپ کا واسطہ کسی بے خبر اور گنوار قسم کے انسان سے پڑ جائے تو آپ اسے بھی سلامتی کی دعا دیتے ہوئے اعراض فرما جائیں۔

آیت ہذا کی رو سے مصطفوی اسلوبِ دعوت کا ایک اور حسن سامنے آیا یعنی حسنِ اعراض یا اعراضِ احسن۔

قرآن میں ایک اور مقام پر غمگسارِ عالم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَ ذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ. (القرآن)

ترجمہ: انہیں خیر خواہانہ انداز میں مخاطب کیجئے کہ آپ تو ناصحانہ و خیر خواہانہ انداز میں تذکیر کرنے والے ہیں۔

آیت ہذا سے غمگسارِ انسانیت اور داعی الی اللہ اس ہستی عظیم کے حسن دعوت کا ایک اور پہلو سامنے آیا یعنی حسنِ تذکیر۔ خلاصۃً ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اسلوب دعوت و تبلیغ سراسر حسن اور گونا گوں محاسن کا مجموعہ ہے یعنی۔

۱۔ حسن دعوت　　۲۔ حسن حکمت　　۳۔ حسنِ موعظت

۴۔ جدال احسن　　۵۔ حسن تبشیر　　۶۔ حسن تنذیر

۷۔ حسن تذکیر　　۸۔ حسنِ اعراض

سرورِ انبیاء ﷺ کے اسلوب دعوت کے ان محاسن پر دفاتر کے دفاتر قلمبند کئے جاسکتے ہیں لیکن تفصیل کا موقع نہیں۔ مقصود صرف اتنا تھا کہ قارئین کرام کو یہ بتا دیا جائے کہ تاجدار حسنِ خوباں ﷺ کا اسلوب دعوت محاسن کا ایک ہمہ پہلو ایسا نگینہ ہے جس کے ہر ہر پہلو کی اپنی چمک اپنی دمک اپنی تاثیر اور اپنی سحر آفرینی ہے۔ دعوت مصطفوی ﷺ کے انہی محاسن کے فیض ہی تو دنیا کی اپنے وقت کی اکھڑ ترین قوم محاسن اخلاق کا مجموعہ بن گئی۔ ایک عظیم ترین قوم وجود میں آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دعوت مصطفوی ﷺ چہار دانگ عالم میں پھیل گئی۔

مصطفوی اسلوبِ تربیت کے محاسن:

قرآن میں مربی انسانیت تاجدار کائنات حسن وخوباں ﷺ کے اسلوب تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رب محمد ارشاد فرماتے ہیں:

📖 يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (القرآن)

ترجمہ: یہ (مربی انسانیت) رسول ان پر (قرآنی) آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آیت ہذا میں مصطفوی اسلوب تربیت کے چار نکات بیان کئے گئے ہیں یعنی۔

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفس

۳۔ تعلیم الکتاب ۴۔ تعلیم حکمت

قرآن مجید میں اور بھی کچھ مقامات پر مصطفوی اسلوب تربیت کے ان چار نکات کا ذکر کیا گیا ہے قرآن اور احادیث نبوی کے مطالعہ سے نبوی نظام تربیت کے چند اور بھی نکات سامنے آتے ہیں جیسے:

۵۔ ترغیب ۶۔ ترہیب ۷۔ تاکید ۸۔ تہدید

۹۔ تأدیب ۱۰۔ تحسین ۱۱۔ تذکیر ۱۲۔ تبشیر

۱۳۔ تنذیر ۱۴۔ وعدہ ووعید ۱۵۔ گوشمالی وغیرہ

مذکورہ بالا نظام تربیتِ مصطفوی کے محاسن اور ان کی تاثیر واثر انگیزی پر ان گنت واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ قصہ مختصر آپ ﷺ کے نظامِ تربیت میں حسنِ تلاوت بھی ہے اور حسنِ تزکیہ بھی حسنِ تعلیم الکتاب بھی ہے اور حسنِ تعلیم حکمت بھی۔ حسن ترغیب بھی ہے اور حُسن ترہیب بھی، حسنِ تاکید بھی ہے اور حسنِ تہدید بھی، حسنِ تأدیب بھی ہے اور حسنِ تحسین بھی۔ حسنِ تذکیر بھی ہے اور حسنِ تبشیر بھی، حسنِ تنذیر بھی ہے اور حسن تاثیر بھی۔ آپ کا پیش کردہ نظام تربیت پانے والے افراد کی فکری ونظری عملی واخلاقی، بدنی وروحانی، ظاہری وباطنی اور ہر طرح کی نفسیاتی وتربیتی ضرورتوں کی تکمیل کر کے انہیں حسن کردار وحسن سیرت کے ان ارفع واعلیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تربیتِ مصطفوی کا شاہکار طبقہ جماعت صحابہ کا مقام اور ان کے اعزازات ومحاسن:

اصحاب النبی وہ خوش بخت وخوش نصیب افراد تھے جن کی تربیت خاتم النبین ﷺ نے کی اور اپنے فیضانِ تربیت سے ان کے ظاہر و باطن کو منور کیا۔ یہی خوش نصیب اُمتِ مصطفوی ﷺ کا ہراوّل دستہ تھے۔ انہی خوش بخت افراد نے چونکہ مابعد تمام طبقات امت کے لئے فکر وعمل کا ایک معیار بنا تھا اس لئے مربی صحابہ حضور حتمی مرتبت نے ان کے قلب ودماغ اور ظاہر و باطن کا بدرجہ اتم تزکیہ کیا اور ان کی سیرتوں میں اپنی سیرت کے انوار بھرے اصحاب النبی عام افراد نہ تھے بلکہ یہ وہ چنیدہ نفوس تھے جنہوں نے تا قیامت مابعد طبقات امت کے لئے نمونہ عمل فراہم کرنا تھا۔

۱۔ اصحاب النبی بارگاہ خداوندی سے منتخب افراد تھے:

اصحاب النبی ایک عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے منتخب کر کے مربی صحابہ کی کفالت تربیت میں

دیئے گئے تھے۔ ان کے انتخابِ خداوندی ہونے کا ذکر سورہ حج میں اس طرح آیا ہے:

📖 وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ .... (سورہ الحج:۷۸)

ترجمہ: اور (اے سراپا وفا و خدامست صحابیو!) اللہ (کی محبت و اطاعت اور اس کے دین کی اشاعت میں) جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے اس نے تمہیں (اس کام کے لئے) منتخب فرمالیا ہے۔

ایک اور مقام پر اصحاب النبی کے چنیدہ اور منتخب افراد ہونے اور ان کے وارث قرآن بنائے جانے کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا:

📖 ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا .... (القرآن)

ترجمہ: پھر ہم نے اس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں (پیکران وفا/ اصحاب النبی) کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔

الغرض اصحاب النبی وہ جماعت چنیدہ اور منتخب افراد تھے جن کی تربیت نہ صرف خاتم النبین ﷺ نے کی بلکہ خود خدائے ذوالجلال نے کی اور جن کی تربیت کے لئے پورے تیئیس سال تک قرآن شب و روز نال ہوتا رہا۔ اصحاب النبی کے چنیدہ افراد ہونے کا ذکر قرآن میں اور بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔

۲- دامانِ صحابہ سے گردِ خطا جھاڑنے کا ایک کریمانہ نسخہ:

جماعت صحابہ کو چونکہ مابعد تمام طبقات امت کے لئے ایک مثالی معیار ایمان و عمل بنایا جانا مقصود تھا اس لئے رب صحابہ نے ان کے سیرت و کردار سے گردِ معصیت جھاڑنے کے لئے متعدد ضابطے جاری فرما رکھے تھے جن کا احصاء اُس وقت ہمارا مقصود نہیں البتہ اندریں سلسلہ جو ایک خصوصی کریمانہ ضابطہ انہیں عطا کیا گیا تھا اس کا نام توبہ ہے۔ بعد از معصیت توبہ کر لینے پر نہ صرف صحابہ کے دامن کردار

سے معصیت کا دھبہ دُھل جاتا بلکہ ان کی اسی خطا کو نیکی میں بدل دیا جاتا جیسا کہ ارشاد ہوا۔

📖 اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. (سورہ الفرقان:۷۰)

ترجمہ: مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو یہ وہ لوگ (یعنی اصحاب النبی) ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں میں بدلنے والا ہے۔

۳- جماعت صحابہ کی اہمیت اور مقام و مرتبہ ایک اور زاویۂ نظر سے:

جس طرح اولاد آدم براہ راست پیغام ربانی وصول نہیں کرسکتی اور رب تعالیٰ اس پر اپنا فیض کرم اتارنے کے لئے انبیاء و رسل کو واسطہ بناتا ہے اور احکامِ الٰہی و وحی الٰہی بذریعہ رسول امت تک پہنچتی ہیں اسی طرح ذاتِ رسالتمآب ﷺ اور مابعد طبقات امت کے لئے بھی ایک واسطہ بنایا گیا اور ایک درمیانی جماعت بنائی گئی جو جماعت صحابہ تھی۔ صحابہ بارگاہ الوہیت کے چنیدہ افراد تھے اور اپنی اندر فطری و خلقی طور پر یہ استعداد و صلاحیت رکھتے تھے کہ انوار نبوت کو جذب کرسکیں اور پھر ان انوار نبوت کو تعلیمات نبوت کی صورت میں اپنی سیرتوں میں منعکس کر کے مابعد طبقات امت کی علمی و عملی اور روحانی و اخلاقی ضرورتوں کی کفایت کرسکیں۔ اگر یہ طبقہ درمیان میں نہ ہوتا اور اس نے انوارِ نبوت کو اپنے ظاہر و باطن کے ذریعے تعلیمات نبوت کی صورت میں بقیہ امت تک نہ پہنچایا ہوتا اور انوار نبوت براہ راست مابعد طبقات امت پر پڑتے تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور ان کا انجام بھی شاید وہی ہوتا جو موسیٰؑ کے حواریوں کا ہوا تھا۔

پس فیضانِ نبوت کے مابعد طبقات امت تک ترسیل کے لئے یہ طبقہ خاص پیدا کیا گیا مخصوص ارواح اس مقصد عظیمہ کے لئے چنی گئیں اور ان میں قبول و انعکاس کی صلاحیت پیدا کر کے انہیں جلوہ ہائے مصطفوی ﷺ کے سامنے رکھا گیا انوار نبوت کی تجلیات ان صاف ہو شفاف قلوب پر

ڈالی گئیں جو تعلیمات نبوت کی عملی صورت میں آشکار ہوئیں اور تا قیامت تمام اہل ایمان طبقات کے لئے رشد و ہدایت کا سامان کر گئیں۔

۴- ایمانِ صحابہ پر ربِ صحابہ کی تیئیس سال تک گواہی:

اب ہم ایک نہایت اہم بنیادی اور ایمان افروز نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ صحابہ ہی خطاب قرآن کے اوّلیں مخاطب تھے۔ یہی نفوس قدسیہ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے مصداق اوّلیں، مصداق حقیقی و اصلی اور مصداق اتم و مصداق کامل تھے۔ مابعد طبقات امت کے افراد اپنے اپنے درجات ایمان اور اپنے اپنے مراتب اخلاص اور اپنے رسوخ فی الدین کے مطابق ان الفاظ کا مصداق بن سکتے ہیں یعنی انہیں اس حسنِ تخاطب کا اہل بن کے دکھانا ہے اس کے لئے کوشش کرنی ہے تب کہیں وہ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے مخاطب و مصداق بن سکتے ہیں لیکن اصحاب النبی وہ خوش نصیب افراد تھے جنہیں مسلسل تیئیس سال تک قرآن ''اے ایمان والو'' کہہ کر مخاطب کرتا رہا اپنا ہر حکم نافذ کرنے سے پہلے اپنی ہر بات کرنے سے قبل اصحاب النبی کے ایمان کی تصدیق کر کے رب صحابہ نے مابعد طبقات امت کے افراد پر یہ بات واضح کر دی کہ جن ہستیوں کے ایمان پر میں خود مسلسل تیئیس سال تک گواہ رہا اور اس انداز کریمانہ میں انہیں مخاطب کرتا رہا تم بھول کر بھی میرے محبوب کے ان تلمیذانِ خاص کے ایمان پر انگلی نہ اٹھانا۔

۵- ایمان صحابہ کو معیار ایمان بنایا گیا:

اصحاب النبی کے قلب و باطن میں ایمان کا نور چونکہ خود رب صحابہ نے بسایا تھا اس لئے ہر دور میں ایمان کا معیار اتم اُن ہی کا ایمان قرار دیا گیا۔ دور نبوی ﷺ میں جب منافقین سے کہا جاتا تھا کہ تم بھی ان اصحاب النبی جیسا ایمان لاؤ تب ہی یہی تمہارا ایمان قابل قبول سمجھا جائے گا تو وہ ان خدامست ایمانی پتلوں پر طعن کرتے ہوئے کہتے تھے:

📖 وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ. (سورہ البقرہ:۱۳)

ترجمہ: جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم (بھی) اس طرح ایمان لاؤ جیسا کہ دوسرے لوگ (اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں سرشار و خود فراموش لوگ یعنی اصحاب النبی) لائے ہیں تو وہ کہتے کہ ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ جان لو! بیوقوف (حقیقتاً) وہ ہیں لیکن انہیں اس کا علم نہیں۔

سورہ بقرہ میں ایک اور مقام پر رب صحابہ نے براہ راست صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تو معیار وایمان ہی تم ہو اور ہمارے نزدیک تمہارے جیسا ایمان ہی قابل قبول ہے اگر کوئی لانا چاہیے۔

📖 فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوْا.......... (سورہ البقرہ:۱۳۷)

ترجمہ: پھر اگر وہ (بھی) اس طرح ایمان لائیں جیسے تم (یعنی سراپا وفا و پیکر ایثار صحابہ) اس پر ایمان لائے ہو تو وہ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے۔

۶- ایمان صحابہ کی نسبت بھی رب صحابہ نے اپنی طرف کی:

رب صحابہ ایسا کرتا بھی کیوں نہ کہ ان منتخب و چنیدہ افراد کے دلوں میں ایمان جیسی عظیم نعمت بھی اس نے خود ہی بسائی تھی۔ ان کی ایمان کے ساتھ شدید محبت بھی رب صحابہ کی عطا تھی اور پھر اس متاعِ محبوب یعنی ایمان سے ان کے قلب و باطن کو زینت بھی خود ربِ صحابہ نے دی تھی جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

📖 ......وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ...... (سورہ الحجرات:۷)

ترجمہ: لیکن اللہ نے (ہی) تمہیں (اے میرے نبی کے صحابیو!) ایمان کی محبت عطا کی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ (بھی) فرمایا۔

۷- ایمان کو اپنا گھر بنا لینے والے لوگ:

صرف اتنا ہی نہیں کہ رب صحابہ نے ایمان اصحاب النبی کے دلوں میں سجا اور بسا دیا بلکہ ایمان کو بھی ان کا گھر بنا دیا گیا ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ .... (سورہ الحشر: ۹)

ترجمہ: جنہوں (یعنی اصحاب النبی) نے ان سے پہلے ہی شہر مدینہ اور ایمان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔

سبحان اللہ! اصحاب النبی کا کیا منفرد مقام ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا اور انہوں نے ایمان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ یعنی ایمان ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا اور رہن سہن بن چکا تھا۔ بالفاظ دیگر ایمان اُن کے لئے جائے پناہ کا درجہ حاصل کر چکا تھا ہے کوئی امت کا ایسا طبقہ جو اس منفرد اور انوکھے اعزاز میں ان کی ہمسری کر سکے۔

۸- اصحاب النبی کے قلوب چنیدہ رب صحابہ کی نظر میں:

اب ہم اصحاب النبی ﷺ کے روشن و شفاف سینوں میں دھڑکتے ان چنیدہ، منور اور مصفّٰی و مجلّٰی دلوں میں چمکتے دمکتے ایسے انوار سیرت کا ذکر کریں گے جن کی بابت خود رب صحابہ نے قرآن میں جا بجا گواہی دی اور ان کی تحسین کی اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ کہ ان دلوں کو ایمان کے لئے چنا بھی اس نے خود تھا ان دلوں میں ایمان کی محبت بھی خود اس نے ڈالی تھی اور پھر ایمان جیسی متاع محبوب ان دلوں کو مزین بھی خود اس نے کیا تھا۔ نیز ایمان کو ان کا گھر بھی بنا دیا گیا تھا پھر مربی صحابہ نے انہیں معیت و مصاحبت اور آغوش تربیت میں رکھ کر ان میں ایسے ایسے انوارِ سیرت بھر دیئے تھے جو انہی کا نصیب تھا۔ مربی و مزکیِ صحابہ کے فیضان تربیت نے صحابہ کرام کے ایمان سے مزین قلوب میں ہمہ رنگ و ہمہ نوع جو جواہر کردار اور انوار سیرت بھر دیئے تھے اس نے ان قلوب کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تھا اور ہر اک صحابی کا دل کس طرح جواہر سیرت و انوارِ کردار کی ایک جنتی قوسِ قزح بن گیا تھا آپ

بھی آئینہ قرآن میں جھانک کر انہیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مزین بہ انوارِ ایمان

۲۔ مزین بہ اسرار ایماں قلوب

۳۔ مزین بہ توحید باری قلوب

۴۔ مزین بہ تکذیبِ شرکی قلوب

۵۔ مزین بہ شان اجابت قلوب

۶۔ مزین بہ شان انابت قلوب

۷۔ مزین بہ شان خشوعت قلوب

۸۔ مزین بہ شانِ انابت

۹۔ مزین بہ روحِ خشیت قلوب

۱۰۔ مزین بہ صدق صداقت قلوب

۱۱۔ مزین بہ رشد و ہدایت قلوب

۱۲۔ حاملِ تقویٰ و صالحیت قلوب

۱۳۔ مزین بہ رحمت و رافت قلوب

۱۴۔ طالبانِ رضائے الٰہی قلوب

۱۵۔ مزین بہ رضائے الٰہی قلوب

۱۶۔ مزین بہ حب الٰہی قلوب

۱۷۔ مزین بہ ذکر الٰہی قلوب

۱۸۔ مزین بہ فکرِ الٰہی قلوب

۱۹۔ مزین بہ ذوقِ عبادت قلوب

۲۰۔ مزین بہ شوق شہادت قلوب

۲۱۔ مزین بہ حب رسالت قلوب

۲۲۔ مزین بہ ذوق عبادت قلوب

۲۳۔ کاملاً حاملِ اتباعِ رسول

۲۴۔ مزین بہ ہر ہر ادائے رسول

۲۵۔ مزین بہ شانِ شجاعت قلوب

۲۶۔ مزین بہ ذوق طہارت

۲۷۔ مزین بہ روح اخوت قلوب

۲۸۔ مزین بہ شان زیادت ملو

۲۹۔ مزین بہ تسلیم، راضی قلوب

۳۰۔ مزین بہ خوف وجاء قلوب

۳۱۔ مزین بہ سعد وسعادت قلوب

۳۲۔ بری از وجود شقاوت قلوب

۳۳۔ مزین بہ اخلاص و خالص قلوب

۳۴۔ مزین بہ ذوق تلاوت قلوب

۳۵۔ مزین بہ تزکیہ صافی قلوب

۳۶۔ مزین بہ علم کتابی قلوب

۳۷۔ مزین بہ اسرار وحکمت قلوب

۳۸۔ مزین بہ انوارِ قرآں قلوب

۳۹۔ مزین بہ اسرارِ قرآں قلوب

۴۰۔ مزین بہ حفظ قرآنی قلوب

۴۱۔ مزین بہ خوف قیامت قلوب

۴۲۔ مزین بہ تنذیر برزخ قلوب

۴۳۔ مزین بہ تنذیر دوزخ قلوب

۴۴۔ مزین بہ تبشیر جنت قلوب

۴۵۔ مزین بہ حبل مِن اللہ قلوب

۴۶۔ مزین بہ صبر مِن اللہ قلوب

۴۷۔ مزین بہ عہد الستی قلوب

۴۸۔ مزین بہ اسرار ہستی قلوب

۴۹۔ ذاکر نور اسمائے حسنہ قلوب

۵۰۔ مزین بہ تعظیم عترت قلوب

۵۱۔ مزین بہ تسکین و راحت قلوب

۵۲۔ مزین بہ حسن سخاوت قلوب

۵۳۔ مزین بہ حسن ارادت قلوب

۵۴۔ مزین بہ اخلاق ارفع قلوب

۵۵۔ مزین بہ اخلاق مولا قلوب

۵۶۔ مزین بہ انفاق دولت قلوب

۵۷۔ مزین بہ فقر و قناعت قلوب

۵۸۔ حامل عفت و پاکبازی قلوب

۵۹۔ حامل رفق و حلم و تلطف قلوب

۶۰۔ حامل عجز اور انکساری قلوب

۶۱۔ حامل اعتدال و میانہ قلوب

۶۲۔ حامل پختہ خو استقامت قلوب

۶۳۔ مزین بہ احسان و الفت قلوب

۶۴۔ حامل رحم و رحمت ترحم قلوب

۶۵۔ مزین بہ صبر و توکل قلوب

۶۶۔ مزین بہ رازِ توسل قلوب

۶۷۔ پاک از گردِ کینہ و نفرت قلوب

۶۸۔ پاک از گردِ غیظ و عداوت قلوب

۶۹۔ مزین بہ اسرار فطرت قلوب

۷۰۔ پاک از گردِ جرم و بغاوت قلوب

۷۱۔ پاک از داغِ شرک و شقاوت قلوب

۷۲۔ پاک از گردِ ظلم و ضلالت

۷۳۔ پاک از گرد بہتان و غیبت قلوب

۷۴۔ پاک از ناسپاسانہ عادت قلوب

۷۵۔ پاک از گردِ ہر فحش و منکر قلوب

۷۶۔ پاک از بغض اور بدگمانی قلوب

۷۷۔ پاک از عجب و فخر و تکبر قلوب

۷۸۔ مزین بہ شکر و تشکر قلوب

۷۹۔ پاک از گردِ کفرانِ نعمت قلوب

۸۰۔ حاملِ خوئے تحدیث نعمت قلوب

۸۱۔ مزین بہ انوارِ عرشی قلوب

۸۲۔ حامل عزت و جاہ فرشی قلوب

۸۳۔ مظہر عفو سرکار نوری قلوب

۸۴۔ واقف رمزِ حق و حضوری قلوب

۸۵۔ پاک از گردِ شرکِ نفی اور ریا

۸۶۔ پاک از گردِ حرص و ہوس اور ہوا

۸۷۔ حاملِ خیر کونین یکتا قلوب

۸۸۔ حامل فوزِ کونین یکتا قلوب

۸۹۔ پاک از حب مال و بخیلی قلوب

۹۰۔ پاک از عنصر فحش گوئی قلوب

۹۱۔ پاک از سوئے ظن بدگمانی قلوب

۹۲۔ حامل ہستی جاودانی قلوب

۹۳۔ حامل حسن کل اور یگانہ قلوب

۹۴۔ ششہ و نرم خو دلبرانہ قلوب

۹۵۔ پاک از عنصر بدلہ و انتقام

۹۶۔ پاک از عنصر اجلتِ بے لگام

۹۷۔ مزین بہ ایثار یکتا قلوب

۹۸۔ ہر نفس ذاکرِ اسم مولا قلوب

۹۹۔ دور از غفلت و کسل زندہ قلوب

۱۰۰۔ حامل خیر اور درخشندہ قلوب

۱۰۱۔ راضیہ مرضیہ مطمئنہ قلوب

۱۰۲۔ حامل حسن و رعنائی حسنہ قلوب

مجھے تو کچھ یوں لگتا ہے کہ قلوب صحابہ فطرۃً ہیرے تھے جنہیں مربی صحابہ نے اپنی صحبت و تربیت میں رکھ کر تراشا انہیں سیقل کیا۔ آپ ﷺ کے فیضان تربیت نے انہیں جلا بخشی۔ انہیں پالش کیا اور چمکایا جس کے نتیجے میں ہر ہر صحابی کے دل سے ہمہ رنگ و پر کشش قوس قزحائی شعائیں نکلیں جنہوں نے ان کی سیرتوں میں ایسی چمک دمک ایسی جاذبیت و کشش اور ایسی اثر آفرینی پیدا کردی جو ایک ایسی جماعت کے شایان شان تھی جس نے تا قیامت مابعد طبقاتِ اُمت کے لئے حسن عمل و حسن کردار کا ایک قابل تقلید معیار بننا تھا۔

قلوب صحابہ کے ان درجات و مراتب اور مذکورہ امتیازات اعزازات پر تفصیلاً اس وقت کچھ لکھنے کا موقع نہیں۔ ان تمام درجات و مراتب اور اعزازات پر قرآن کی روشنی تفصیلی مباحث اور رب صحابہ کی گواہی کی تفصیلات راقم نے اپنی تصنیف ''قرآن۔ تربیت صحابہ کا الوہی نصاب'' میں سپرد قلم کی ہیں۔ مصنف کی مذکورہ تصنیف انشاء اللہ ایک ایسی کاوش ہے جو محض ایک تاریخی دستاویز ہی نہیں بلکہ اہل علم طبقوں میں ایک تاریخ ساز کاوش قرار دی جائے گی۔ انشاء اللہ۔ الغرض صرف یہی نہیں کہ ایمان جیسی نعمت رب صحابہ نے خود ان کے دلوں میں سجائی تھی بلکہ ....

۹- ہر لحظہ ہے ایمانِ صحابہ کی نئی آن نئی شان:

ایمان اصحابہ ہر آن نئی بلندیوں اور رفعتوں کی طرف بڑھتا تھا۔ ''جس طرح رب صحابہ'' كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ کی شان کا مالک ہے اور مربی صحابہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی شان کے حامل ہیں اس طرح رب صحابہ و مربی صحابہ کے زیر تربیت رہنے والی یہ عظیم المرتبت جماعت بھی ہر آن

نئ سے نئ ایمانی بلندیوں اور رفعتوں سے سرفراز ہوتی تھی اور ان کا ایمان مسلسل مائل بہ اضافہ اور مائل بہ ترقی رہتا تھا۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اسی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. (سورہ الانفال:۲)

ترجمہ: ایمان والے تو صرف یہی (خدا مست وخود فراموش اصحاب الٰہی) ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب (اس کی عظمت کے نور سے) خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں ان کے) ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور ہر ہر حال میں اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں۔

سبحان اللہ صحابہ کے ایمان کو تو گویا بڑھنے کے لئے بہانا درکار ہوتا تھا اور بسا اوقات مخالفین حق کی ناروا باتیں تک ان کے ایمان میں اضافے کے باعث بن جاتیں۔ اس امر پر رب صحابہ کی گواہی ملاحظہ فرمائے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ. (سورہ آل عمران:۱۷۳)

ترجمہ: یہ (ایثار پیشہ وسراپا جہاد صحابہ تو) وہ لوگ ہیں کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تم پر (ہلہ بولنے کے لئے بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ کیسا ہی کارساز ہے۔

۱۰- اصحاب النبی کے ایمان کے آثار وثمرات کا ارتقائے مسلسل:

اصحاب النبی کا نہ صرف ایمان ہی مسلسل وسعت پذیر رہتا بلکہ ایمان کے آثار وثمرات اور ان کا

حسنِ عمل بھی ان کے اخلاص فی الدین کے صدقے مسلسل بڑھتے چلے جائے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

📖 وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. (سورہ بنی اسرائیل:۱۰۹)

ترجمہ: اور (لذت بندگی سے سرشار اور خشیت الٰہی سے لبریز دل لئے یہ صحابہ) ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع و خضوع میں مزید اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

الغرض رب صحابہ کے لطف کریمانہ اور مربی صحابہ کے فیضان رحمت و تربیت کے صدقے اصحاب النبی کی صفتِ تسلیم و رضا' نورِ ہدایت' ان کا تقویٰ' ان کا اجر' ان پر فضل الٰہی' غرضیکہ تمام دوسرے آثار و ثمرات ایمان مسلسل بڑھتے چلے جاتے اور ان سب معاملات پر رب صحابہ کی اپنی گواہی صفحات قرآن کی زینت ہے۔

۱۱- ایمان صحابہ کی حفاظت رب صحابہ کے ذمہ کرم پر:

اصحاب النبی وہ خوش بخت لوگ تھے کہ جن کے ایمان کی حفاظت کا ذمہ خود رب صحابہ نے لے رکھا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

📖 وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (سورہ آل عمران:۱۰۱)

ترجمہ: اور تم (یعنی سراپا ایمان و پیکرانِ خشیت الٰہی صحابیو!) بھلا کس طرح کفر کرو گے جبکہ تم (تو وہ منتخب اور خوش نصیب لوگ ہو) کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کے رسول (تمہارے مربی و تربیت کنندہ خود) موجود ہیں۔

یعنی تمہارے مربی و مزکی آقا ﷺ جب خود تمہیں میری بندگی کا سلیقہ سکھا رہے ہیں تم لوگوں کا شب و روز تزکیہ کر کے تمہارے قلب و باطن میں رشد و ہدایت کا نور بھر رہے ہیں اور میرا کلام شب و روز جبرئیل امینؑ لئے تمہارے مربی ﷺ کے ذریعے ہی نیا سے نیا تربیتی ضابطہ فراہم کر رہا ہے

تو پھر اندریں صورت اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا کہ تم واپس کافرانہ زندگی کی طرف پلٹ سکو۔

۱۲- بہترین امت ہونے کے مصداقِ حقیقی و مصداقِ اتم:

رب صحابہ و مربی صحابہ اور قرآن کے زیر تربیت رہ کر تکمیل شخصیت کی منزلیں طے کرنے والے سراپا وفا و سراسر اطاعت افراد یہی اصحاب النبی ہی تو ہے جنہیں خود ان کے مربی و محسن رب نے بہترین امت کا خطاب دیا ارشاد ہوا:

📖 كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. (القرآن)

ترجمہ: اے میرے محبوب کے سراپا وفا صحابیو! تم ہی تو بہترین امت ہو جو لوگوں کے نفع و اصلاح) کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

ابوبکر و عمر، عثمان و علی اور دیگر ہزار ہا اصحاب النبی پر مشتمل امت مسلمہ کے اسی ہراول دستے کے بارے میں ان کے رب نے ایک اور مقام پر اس طرح فرمایا۔

📖 وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ.......... (القرآن)

ترجمہ: اور اسی طرح (اے میرے محبوب کے تربیت یافتہ صحابیو!) تمہیں ہم نے اُمت وسط (اعتدال والی امت) بنایا تاکہ تم شہادت دے سکو۔

مابعد تمام طبقات امت بھی خیر الامت اور امت وسطٰی کا لقب اور اعزاز حاصل کر سکتے ہیں اپنے اپنے حسبِ اخلاص اور درجات تقویٰ و حسنِ عمل کے مطابق لیکن ان القابات کے مصداق اولیں، مصداق حقیقی و اصلی اور مصداق اتم اصحاب النبی ہی تھے ورنہ آج جو ہمارا کردار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں آج کے ہم نام نہاد مسلمان ہیں کہ عزتیں دینے والے دین یعنی اسلام کے لئے جس طرح بدنامی کا باعث اور باعث طعن بن رہے ہیں اس پر خود ہمارا اپنا کردار گواہ ہے۔ رب صحابہ ہمیں اصحاب النبی کا صدقہ ہوش کے ناخن لینے کی توفیق دے۔

۱۳- اصحاب النبی سچے سُچے اور پکے مومن تھے:

ربِ صحابہ نے متعدد مقامات پر مربی صحابہ کے زیرِ تربیت اس جماعت کو منتخبہ سچے، سُچے اور پکے مومن کہا جیسا کہ فرمایا گیا:

📖 اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (سورہ الحجرات:۱۵)

ترجمہ: ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے' پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے' یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

اسی طرح متعدد مقامات پر انہیں هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حقاً کے ہیں خطابِ دلنواز سے نواز کر رب العزت نے ان کے ایمان و اخلاص کی گواہی دی۔

۱۴- اصحاب النبی سے محبت امت مسلمہ پر واجب و لازم:

اصحاب النبی کے ساتھ محبت و عقیدت رب صحابہ نے امت مسلمہ کے تمام دیگر طبقات پر واجب کی ہے بلکہ اہل امت کے دلوں میں ان پیکرانِ وفا کے لئے محبت ڈال دینا رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

📖 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. (سورہ مریم:۹۶)

ترجمہ: بے شک جو لوگ (یعنی پیکران وفا و کشتگان وفا) ایمان لائے اور نیک عمل کئے (خدائے) رحمٰن ان کے لئے (بعد کے) لوگوں کے دل میں محبت پیدا فرما دے گا۔

۱۵- اصحاب النبی کو عالمِ نور سے ہمکنار کرنا رب صحابہ کے ذمہ کرم پر:

متعدد مقامات پر رب صحابہ نے انہیں اپنی رضا کا طالب اور رب پر ان کا اور ان پر رب کے

راضی ہو جانے کا مژدۂ جانفزا دیا انہیں اپنے سچے محبّ اور مخلص وفادار بندے کہا اور پھر ان طالبانِ ہدایت و رہروانِ عشق کو اندھیروں سے نکال کر عالم نور سے ہمکنار کر دینا بھی اپنے ذمہ کرم پر لے لیا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ .... (سورہ البقرہ: ۲۵۷)

ترجمہ: اللہ ایمان والوں (یعنی سراپا ایثار و پیکرانِ وفا اصحاب النبی) کا دوست ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

قرآن میں متعدد مقامات پر قرآن کے نزول اور مربی صحابہ کی بعثت کا مقصد بھی یہی قرار دیا کہ وہ ان اصحاب النبی کو عالم نور تک پہنچا دیں۔

۱۶- اصحاب النبی کا نور الٰہی اور نور محمدی میں حصہ:

جب ربِ صحابہ خود نورِ مطلق ہو، مربی صحابہ سراپا نور اور اصحاب النبی کی تربیت کے لئے اترنے والا نصاب سراسر نور و ہدایت ہو اور رب صحابہ و مربی صحابہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر عالمِ نور سے ہمکنار کرنے پر مصر و مہربان ہوں تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ قدسی صفت یہ جماعت بھی سراسر نور نہ ہو جائے البتہ ان بشری پتلوں میں نور کی جلوہ نمائی عالم آخر میں جا کر ہوگی۔ رب صحابہ نے ان کا حصہ نور خود اپنے پاس سنبھال رکھا ہے۔ جس کا اظہار حشر کے میدان میں ہوگا جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ .... (سورہ الحدید: ۱۹)

ترجمہ: اور جو لوگ (سراپا اخلاص و صدق و صفا اصحاب النبی) اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہیں یہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید بھی ہیں ان کا اجر اور حصہ نور ان کے رب کے پاس (محفوظ) ہے۔

۱۷- اصحاب النبی پکارِ نبی پر لبیک کہنے والا خوش نصیب طبقہ:

اصحاب النبی ہمہ وقت بارگاہ خداوندی میں دست بدعا رہتے تھے سورہ آلِ عمران میں ان کی ایک دعا آئی ہے جو اپنے مندرجات کے لحاظ سے نہایت ہی انوکھی اور ان کے سراپا نیاز ہونے کی دلیل ہے:

📖 رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(سورہ آل عمران: ۱۹۳،۱۹۴)

ترجمہ: اے ہمارے رب (ہم تجھے بھولے ہوئے تھے) سو ہم نے ایک ندا دینے والے (یعنی تیرے پیارے) کی ندا کو سنا جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ (لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے (نوشتۂ اعمال) سے محو فرما دے اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے۔ اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا' بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

۱۸- حاملانِ عرش کی اصحاب النبی کے لئے دعائیں:

یہی نہیں کہ صرف بعد میں آنے والے تمام اہل ایمان اصحاب النبی کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں بلکہ حاملین عرش کی بھی رب صحابہ نے یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے کہ وہ ہمہ وقت ان خوش نصیب اور سراپا وفا اصحاب النبی کے لئے رب صحابہ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا:

📖 اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... (سورہ المومن: ۷)

ترجمہ: جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گردا گرد ہیں وہ تو سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان (خدامست وخود فراموش پیکران وفا اصحاب النبی) کے لئے مغفرت کی دعائیں بھی کرتے ہیں۔

۱۹- حاملین عرش کی دعاؤں کے مستحق حقیقی اصحاب النبی ہی تھے:

مربی صحابہ کے تربیت یافتہ ان وفا شعار وعبادت گزار اصحاب النبی کے بارے میں حاملین عرش اور دیگر فرشتے مربی صحابہ سے ان کی بخشش ومغفرت کی دعائیں کیوں نہ کریں کہ جن کے صدق و اخلاص اور ایثار و وفاداری کی شہادت ان کے مہربان ومحسن رب نے ان الفاظ میں دی:

📖 مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. (سورہ الاحزاب: ۲۳)

ترجمہ: مومنین (یعنی سراپا وفا وگشتگان ایثار اصحاب النبی) میں سے بہت سارے مردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔ پس ان میں سے کوئی تو (شہادت پاکر) اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور ان میں سے کوئی (راہ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے اپنی باری کا انتظار کر دیا ہے ان (وفا کیش وسراپا ایثار صحابہ) نے اپنے عہد میں ذرا بھر تبدیلی نہیں کی۔

غرضیکہ پورے کا پورا قرآن اور ذخیرۂ حدیث اصحاب النبی کے ایمان واخلاص اور ان کے درجات مراتب کے بیان سے مالا مال ہے۔ فی الوقت ہمیں صرف یہ بیان کرنا تھا کہ جس خوش نصیب جماعت کی تربیت مربئ اُمت نے کی ان کے محاسن کیا تھے۔

مصطفوی نظام عبادت کے امتیازی محاسن:

ذاتِ مصطفوی ﷺ مجموعہ محاسن ہے اور جو چیز بھی آپ ﷺ کے ساتھ منسوب یا متعلق ہوگئی ہے وہ بھی سراسر مجموعہ محاسن بن گئی ہے۔ آپ کے پیش کردہ عقائد سراسر حسن ہیں۔ آپ ﷺ کا دیا ہوا نظام عبادت بھی محاسن کا ایک عظیم الشان خزینہ اور مخلوق کے لئے خالق تک رسائی کا حسین زینہ اور سراپا حسن قرینہ ہے۔ ذیل میں ہم مصطفوی نظامِ عبادت کے چند محاسن کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ اسلامی نظام عبادت کا پہلا حسن/ جامعیت و ہمہ گیری:

اسلام میں عبادت کا تصور برعکس دیگر مذاہب میں تصور عبادت کے نہایت وسیع جامع اور ہمہ گیر ہے۔ اسلام میں عبادت مخصوص جسمانی حرکات یا محض رسوم کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی فقط نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسے اعمال کا نام ہے بلکہ ایسے تمام اعمال بھی جو بظاہر عبادت نظر نہیں آتے جب رضائے الٰہی کے حول کے لئے کئے جاتے ہیں عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلام کے مطابق زندگی کی ہر حرکت وسکون جو شریعت محمدی ﷺ کے تابع ہو عبادت کہلاتی ہے۔ اسلام میں دینی و دنیوی زندگی میں ثنویت کا کوئی تصور نہیں، اسلام کی رو سے فرد کی زندگی ایک کل اور اکائی ہے اور زندگی کا ہر معمول اور ہر مشغلہ جو حدودِ شریعت میں رہ کر اختیار کیا جائے عبادت کا درجہ پایا جاتا ہے۔

۲۔ عبادت صرف ایک خدا کی:

اسلامی نظام عبادت کا دوسرا حسن توحید عملی ہے یعنی عبادت صرف اور صرف ربِ مصطفےٰ ﷺ کا حق ہے اور کائنات ارض وسما کی ہر شے اس کی بندگی پر مامور ہے۔ پرستش صرف اسی کا حق ہے اسی لئے اپنے محبوب کی زبانی یہ اعتراف کروایا گیا۔

📖 قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (القرآن)

ترجمہ: اے محبوب آپ فرمادیجئے۔ بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت عالم کے پروردگار ہی کے لئے ہے۔

۳۔ خارجی رسوم کا کوئی وجود نہیں:

اسلامی نظامِ عبادت کا اگلا حسن یہ ہے کہ یہاں خدا کی عبادت کے وقت جسم و جان سے باہر کسی خارجی رسم یا عبادت کو وجیہ و پر تاثیر بنانے کے لئے کسی اضافی عامل کی ضرورت نہیں۔ نہ سورج نکلنے کی قید ہے نہ اس کی طرف دیکھنے کی حاجت نہ دریا میں جاکر پانی اچھالنے کی ضرورت ہے نہ اپنے سامنے آگ کا الاؤ جلانے کی ضرورت، نہ عبادت کے لئے ایک خاص ماحول پیدا کرنے کے لئے گھنٹہ یا ناقوس بجانے کی قید ہے نہ اپنے سامنے موم بتیاں جلانے کی حاجت۔ نہ خاص قسم کے کپڑے پہننے کی ضرورت ہے نہ خاص قسم کے ظروف سامنے رکھنے کی برعکس دیگر مذاہب کے اسلامی عبادت ہر طرح کی بیرونی قیود اور رسموں سے پاک ہے اس کے لئے ایک ستر پوش لباس، پاک جسم اور پاک دل کی ضرورت ہے۔

۴۔ خارجی کشش کی کوئی چیز نہیں:

اکثر مذاہب نے اپنی عبادتوں کو دلکش، دل فریب، پر کشش اور پر رعب بنانے کے لئے خارجی تاثیرات کا سہارا لیا ہے۔ کہیں ناقوس اور قرنا کی بارعب آوازیں ہیں تو کہیں ساز و ترنم اور نغمہ و بربط کی دلکش صدائیں ہیں یا جرس اور گھنٹے کا غلغلہ اور شور ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ دین محمدی کی سادگی نے ان میں سے ہر ایک سے احتراز کیا اور انسانی قلوب کو متاثر کرنے کیلئے دل کے ساز اور روح کی صدا کے سوا کسی اور خارجی اور بناوٹی تدبیروں کا سہارا نہیں لیا تاکہ خدا اور بندے کا راز و نیاز اپنی اصلی اور فطری سادگی کے ساتھ صدق و اخلاص کی روح پیدا کرے۔

۵- کسی درمیانی واسطے کی ضرورت نہیں:

اسلامی نظام عبادت میں دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص خاندان یا خاص شخصیت کی درمیانگی کی حاجت نہیں یہاں نہ تو ہندوؤں کی طرح برہمن ہیں اور نہ پروہت، نہ پجاری ہیں اور نہ یہودیوں کی طرح کاہن، نہ ربی ہیں نہ خاخام، نہ حضرت ہارون کے خاندان کی وساطت کی قید ہے نہ عیسائیوں کی طرف عبادتوں کی بجا آوری کیلئے پادریوں کی ناگزیریت اور نہ ہی پارسیوں کی طرح دستوروں اور موبدوں کی حاجت ہے۔ یہاں ہر بندہ خود اپنے خدا سے مخاطب ہوتا ہے۔ آپ باتیں کرتا ہے، آپ حاجتیں پیش کرتا ہے، ہر مسلمان اپنا آپ برہمن، اپنا آپ کاہن، آپ اپنا دستور اور آپ اپنا پادری ہے۔ یہاں اگر کسی کی وساطت یا درمیانگی ضروری ہے تو صرف اتباع رسول کی، نسبتِ مصطفوی اور تعلق محمدی کی کہ اسکی وساطت سے بندہ جو حب الٰہی کا دعویدار ہے بالآخر خدا کا محبوب بن جاتا ہے:

📖 قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (القرآن)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

۶- یہاں عبادت کے لئے کسی مخصوص جگہ کی قید نہیں:

اسلامی نظام عبادت کا چھٹا حسن یہ ہے کہ اس میں عبادت کے لئے کسی مخصوص جگہ یا اینٹ و چونے کی چار دیواری کی مجبوری نہیں یہاں نہ محراب و منبر کی کوئی قید ہے اور نہ ہی مسجد و کلیسا کی زمین کا ہر گوشہ بلکہ کائنات کا ہر حصہ اس کا منبر اور عبادت خانہ ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا

📖 جعلت لی الارض مسجد. (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ: میرے لئے تمام زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے۔

۷- انسانی قربانی کی ممانعت:

بعض مذاہب میں انسانی قربانی خدا کی مقبول ترین عبادت سمجھی جاتی تھی یعنی انسان اپنے دیوتا یا خدا کی خوشنودی کے حصول کیلیئے اپنی یا اپنی اولاد کی جان خواہ گلا گھونٹ کر یا دریا میں ڈبو کر یا آگ میں پھینک کر اور کسی طرح سے بھینٹ چڑھا دے۔ اسلام نے ایسے انسانیت سوز تصور کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

۸- حیوانی قربانی میں اصلاح:

کسی حیوان کی قربانی کر کے معبود کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ اکثر قدیمی مذاہب میں مروج تھا۔ لوگ جانوروں کو ذبح کر کے بتوں پر چڑھا دیتے یا کسی مردہ یا بزرگ کی قبر پر لا کر باندھ دیتے اسے کھانے کو کچھ نہ دیتے حتٰی کہ جانور سسک سسک کر مر جاتا۔ غرضیکہ اس طرح کے کتنے ہی ظالمانہ طریقے مروج تھے۔ اسلام نے اپنی تمام عبادات میں صرف حج کے موقع پر جانور کی قربانی لاگو کی ہے یا وہ اہلِ استطاعت جو حج پر نہ گئے ہوں عید الاضحیٰ کے موقع پر ان کے لئے قربانی مسنون ہے۔

۹- تجرد، ترکِ لذائذ ریاضیات اور تکالیف شاقہکی ممانعت:

اس نظامِ عبادت کا ایک اور نمایاں حسن یہ ہے کہ اس نے تجرد کی زندگی کی حوصلہ شکنی کی، ترکِ لذائذ اور ریاضیات میں افراط سے روکا اور ایسے تمام اعمال و معمولات شاقہ سے روکا جو انسانی جسم و جاں پر بار بن سکیں۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی ممانعت کرتے ہوئے واضح کیا کہ رب کا قرب اور اسکی خوشنودی بھرپور معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آخری معلم انسانیت نے واضح کیا کہ روحانی بلندی اور رضائے خداوندی کے حصول کے لئے عزلت نشینی اور قطع علائق ضروری نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی سنت سے عزلت نشینی کو فقط رمضان المبارک کے آخری

عشرے میں مشروع کیا مابعد ادوار امت میں صوفیاء نے جو عزلت نشینی اور ریاضیات مجاہدات کو اختیار کیا اس کی متعدد توجیحات ہیں۔ عوام الناس کیلئے صرف وہی ضروری ہے جسے آپ نے سنت کے طور پر جاری فرمایا اور جسکی تعلیم اپنے صحابہ کو دی۔

۱۰- حسنِ اعتدال وتوازن اور عنصر سہولت:

اس نظام عبادات کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ یہ حسنِ اعتدال وتوازن کی آئینہ دار ہے اسی طرح اسلامی عبادات میں انسان کی سہولت کو بدرجہ اتم پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نماز میں قضا کا تصور، بیماری یا مجبوری کی حالت میں نماز کی ادائیگی میں سہولتیں، وضو کی جگہ تیمّم کی سہولت اس طرح روزے کے احکام میں سہولتیں، حج اور زکوۃ کے احکام میں سہولتیں اور احکام غرضیکہ اسلامی عبادات اول تا آخر حسن اعتدال کی آئینہ دار اور سہولت وتیسیر کی غماز ہیں۔

۱۱- اسلامی عبادات میں حسن کا ایک اور ایمان افروز پہلو:

جن جن اعمال اور جن جن عبارات کو مرقع حسن و جمال ذاتِ مصطفوی سے نسبت ہوگئی اپنے ہر ہر جزو اور ہیت وترکیب میں حسن کا ایک لازوال پیکر بن گئیں۔ مثلاً نماز ہی کو لے لیجئے کہ یہ اعضاء و جوارح کی حرکات پر مشتمل ایک عمل عبادت ہے لیکن حیرت انگیز طور پر حسنِ ہیت، حسن ترکیب، حسنِ ترتیب اور حسنِ ادائیگی کا ایک شاندار مرقع بن گئی ہے۔ شرائط نماز محاسن کا شاندار مجموعہ ہیں۔ شرائط نماز میں طہارت ہی کو لے لیجئے کتنے محاسن اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکانِ صلوۃ میں ترتیب حسنِ ادائیگی کا شاہکار ہے۔ قیام، رکوع اور سجدہ میں ترتیب اظہار بندگی میں حسن تامہ کی غماز ہے جبکہ انہی تین ارکان کی ترکیب و ہیئت اپنی جگہ حسنِ بالغہ کی آئینہ دار ہے۔

الغرض نماز اول تا آخر حسن ہی حسن ہے۔ نماز میں حسن اوقات بھی ہے اور حسن موالات بھی اس میں حسنِ اذان بھی ہے اور حسن اقامت بھی۔ حسنِ نیت بھی ہے اور حسنِ تکبیر بھی۔ پھر

مندرجات نماز میں حسنِ ثناء بھی ہے اور حسنِ تعوذ وتسمیہ بھی۔ حسنِ حمد بھی ہے اور حسنِ دعا بھی۔ حسنِ طلب ہدایت بھی ہے اور حسنِ تعیین صراط بھی۔ قیام ہو یا رکوع، قومہ ہو یا سجدہ قعدہ ہو یا تشہد ہر ہر حرکت و انتقال میں حسنِ ہیئت بھی ہے اور حسنِ تسبیح بھی۔ حسنِ اقرارِ ربوبیت بھی ہے اور حسنِ اظہار عبودیت بھی۔ حسنِ تقدیم بھی ہے اور حسنِ تاخیر بھی۔ تشہد کو لو تو اس میں حسنِ درود بھی ہے اور حسنِ سلام بھی اپنے لئے طلب مواظبت کا حسن بھی ہے اور اولاد کے لئے طلب موافقت کا حسن بھی۔ اپنے لئے طلب مغفرت میں حسنِ دعائے قبول بھی ہے اور دوسروں کے لئے حسنِ دُعا کے شمول بھی۔

نماز کیطرح دیگر عبادات اور اعمالِ صالحہ میں حسنِ نیت، حسنِ عمل، حسنِ ادائیگی، حسنِ تواتر و تسلسل حسنِ اخلاص حسنِ مواظبت اور حسنِ اعتدال ان تمام اعمال کی جان اور ان کا سنگھار ہیں غرضیکہ نماز ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا روزہ ہر ہر عمل عبادات اپنے ظاہر و باطن اپنی ہیئت و ترکیب اپنی شرائط و جواب اور ارکان میں سراسر حسن ہے۔ مجموعہ محاسن ہے اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ کہ وہ منسوب اسی ذاتِ کریم کے ساتھ ہیں جو تمام محاسن کا مجموعہ اور مرقع حسن و جمال ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا و مولنا محمدٍ و علیٰ آلِہٖ و صاحبہٖ وَسَلِّمْ.

مصطفوی نظام معاشرت کے چند محاسن:

حاملِ اسوۂ حسنہ پیغمبر انقلاب حضور حتمی مرتبت نے عالم انسانیت کو جو نظام معاشرت دیا ہے وہ بھی حسن معاشرت کا ایک لازوال مجموعہ اور آدمیت افروز و انسان پرور نظام ہے اس نظام حسن کے محاسن گوناگوں ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے۔

۱۔ یہاں محرک عمل مطالبہ حقوق نہیں ادائیگی حقوق ہے:

اسلامی طرز معاشرت کا وہ پہلو جو اسے تمام دیگر معاشروں سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں محرک عمل ایتائے حقوق یعنی ادائیگی فرض ہے۔ دیگر تمام معاشروں میں محرک عمل

مطالبہ حقوق ہوا کرتا ہے۔ معاشرے کا ہر فرد اپنے حقوق طلب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کسی کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ دوسروں کے حقوق انہیں مل رہے ہیں یا نہیں اسے تو فقط اس بات سے غرض ہوتی ہے کہ اس کے حقوق اسے ملنے چاہئیں۔ معاشرے میں جب ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہوگا اس کا سارا زور حق طلبی اور اس کی زندگی میں محرک عمل فقط مطالبہ حقوق ہی ہوگا تو اس سے حقوق کے تضاد کی فضا جنم لے گی خودغرضی پروان چڑھے گی اور نتیجتاً مختلف طبقات وجود میں آئیں گے جن کے اپنے اپنے مفادات ہونگے اور اس سے طبقاتی کشمکش کی داغ بیل پڑے گی۔ سرمایہ دارانہ معاشرے ہوں یا اشتراکی معاشرے دونوں اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں ان میں اندر ہی اندر ایک نہ دکھائی دینے والی کشمکش اور بے چینی جنم لے چکی ہے۔ اشتراکیت کا تو وجود کم وبیش زمین بوس ہو ہی چکا ہے جبکہ مغربی اساطین اپنی اندرونی کشمکش کو چھپانے کیلئے محروم اور معاشی طور پر کمزور طبقات کو چھپانے کیلئے محروم اور معاشی طور پر کمزور طبقات کو ''Benefits'' کا لولی پاپ دے کر ان کا دل بہلا رہے ہیں لیکن یہ کھیل بھی آخر کب تک چلے گا۔ مغربی تہذیب و معاشرت کا یہ پہلو اسے اندر ہی اندر سے گھن کی طرح کھائے جارہا ہے اور اس تہذیب کا سورج بھی مصنوعی چکا چوند اور نفسیاتی وطبقاتی کشمکش کے نتیجے میں جلد ہی غروب ہونے والا ہے۔

۲- اسلامی معاشرہ ایک روحانی الذہن معاشرہ:

اسلامی معاشرے کا ایک دیگر امتیاز اور جو خصوصی حسن ہے وہ یہ کہ اسلامی معاشرہ ایک روحانی الذہن معاشرہ ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر معاشرے خالصتاً مادی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں اُن کے پس منظر میں کوئی اعلیٰ نصب العین یا پاکیزہ محرک عمل نہیں ہوتا۔ کوئی آفاقی تصورت معاشرت یا انسانیت پرور فلسفہ کارفرما نہیں ہوتا اس لئے اس معاشرے کی بنیادیں کمزور اور طرز معاشرت مادی سود وزیاں کے تصورات سے اوپر نہیں اُٹھ سکتیں۔ جبکہ اسلامی معاشرہ روحانی الذہن ہونے کے سبب اس

کے ہر فرد کا مطمحِ نظر دنیا و آخرت کی فلاح اور مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ ایک روحانی و پاکیزہ محرکِ عمل ہر فرد کو دوسرے افراد کے لئے نفع بخشی و فیض رسانی کا پیکر بنا دیتا ہے۔ اسے اس بات کی فکر لاحق نہیں ہوتی کہ اس کے حقوق پورے ہو رہے ہیں یا نہیں اسے فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں وہ بطریق احسن اور بہر حال پورے ہونے چاہئیں۔ یہی پاکیزہ سوچ معاشرے کو استحکام بخشتی ہے اور معاشرے میں کسی قسم کی بے چینی یا نفسا نفسی پیدا نہیں ہونے دیتی۔

۳۔ اسلامی معاشرہ ایک عصمت محافظ معاشرہ:

روحانی الذہن ہونے کے سبب ایک اسلامی معاشرہ، عصمت و عفت کا محافظ معاشرہ ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد عصمت نسواں کا محافظ اور عفت صنفِ نازک کا نگہبان ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیادیں پاکیزہ افکار پر استوار ہوتی ہیں۔ اس کی ساخت میں عصمت نیت حوا کے تقدس کے وہ آفاقی احوال اور عفت محافظ تعلیمات ہوتی ہیں جنہوں نے ظلم و استحصال کی چکی میں پستی ہوئی بنتِ حوا کو عزت و احترام اور شرف و وقار بخشا۔

۴۔ اسلامی معاشرہ ایک حیا پرور و حیا فروغ معاشرہ:

اسلامی معاشرے ایک حیا دار و حیا پرور معاشرہ ہوتا ہے۔ شرم و حیا اسلامی معاشرے کا وہ خوبصورت زیور ہے جس کے تصور ہی سے دیگر معاشرے نا آشنا ہیں۔ یہاں صنف نازک کو اشتہار کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا نسوانی حسن کی نمائش نہیں کی جاتی۔ روشن خیالی اور نام نہاد جدیدیت کی آڑ میں بنت حوا کی تذلیل نہیں کی جاتی۔ یہاں عورت کو ہر حیثیت میں احترام ملتا ہے وقار اور عزت ملتی ہے۔ خواہ وہ بیٹی ہے یا ماں، بیوی ہے یا بہن ہر حیثیت سزاوار احترام ہے اور اس کی عزت و حرمت کی حفاظت مرد کے ذمہ ہے۔

۵- اسلامی معاشرہ فضائلِ اخلاق کا نقیب معاشرہ:

اسلامی طرز معاشرت میں فضائل اخلاق کی حکمرانی ہوتی ہے یہاں صدق وسچائی امانت و دیانت، عفو و درگذر، برداشت وتحمل، ایثار وقربانی، بے نفسی وفیض رسانی، عیب پوشی وکرم گستری، جودوسخا، عفت و پاکبازی، رحم ومروت، عدل وانصاف حلم و بردباری، رفق ولطف، تواضع وانکساری، اعتدال ومیانہ روی، خودداری وعزت نفس، خوش کلامی وخوش گفتاری، حق گوئی وحق شناسی اور استغناء کا سکہ چلتا ہے۔

۶- اسلامی معاشرہ رذائلِ اخلاق سے پاک معاشرہ:

اسلامی معاشرہ کذب وافترا پردازی، بہتان وکردارکشی، خیانت وبددیانتی، ہر طرح کی کرپشن اور مالی لوٹ کھسوٹ وعدہ خلافی وبدعہدی، غیبت وبدگوئی، منافقت وریاکاری، بدگمانی وبدخواہی حرص و طمع۔ بخل ومال پرستی، رشوت وسودخوری، غیظ وغضب اور کینہ پروری فخر وغرور، عُجب وخودنمائی، حسد و غیبت، فحش گوئی وبدکلامی، ناپ تول میں کمی فضول خرچی ویاوہ گوئی اور دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ تجسس جیسے انسانیت کش اور قصرِ اخوت ومحبت میں دڑاریں ڈالنے والے رذائل اخلاق سے پاک ہوتا ہے۔

۷- اسلامی معاشرہ اخوت کا علمبردار معاشرہ:

اسلامی معاشرہ اخوت و بھائی چارے کا نقیب اور برادرانہ جذبات کو افزائش دینے والا معاشرہ ہوتا ہے۔ اخوت دینی ہی اسلامی معاشرے کی وہ اساس ہے جو افراد معاشرہ کو متحد ویکجان اور یکسو ویک جہت رکھتی ہے۔

اخوت کا جو تصور اسلامی معاشرت نے دیا ہے یہ اس کا اپنا ہی امتیاز ہے دنیائے فکر ونظر کا

کوئی نظریہ کوئی فلسفہ، کوئی نظام حیات ایسا نہیں جس نے اخوت کا وہ تصور دیا ہو جو اسلام نے دیا ہے۔ کسی مذہب کسی مصلح، کسی مفکر اور کسی فلسفی یا حکیم کے ہاں اخوت کا وہ تصور نہیں پایا جاتا جو دین مصطفوی نے پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اخوت کو انعام خداوندی سے تعبیر کیا ہے اور یہی اخوت اسلامی معاشرے میں فضائل کے فروغ، رذائل کی بیخ کنی اور امن و آشتی کے فروغ و استحکام کی مضبوط بنیاد ہے۔

۸- اسلامی معاشرہ عدل و انصاف کا نقیب معاشرہ:

عدل و انصاف اسلامی معاشرے کی وہ مستحکم بنیاد ہے جو کسی بھی معاشرے کے استحکام اور اسکی ترقی کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ عدل کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ انصاف کے بغیر کسی معاشرے کا وجود متصور نہیں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا قول ہے کہ معاشرہ کفر کے زیرِ تسلط تو قائم رہ سکتا ہے لیکن ظلم و ناانصافی کے تحت زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے اسلامی طرز معاشرت نے معاشرے کے تمام افراد اور جملہ طبقات کے لئے عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا ہے۔ اسلامی نظام عدل میں شاہ و گدا میں کوئی تمیز نہیں۔ یہاں خلیفہ وقت کو بھی ایک عام شہری کے مقابل عدالت میں پیش ہوکر اپنا حق ثابت کرنا پڑتا ہے۔

۹- اسلامی معاشرہ عدل احسان کا علمبردار معاشرہ:

عدل و احسان اسلامی معاشرے کا ایک اور حسن ہے۔ عدل سے مراد ہے جس قدر کس کا حق بنتا ہو اُسے قدر لے اور جس قدر دوسرے کا حق بنتا ہو اُسے دیا جائے۔ اسلام میں حسنِ معاملت کا یہ ادنیٰ معیار ہے۔ اسلام کے ہاں حسنِ معاملت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ جس قدر کسی کا حق بنتا ہو اس سے کم لے اور جس قدر دوسرے کا حق بنتا ہو اس سے بڑھ کر دیا جائے۔ احسان اسلامی معاشرے کا حقیقی حسن اور اس کی بنائے افتخار ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو احسان کی تعلیم دیتا اور اپنے طرز معاشرت

میں اس کی تلقین وتاکید کرتا اور اسی کو فروغ دیتا ہے تاکہ معاشرہ اخوت و بھائی چارہ، ہمدردی وغمگساری اور نفع بخشی وفیض رسانی کے اعلیٰ معیار سے گرنے نہ پائے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پایۂ عدل سے نیچے گرنا تو اسلام کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کیونکہ عدل کا قیام تو اسلامی معاشرے کا کم ازکم تقاضا ہے۔

۱۰- اسلامی معاشرہ مساواتِ انسانی کا آئینہ دار معاشرہ:

اسلامی طرز معاشرت مساواتِ انسانی کی آئینہ دار معاشرت ہے۔ اسلامی معاشرے میں کسی عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں۔ یہاں معیارِ فضیلت و برتری انسان کی نیکی اور تقویٰ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ادنیٰ و اعلیٰ، بادشاہ و گدا، حکمران و رعایا، مفلس وتونگر بحیثیت انسان سب برابر ہیں، یہاں ذات پات یا اونچ نیچ کی کوئی تقسیم نہیں۔

یہاں برہمن دستور کا کوئی وجود نہیں۔ تمام انسان بحیثیت ابن آدم برابر ہیں۔ شرف وتکریم انسانی میں سب برابر کے شریک ہیں۔ یہاں انسانی شخصیت کا سنگھار اور اس کا وقار وافتخار اسکی سیرت اور کردار ہے۔ کردار میں جو جس قدر دوسروں کے لئے نفع بخش وفیض رسان ہے اس قدر معزز و صاحب وقار ہے۔ جو کسی قدر تقوی شعار ہے اسی قدر معزز و باوقار ہے۔

اسلامی معاشرت کے محاسن کا ایک اور رخ:

اسلامی معاشرت کے محاسن کا انسانی زندگی کی مختلف سطحوں کے حوالے سے ایک اور نہایت اہم اور روشن پہلو بھی ہے جس کا تذکرہ بھی نہایت منفعت بخش اور فکر انگیز ہے۔

۱- حسنِ انفراد اور اس کے محاسن:

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کا نظام معاشرت انسانی زندگی کی ہر ہر سطح کو سنوارنا

اور اسے اسلام کے مجموعی حسن کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ انسان کی انفرادی زندگی کو متوازن، مرقعِ اعتدال اور مجموعہ محاسن بناتا ہے۔ انسان کو انسانِ مطلوب اور انسانِ مرتضیٰ بنانے کیلئے اُسے ایک نظام سے گزارتا ہے جسے تزکیۂ نفس کا عنوان دیا گیا ہے۔ اسے فضائل اخلاق کا خوگر بنانے اور رذائلِ اخلاق سے بچانے کیلئے معاشرے میں ایک ماحول فراہم کرتا ہے، صدق صداقت، امانت و دیانت، شرم وحیا، رحم ومودّت، عدل وانصاف، عفت و پاکبازی، ایفائے عہد، عدل واحسان، عفوودرگزر، حلم و بردباری رفق وتلطف، تواضع وانکساری، خوش کلامی وخوش گفتاری، اعتدال ومیانہ روی خود داری و عزت نفس، شجاعت وبہادری، ایثاروقربانی، حق گوئی و بے باکی، استقامت وثابت قدمی جسے اخلاقی محاسن سے فرد کی سیرت اور اسکے کردار کی تزئین کرتا اور ایک فرد کی حیثیت سے اسے پاکیزہ فکر، پاکیزہ عمل اور پاکیزہ کردار بناتا ہے۔

۲- حسنِ ازدواج اور عائلی زندگی کے محاسن:

اسلام کے معاشرتی نظام کی خشتِ اول اسلام کا عائلی نظام ہے اسی سے اسلامی معاشرے کی داغ بیل پڑتی ہے۔ اسلامی زندگی کی اس سطح کے محاسن کا خلاصہ ہم درج ذیل عنوانات کے تحت ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

(i) حسنِ مناکحت:

مرداورعورت میں تعلقِ ازدواج قائم کرنے کا واحد ذریعہ نکاح ہے جوایک نہایت پاکیزہ اور مقدس ذریعہ ہے۔ اسلام سے قبل عورت ومرد میں تعلقِ ازدواج کے مختلف طریقے مروج تھے۔ جن میں اکثر تو اتنے بے ہودہ اور شرمناک تھے کہ ان کا ذکر بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان طریقوں میں سے نکاح بھی ایک ذریعہ تھا جسے مزید نکھار دے کر اور بعض امور سے مشروط کر کے اسلام نے باقی رکھا۔

(ii) انتخابِ زوج میں رائے کا احترام:

اسلام میں انتخاب زوج کے سلسلہ میں ہر دو فریقین کی رائے اور حقِ انتخاب کا احترام کیا گیا۔ افراط و تفریط سے پاک راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ اسلام میں جبری شادی کا کوئی تصور نہیں اس طرح انتخاب زوج کے سلسلہ میں مادر پدر آزادی کے تصور کی حوصلہ شکنی کی گئی اور نام نہاد مغربی طرز زندگی اور تعلق زن و مرد کی تمام قبیح اور اخلاق سوز صورتوں کی اسلامی طرز معاشرت میں کوئی گنجائش نہیں۔

(iii) انتخابِ زوج کیلئے کُفو کا زریں اُصول:

انتخاب زوج کے سلسلہ میں کفو کا حقیقت پسندانہ اور نہایت حکیمانہ اصول متعارف کرایا گیا۔ علمی و فکری، مالی و اقتصادی، سیرت و کردار اور دیگر متعدد حوالوں سے فریقین میں مطابقت و ہم آہنگی ایک ایسی بنیاد ہے جو میاں بیوی کی آنے والی زندگی میں خوشگواری، خوشحالی، عزت و تکریم اور کتنے ہی خانگی محاسن کی مضبوط بنیاد بنتی ہے۔

(iv) حقوق الزوجین:

اسلام نے زوجین کے حقوق متعین کئے اور ان کی پاسداری و ادائیگی کو واجب کیا ہے مزید برآں ہر دو فریقین کی انفرادی سوچ، طبعی رجحانات، ذاتی جذبات اور شخصی رجحانات میں تنوع کو نقطہ اعتدال پر لانے ایک دوسرے کیلئے قابل قبول بنانے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے ایسے حسین اُصول فراہم کئے ہیں جو عائلی زندگی کو جنت کا نمونہ بنا دیتے ہیں۔

(v) عدل بین الازواج کا حکم:

اسلام میں مرد کیلئے بعض حالات میں دوسری شادی کی اجازت ہے اور اسلام کا ازدواجی

نظام متعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے لیکن بایں صورت عدل بین الازواج کو یقینی بنانا خاوند کیلئے ضروری ہے۔ نان ونفقہ اور ہر دیگر ضروریات زندگی کے حوالے سے اگر خاوند اپنا فرض ادا نہیں کر رہا تو نہ صرف وہ گنہگار ہے بلکہ بیوی اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔

(vi) حسنِ مطالقت:

جہاں پھول ہوں وہاں کانٹے بھی ہو سکتے ہیں۔ ازدواجی زندگی جب کامیابی سے بسر نہ ہو سکے اور فریقین میں جدائی تک کی نوبت آجائے تو فریقین کو ایک دوسرے کے ساتھ زبردستی رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے ایک راستہ شریعت نے مہیا کر دیا ہے جس کا نام طلاق ہے۔ طلاق جائز عمل تو ہے لیکن نگاہِ خداوندی میں ناپسندیدہ ہے اور اسے مبغوض ترین عمل گردانا گیا ہے۔ لیکن اس مقصد کے لیے بھی شریعت نے جو طریق کار مقرر کیا ہے نہایت ازدواج پرور، حکیمانہ اور فطری ہے۔ اگر فریقین میں نباہ ممکن نہ رہے اور طلاق بہر صورت ناگزیر ہو جائے تو بھی اگر اس ضابطے پر عمل کر لیا جائے تو دورانِ مدت میں اصلاح احوال کی مختلف صورتیں نکل سکتی ہیں اسلام نے ایک ساتھ تین طلاق کی مذمت کی ہے مختلف طلاقوں کے درمیان کم وبیش ایک ماہ کا وقفہ دینے کی تعلیم دی ہے اور اس دوران میاں بیوی کو ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کی تلقین کی ہے۔ اس حکیمانہ طریق کار کے اندر ہی کتنی گنجائش موجود ہے پھر طلاق کی مختلف اقسام بھی اس ضابطے کا حسن ہیں اس وقت طلاق سے متعلق مسائل کا احصاء مقصود نہیں فقط اتنا گوش گزار کرنا مقصود ہے کہ اس مبغوض ترین عمل میں بھی شریعت محمدی ﷺ نے مختلف محاسن رکھ دیئے ہیں جنہیں راقم نے اسلام کے نظام ازدواج میں حسنِ مطالقت سے تعبیر کیا ہے۔

حرف آخر:

اسلامی طرز معاشرت کے اور بھی متعدد محاسن ہیں اور روشن پہلو ہیں سب کا تذکرہ ممکن

نہیں۔ انہی محاسن پر اکتفا کرتے ہوئے راہوارِ تحریر آگے بڑھاتے ہیں۔

مصطفوی نظامِ اخلاق و اخلاقیات کے محاسن:

صاحب اسوہ حسنہ اور مکارم اخلاق کو تا حدِ کمال پہنچانے والے داعی اخلاق حضور ختمی مرتبت ﷺ نے جو تصورِ اخلاقیات یا نظامِ اخلاق دیا ہے اس کے امتیازی نکات و محاسن پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معلمین اخلاق میں آپ ﷺ کے مقام اور امتیاز کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

صاحب اسوۂ حسنہ سے پہلے ابن آدم کے اخلاقی معلمین کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- ایک وہ جماعت جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی آسمانی مذہب پر رکھی جیسے انبیاء کرام اور بعض مذاہب کے بانی۔

۲- دوسری جماعت وہ ہے جس نے فلسفہ وحکمت اور عقل و دانائی پر اپنے افکار کی بنیاد رکھی اول الذکر جماعت کو انبیاء و مصلحین اور دوسری جماعت کو حکماء فلاسفہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

پیغمبران و بانیانِ مذاہب نے اپنی تعلیمات کا ماخذ وحی الٰہی یا حکم خداوندی کو قرار دیا۔ ان کی تعلیمات سادہ اور فطری ہیں بالفاظ دیگر ان کی اخلاقی تعلیمات انسان کے اندر کی پکار کا جواب ہیں ان کی تعلیمات میں نہ علت و معلول کا سلسلہ ہے نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کے ہاں احکام و تعلیمات میں اخلاقی مصلحتوں کی تصریح ہے اور نہ عقلی حکمتوں کی توجیح جبکہ دوسرے فریق یعنی حکماء اور فلاسفہ کے ہاں علت و معلول کی تحقیق نفسیاتی خواص کی بحث، اخلاق کی غرض و غایت کی تعیین اور قوائے عملی کی تحدید سب کچھ ہے لیکن بحث و نظر سے آگے عمل کا درجہ محض صفر ہے۔

جبکہ دنیا کے آخری معلم اخلاق یعنی سید الانبیاء ﷺ کے ہاں حکم خداوندی اور عقلی دقیقہ رسی فرمانِ الٰہی اور اخلاقی نکتہ وری، امر ربانی اور حکم فطرت، کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔ انبیاء وحکماء میں جو اصل امتیاز ہے وہ یہ کہ حکماء عقل محض اور لسانِ فقط کے آئینہ دار ہوتے ہیں جبکہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی اُن کے مقدس کارنامے اور ان کے پاکیزہ اثرات بھی ہوتے ہیں جن کا فیض ایک چشمہ برکت بن کر پیاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ ان کی تربیت اور کردار سازی کرتا ہے بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں فقط دماغ اور زبان نہیں ہوتی بلکہ دل اور دست عطا بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سقراط وافلاطون اور ارسطو کے مقالات اور دروس اخلاقیات کو پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی صاحب اخلاق نہ بن سکا جبکہ انبیاء کے سرچشمہ اخلاق سے قوموں کی قومیں اخلاق کے بڑے بڑے مراتب و مدارج پر پہنچیں اور آج کرہ زمین پر جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کی کوئی کرن نظر آرہی ہے وہ نبوت ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر آرہی ہے۔

(سیرت النبی جلد ششم :۲۱)

آخری معلم اخلاق کا امتیاز:

لیکن اس وصف میں سارے انبیاء یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف مدارج ہیں نیز ان کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ان کے درجہ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہو تاکہ ہر ذوق اور ہر رنگ کے اہل صحبت اپنی استعداد کے مطابق ان کی عملی مثالوں سے متاثر ہوں اور پھر وہ روایتوں کے اوراق میں محفوظ بھی ہو تاکہ بعد میں آنے والے بھی نشانِ منزل پر قدم رکھ کے منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ الغرض ایک کامل ومکمل اور آخری معلم اخلاق کے لئے حسبِ ذیل معیاروں پر پورا اترنا ضروری ہے:

۱۔ اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہ ہو۔

۲۔ اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اس کی عملی صورت میں موجود ہو۔

۳۔ اسکی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسان کے ہر گروہ کیلئے اپنے اندر اتباع و پیروی کا سامان رکھتی ہو۔

تنقید و مطالعہ کے درج بالا معیاروں پر جب ہم انبیاء اکرام اور دیگر بانیانِ مذاہب کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں کہ جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو پوری طرح محفوظ ہو اور ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کر آئے کہ گویا وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

درجہ بالا معیارات پر اگر کوئی معلم اخلاق ہستی پورا بلکہ بدرجہ اتم پورا اترتی ہے تو وہ صرف آخری معلّم اخلاق خاتم النبین ﷺ کی ہستی ہے۔ یہاں صرف آپ کی پوری اخلاقی زندگی کا مکمل ریکارڈ ہی موجود نہیں بلکہ آپ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ چشم انسانیت کے سامنے بے نقاب ہے۔ آپ ﷺ کی جلوت ہو یا خلوت، سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، خوشی ہو یا غم عیادت ہو یا سیاست۔ غرضیکہ زندگی کا ہر ہر پہلو محفوظ ہے۔ یہاں قول و عمل میں صرف مطابقت تو کیا آپ کا عمل اور عملی نمونہ قول سے بلند تر نظر آتا ہے اور پھر آپ ﷺ کی تعلیم اخلاق اس قدر کامل و مکمل اور متنوع ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی پہلو دائرہ کی تعلیم سے باہر نہیں۔

اسلامی فلسفۂ اخلاقیات کے محاسن:

علامہ سید سلیمان ندوی نے اسلام کے فلسفہ حیات پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس کی روشنی میں مربی اخلاق ﷺ کے نظامِ اخلاق کے چند محاسن ہدیہ قارئین ہیں۔

۱۔ منبع اخلاق اولاً وحی الٰہی ثانیاً فطرت انسانی ہے:

یہاں اوّلیں منبع اخلاق وحی ہے۔ علمِ اخلاق کے مختلف گروہوں نے کہیں منبع اخلاق بادشاہ کا

قانون قرار دیا ہے تو کہیں کسی دوسرے حاکم کا قانون، کہیں حاسہِ اخلاق کی آواز تو کہیں ضمیر کی پکار کو کہیں وجدان کو تو کہیں عقل کو پھر کسی نے اس کے لئے کوئی بیرونی ماخذ کو خود انسان کے اندر تلاش کرنیکی کوشش کی ہے تو کسی نے باختلافِ مذاق فطرتِ انسانی کو اسکا ماخذ قرار دیا ہے۔ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے احکام کو وحی کے الفاظ میں بھی بیان کیا ہے اور انہیں بندوں کی فطرت میں بھی ودیت کرر کھا ہے تاکہ فطرت اگر کسی سبب خاموش رہے تو احکامِ الٰہی کی پکار انسان کو ہوشیار کردے۔

۲- بے غرضی واخلاص:

چونکہ اسلام میں اخلاق بھی دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے اس لئے اسکی غرض رعایت کو بھی ہر قسم کی دنیاوی، نفسانی اور مادی وذاتی اغراض سے پاک رکھا گیا ہے اور اخلاص کو محاسنِ اخلاق کی جان قرار دیا گیا ہے۔

۳- نیت وحسنِ نیت:

آخری معلم اخلاق نے اپنی تعلیمات میں نیت یعنی ارادہ قلبی کو ہر اچھے برے کام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے"انما الاعمال بالنیات" اعمال کا درومدار نیتوں پر ہے۔ روحانی حیثیت سے کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا یا برا نہیں ہوتا جتنا قلب کی کیفیت یا اندرونی نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص رات کے وقت کہیں جارہا ہو اور ایک عورت سامنے آئے اس نے اُسے بیگانہ سمجھ کر بری نیت سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر درحقیقت وہ اسکی اپنی بیوی تھی۔ اس نے کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا حالانکہ وہ اس کی بیوی نہ تھی تو پہلی صورت میں اس کا دل گنہگار ہو چکا جبکہ دوسری صورت میں اسکی بے گناہی بالکل ظاہر ہے۔ الغرض اخلاقی اعمال میں نیت کا اعتبار ہے اور نیت بھی ایسی جو حسنِ نیت کی آئینہ دار ہو۔

۴- اخلاق کے لئے ایمان کی شرائط:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اخلاق کی تمام تر بنیاد ارادہ ونیت پر ہے تو قلب کی اندرونی

کیفیت اور حالت کی درستی کے لئے یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ کوئی ہستی ایسی ہے جو ہمارے ہر گوشہ دل میں ہر وقت جھانک رہی ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں اسکی نظر میں ہیں اور پھر یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ مجھے ایک دن اس علیم وخبیر ہستی کے سامنے جوابدہ بھی ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری معلم اخلاق ﷺ کی تعلیم کے مطابق خدا اور آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ایمان کے بغیر کوئی بھی اچھے سے اچھا عمل آخرت میں کام نہ آئے گا۔

۵- اخلاقِ اسلام کی غرض و غایت:

حکماء اخلاق کا یہ کہنا درست ہے کہ انسان کا کوئی عمل بغیر غرض و غایت کے نہیں ہوتا لیکن اخلاق کی یہ غرض ہے کیا وہ آج تک اس پر متفق نہیں ہو سکے، سقراط، افلاطون، ارسطو کے زمانہ سے لے کر آج تک بایں سلسلہ بیسیوں نظریئے قائم ہو چکے ہیں کوئی آج تک رازِ حقیقت آشکار نہیں کر سکا۔ اسلام کو اس سے بحث نہیں کہ غرض و غایت کیا ہوتی ہے بلکہ اس بحث ہے کہ اخلاق کی غرض و غایت کیا ہونی چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ہر کام کی ادنیٰ و اعلیٰ۔ پست و بلند متعدد غرضیں ہو سکتی ہیں۔ اسلامی اخلاق کا حسن یہ ہے کہ اس کی حقیقی غرض و غایت رضائے الٰہی ہے۔

۶- اسلامی اخلاق ضمیر کی آواز ہے:

اسی نظام اخلاق کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے اندر کی آواز اور اسکے ضمیر کی پکار ہے۔ انسانی ضمیر کی آواز سے مراد انسان کی نفسیاتی کیفیت کا وہ زندہ احساس ہے جس کے ذریعے وہ برائی اور بھلائی میں تمیز کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گناہ کا کام کرنے سے پہلے اسکا دل خوف محسوس کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں لرزتے ہیں اور اپنی گنہگاری کے تخیل سے شدید ذہنی اذیت محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات دریائے ندامت میں غرق ہو کر گناہ سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔

۷- قلبی مسرت وانبساط...... اخلاقِ اسلامی کا ایک اور حسن:

اسلامی تصور اخلاق کا ایک اور حسن نیک کام کرنے پر قلبی مسرت وانبساط کا حصول ہے اور برائی کے ارتکاب پر انقباض وغم کے جذبات۔ اگر انسان کا ضمیر زندہ ہو، اسکے اندر کا انسان صحیح وصحت مند ہوتو اسے نیکی پر انشراح صدر اور برائی پر انقباض صدر کا تجربہ واحساس ایک امر بدیہی ہے یہ ایک اتنی ظاہر اور کھلی حقیقت ہے کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۸- خوف ورجا کے ہمدمی وہمقدمی:

اسلامی تصور اخلاق کا ایک اور حسن بیک وقت انسان کے دل ودماغ میں خوف ورجا کے جذبات کی موجودگی ہے۔ یونانی حکماء وعلماء اخلاق میں بھی دوطرح کے لوگ گزرے ہیں۔ ایک کو رونے والے فلسفی اور دوسرے کو ہنسنے والے فلاسفہ کہا جاتا ہے۔ پہلا گروہ ہر واقعہ سے یاس وناامیدی کشید کرتا نظر آتا ہے اور اسے تمام دنیا تاریک وخارزار نظر آتی ہے دوسرے گروہ کو عیش ونشاط اور بہار ورونق کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ان دونوں کے برعکس اسلامی تصور اخلاق میں خوف اور رجا بیک وقت ہمدم وہمقدم نظر آتے ہیں اور یہی اخلاق اسلام کا اصلی حسن ہے۔ اسلام کے فلسفہ اخلاق کے چند محاسن تو یہ تھے جن کا تذکرہ کیا گیا لیکن اسلامی دامن اخلاق میں اور بھی کتنے ہی محاسن ہیں جن کا احصاء اس وقت ممکن نہیں۔

اسلامی آدابِ زندگی کے محاسن:

آداب سے کیا مراد ہے:

انسانی زندگی کے شب وروز کے ضروری مشاغل رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے چالنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، نہانے دھونے اور اسی طرح کے دیگر گوناگوں مشاغل سے متعلق وہ

تمام عمدہ قواعد قرینے، سلیقے اور مخصوص طریقے جو ایک متمدن زندگی کے ضروری جز ہیں آداب کہلاتے ہیں۔ انہی طور طریقوں اور آداب کی پابندی و عدم پابندی لوگوں کو متمدن یا وحشی بناتی ہے۔ ان طور طریقوں کو اپنی زندگی کے شب و روز کے مشاغل میں ملحوظ رکھنا حسنِ ادب کہلاتا ہے۔

مختلف قوموں نے اپنے اپنے نظام زندگی میں آداب کو مختلف ذرائع سے لیا ہے۔ کسی نے رسم و رواج پر ان کی بنیاد رکھی ہے تو کسی نے حاکم و حکمران کے جاری کردہ اُصولوں کو اپنایا ہے۔ کسی نے حفظانِ صحت کے اُصولوں کو لیا ہے تو کسی نے فقط ہوائے نفس کی پیروی کی ہے۔

ذیل میں ہم اسلامی آدابِ زندگی کے محاسن بیان کریں گے۔ ان محاسن پر گفتگو کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جن جن معمولات زندگی سے متعلق ہمیں آداب فراہم کیے ہیں ان کی ایک جامع فہرست سامنے رکھ لی جائے۔ ا۔ طہارت اور اس کے آداب ۲۔ کھانے پینے کے آداب ۳۔ آداب مجلس، ۴۔ آداب ملاقات ۵۔ آداب گفتگو ۶۔ باہر نکلنے اور چلنے پھرنے کے آداب ۷۔ آدابِ سفر ۸۔ آداب لباس ۹۔ آدابِ خواب ۱۰۔ آدابِ مسرت ۱۱۔ آدابِ ماتم وغیرہ۔

محاسنِ آدابِ اسلامی:

ا- آدابِ اسلامی کا پہلا حسن / جامعیت و کاملیت:

اسلام چونکہ ایک مکمل نظام حیات ہے اور اپنی جملہ تعلیمات میں جامعیت و کاملیت کی شان رکھتا ہے۔ لہٰذا آداب اسلامی میں بھی جامعیت و کاملیت کا رنگ نمایاں ہے یہ انسانی زندگی کے ہر شعبے اور ہر شغل و مصروفیت پر محیط ہونے کے ساتھ ساتھ ہر ہر شغل کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں اور کسی حرکت و مصروفیت زندگی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں رہنے دیتے۔ راقم نے اپنی منظوم سیرت کی آخری جلد میں ان آداب کے محاسن اور ان کے ہر ہر پہلو پر جامعیت و ہمہ گیریت پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ بایں موقع کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسرا حسن ...... انسانی فطرت کی آئینہ داری:

اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس کی تعلیمات بھی فطرت انسانی کے تمام تقاضوں کو نہ صرف ملحوظ رکھتی ہیں بلکہ فطرت انسانی کے ہر تقاضے پر پوری بھی اُترتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا فطرت انسانی کے ساتھ یہ دو جہتی تعلق اس کا حقیقی امتیاز ہے۔ اب چونکہ آداب بھی اسی دین فطرت کا حصہ ہیں اس لئے وہ بھی سب کے سب فطری ہیں یعنی فطرۃً پسندیدہ نگاہ انسانی میں محبوب و مرغوب اور عقل سلیم کے نزدیک لائق قبول ہیں۔

۳- آداب کی پاسداری میں صفائی قلب کا اہتمام:

آداب کی پاسداری میں بعض اوقات انسان خدا کو بھول جاتا ہے اور دل کی صفائی باقی نہیں رہتی اس لئے شریعت مصطفوی نے ان سے پہلے ان کے بعد اور ان کے ساتھ چند دعائیں مسنون کر دیں جو بندے کو خدا کی یاد دلاتی ہیں اور عمل میں برکت و عافیت کا باعث بنتی ہیں جیسے کھانا کھانے سے پہلے کی دعائیں اختتام کی دعائیں۔ کپڑا پہنتے وقت کی دعا، گھر سے نکلتے وقت کی دعا، واپس داخل ہوتے وقت کی دعا، چھینک پر دعا، کسی اچھی خبر سننے پر دعا۔ بُری خبر سننے پر دعا، سونے سے پہلے دعا، بیدار ہونے پر دعا، طہارت حاصل کرتے وقت کی دعا، وضو کے ہر ہر رکن پر دعائیں۔ غرضیکہ اسلامی آداب کا یہ ایک نہایت حسین پہلو ہے کہ زندگی کے ہر ہر کام کی ابتدا اور ہر مصروفیت میں داخل ہوتے اور خارج ہوتے وقت تک کی دعائیں تعلیم کر دی گئی ہیں اور یہ دعائیں عامل کے عمل کو اس کے لئے باعثِ صد ہزار برکات بنا دیتی ہیں۔

۴- تعلیم آداب میں ترغیب و ترہیب کا پہلو:

شریعت محمدی ﷺ نے تعلیم آداب میں بھی نہایت خوبصورتی سے ترغیب و ترہیب کا پہلو

قائم رکھا ہے اور بعض افعال کو شیطانی مزاج کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے منع کیا ہے۔ جیسے ایک جوتا پہن کر چلنا بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا اسی طرح بعض اعمال کو فرشتوں کے ساتھ مناسبت سے متعلق کیا ہے جیسے بتایا گیا کہ گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت دعا کرنا انسان کو فرشتوں کے قریب کر دیتا ہے۔

۵- مفید کی تعلیم مضر کی ممانعت اور بے نفع ونقصان چیز پر اباحت کا حکم:

شریعت محمدی ﷺ نے تنفیذ آداب کے ضمن میں مفید کی تعلیم دی ہے جو عمل غیر ضروری ہے اس سے روکا اور جس چیز میں نفع یا نقصان کچھ بھی نہیں اس پر اباحت کا حکم رکھا ہے یعنی مباح یا جائز۔

۶- تجربۂ مضر پر ممانعت کا حکم:

بعض ایسی چیزیں جن سے تجربۂ تکلیف پہنچتی ہے ان سے روکا ہے جیسے ایسی چھت پر سونا جس پر کوئی آڑ یا دیوار نہ ہو، سوتے وقت چراغ کو جلائے رکھنا، گھر سے نکلتے وقت اگر چولھے وغیرہ میں آگ جل رہی ہو تو اسے بجھا دینے کا حکم کسی برتن میں دیکھے بغیر ہاتھ ڈالنے کی ممانعت۔ کپڑا جھاڑ کر پہننے کی ہدایت اور پہننے سے پہلے جوتے کو جھاڑ لینے کی ہدایت۔

۷- مسرفانہ وعیش پرستانہ رہن سہن کی ممانعت:

شریعت محمدی ﷺ نے مسرفانہ اور پر تعیش رہن سہن سے روکا ہے جیسے چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا کھانا اور مردوں کے لیے زرق برق لباس پہننا وغیرہ۔

۸- وقار وتمدن کے منافی مشاغل کی ممانعت:

شریعت محمدی ﷺ نے ایسے تمام مشاغل اور کاموں سے بھی روکا ہے جو انسانی وقار اور

تمدن کے منافی ہوں جیسے عورتوں کا ناخن بڑھانا۔ مردوں کا مونچھیں بڑھانا۔ عورتوں کے لئے مردانہ وضع قطع اور لباس اسی طرح مردوں کے لئے نسوانی وضع قطع اور نسوانی لباس کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔

۹- شریعت مصطفوی کی شانِ تکمیل:

مندرجہ بالا محاسن کی رو سے شریعت محمدی ﷺ کی آدابِ زندگی کے حوالے سے تکمیلی شان کا پہلوئے حسین کھل کر سامنے آتا ہے یعنی دنیا کی تمام مہذب قوموں نے اجتماعی و معاشرتی زندگی میں آداب کی بنیاد جن اُصولوں پر قائم کی تھی۔ اسلامی آداب معاشرت میں ان سب کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اسلامی آداب ہر طرح کے اخلاقی، تمدنی، طبی، سماجی فوائد پر مشتمل ہیں اور ان کی پیروی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا، آپ ﷺ کی اتباع، روح و جسم کی پاکیزگی، ماحول کی ستھرائی صفائی، اخلاقی طہارت، فکری بلندی حسن معاشرت اور حفظانِ صحت جیسی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں اور انہی محاسن و مشاغل حیات سے اسلامی معاشرت کا حسن نکھرتا ہے۔ رب العزت ان آداب کی پاسداری کی توفیق عطا فرمائے اور آج ہم اہل ایمان اور بالخصوص ہماران نوجوان طبقہ زن و مرد مغربی تہذیب کی نقالی میں جن راستوں پر چل نکلا ہے اسے ان خرافات سے اپنا دامنِ کردار بچانے کی توفیق مل جائے۔ راقم نے مذکورہ آداب علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرت النبی ﷺ جلد ہفتم میں اسلامی آداب کے باب کے آخر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کردہ فلسفہ آداب سے اخذ کئے ہیں۔

حکمت ربانی کا چشمۂ نور

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ.

علامہ سید سلیمان ندوی کو مصنف کا خراجِ تحسین:

آخر میں سیرت النبی کے مصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کا وہ اختتامیہ جو انہوں نے اپنی

تصنیف کی جلد ششم کے اختتامیے پر ''حکمت ربانی کا چشمۂ نور'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ من وعن آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں۔ میں نے بھی اپنی منظوم سیرت ''سیرت طیبہ'' کے حصہ عبادات، اخلاقیات اور آداب میں ان ہی کی تصنیف کو سامنے رکھا ہے اور آپ کے زیر مطالعہ اس کتاب میں بھی اسلامی نظامِ اخلاق اور آداب زندگی کے محاسن کے اخذ و بیان میں انہی کی تصنیف سے خوشہ چینی کی ہے۔ اختتامی اقتباس ملاحظہ فرمائیں اور حسن عقیدت و معرفت مصطفوی و تعلیمات مصطفوی کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر اپنے نصیب کے موتی اپنے دامن میں بھرلیں۔ علامہ ندوی لکھتے ہیں۔

ناظرین! آپ نے کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھ لیا۔ اسلام کی اخلاقی تعلیموں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اخلاقی ہدایتوں کا ایک ایک لفظ آپ کی نظر کے سامنے آ گیا۔ آپ نے دیکھا کہ اسلام کا فلسفہ اخلاق کتنا مکمل۔ اس کی تعلیم کتنی کامل اس کے تہذیب و تمدن کے اصول کتنے اعلیٰ اور اس کی اخلاقی تربیت کے نظریے کتنے بلند ہیں اور یہ سب کچھ ایک نبی امی کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ اگر حضور ﷺ کی صداقت کی کوئی اور دلیل نہ بھی ہوتی تو یہی ایک چیز کافی تھی کہ جس بلندی تک حکمائے زمانہ فلاسفہ روزگار اور قوموں کے معلم پہنچنے سے عاجز رہے معلم امی ﷺ کسی انسانی تعلیم کے سہارے کے بغیر وہاں تک پہنچ گئے۔ اگرچہ یہ بات خود بھی اپنی جگہ پر بہت بڑی ہے لیکن اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اس قوم کو جو تہذیب سے نا آشنا اخلاقِ عالیہ سے بیگانہ اور سلیقہ و شعور سے عاری تھی، نہ صرف اخلاق و تمدن کے ایسے عہد حکیمانہ اصول اور نظریئے سکھائے بلکہ اپنی تعلیم و تربیت کے صیقل سے ان میں ایسی جلا پیدا کردی کہ دنیا ان کے اخلاقی جلوؤں کو دیکھ کر ششدر رہ گئی اور حضرت ابراہیمؑ کی وہ دعا قبول ہوئی یا یہ کہیئے کہ وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو اسماعیلی نسل میں خاتم المرسلین ﷺ کی آمد کے لئے کی گئی تھی۔ **یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و یزکیھم** یعنی ایسے نبی جو ان امتیوں کو اللہ کے احکام اور اخلاق و حکمت سکھائے اور ان کو اپنی تعلیم و تربیت سے پاک وصاف کر کے نکھار دے۔ یہ نکھارنے والا آیا اور نکھار دے کر دنیا کو پر بہار بنا گیا۔ ......

رہوارِ قلم چل اسی جانب کہ جہاں پر
ہر حسن کا منبع ہے ہر خوبی کا نظارا

یہ ایک خراج تحسین تھا جو مجھ جیسے ادنیٰ انسان کے نوکِ قلم پر اپنے وقت کے ایک جید عالم اور عظیم سیرت نگار کی بابت از خود مچل کر آ گیا! آیئے ہم اپنے راہوار قلم کو پھر اسی عالم جذب و مستی اور جہان فکر و دانش میں لے چلیں جہاں سے سلسلہ کلام ٹوٹا تھا۔ یعنی تاجدار کائناتِ حسن و خوباں کی ہمہ نوع تعلیمات کے محاسن اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے روشن میناروں کی طرف۔

شاہکارِ ربوبیت کے حسن ظاہری اور اسوۂ حسنہ کے چند تابندہ نقوش:

رب محمد ﷺ نے اپنے محبوب سید المرسلین ﷺ کی ذاتِ اقدس کو مجموعہ حسنِ و جمال اور ظاہر و باطنی محاسن کا مرقع بنایا حسنِ صورت میں بھی آپ ﷺ اپنی مثال ہیں اور حسن سیرت میں آپ ﷺ بے مثل و بے مثال اور یکتا و یگانہ ہیں۔ نہ آپ ﷺ کے ظاہری حسن میں کوئی آپ کا مثیل و سہیم ہے اور نہ ہی باطنی حسن یعنی سیرت و اسوہ حسنہ میں کوئی آپ ﷺ کا مماثل یا شریک و سہیم آپ ہر اعتبار سے بے نظیر و بے مثال اور ہر ہر معیار حسن کے حوالے سے لاجواب و باکمال ہیں۔

سیرت نگاروں نے آپ کے ظاہری و باطنی محاسن یعنی آپ ﷺ کے حسنِ صورت اور حسنِ سیرت پر ابواب قائم کئے ہیں۔ آپ ختمی مرتبت کے خدو خال اور حلیہ مبارک کے چند محاسن کا ذکر ہم نے بھی اسی کتاب میں اصحاب النبی اور مظاہر محبت کے باب میں کر دیا ہے۔ شاہکار ربوبیت اور رونق بزم کائنات ﷺ کے خلق عظیم یعنی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے چند پہلوؤں یعنی صبر و حلم، عفو و درگذر عمومی شفقت و رحمت، امت کیلئے شفقت و رحمت، کفار اور غیر مسلموں پر شفقت و رحمت، حسنِ معاشرت کی تاکید، عورتوں کے حقوق اور صنف نازک کیلئے شفقت و رحمت، بچوں کے لئے شفقت و رحمت آپ ﷺ کی رحمت عامہ، یتامیٰ و مساکین اور بیوگان کے لئے شفقت و رحمت، غلاموں

ملازموں اور دیگر طبقات کے لئے شفقت و رحمت، چوپائیوں اور پرندوں کے لئے شفقت و رحمت، نباتات و جمادات پر شفقت و رحمت، سخاوت، ایثار و قربانی تواضع وحسنِ معاشرت، شجاعت و بہادری اور عزم واستقلال، زہد وریاضت، خشیت الٰہی عدل واحسان حلم و بردباری تحمل و برداشت انصاف و قانون کی بالا دستی، شرم و حیا، عفت و طہارت، ایفائے عہد، حسنِ معاملہ وحسنِ معاملت، آپ ﷺ کے تقسیم اوقات، آپ ﷺ کی جلوت، آپ ﷺ کے خلوت و مجلس کے احوال اور دیگر محاسن سیرت سیرت کی ہر کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ راقم نے بھی اپنی منظوم سیرت کی آخری جلد یعنی اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی میں ان تمام محاسن سیرت مصطفےٰ پر بتفصیل لکھا ہے۔ البتہ تصنیف ہذا میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ قارئین کی خدمت میں ایک نئی چیز پیش کی جائے۔ سیرت مصطفوی و تعلیمات مصطفوی ﷺ کے حوالے سے استخراجی واستدلالی مباحث سامنے لائے جائیں اور پھر ان سے موضوع تصنیف پر استنباط واستشہاد کیا جائے۔

جب ذاتِ مصطفوی و دینِ مصطفوی کا ہر ہر پہلو مجموعۂ محاسن ٹھہرا:

لہٰذا فصل ہذا کے آخر میں حاصل کلام کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہکار ربوبیت کی ذات مقدسہ کا ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشہ سراپا حسن اور ہمہ نوع محاسن کا مجموعہ ہے آپ حسنِ ظاہری سے بھی مالا مال ہیں اور حسنِ باطنی سے بھی آپ ﷺ کی صورت بھی حسین ہے اور سیرت بھی حسین۔ آپ کی شخصیت اور تعلیمات میں حسنِ فکری بھی ہے اور حسنِ عملی بھی، حسن عفو بھی ہے اور حسن تحمل بھی، حسن معاملہ بھی ہے اور حسن معاملت بھی، حسنِ مروت بھی ہے اور حسن مصاحبت بھی، حسنِ خلوت بھی ہے اور حسنِ جلوت بھی حسنِ توازن بھی موجود ہے اور حسنِ اعتدال بھی، حسنِ تکلم بھی ہے اور حسنِ تبسم بھی آپ ﷺ کی ذات میں حسن حسب بھی موجود ہے اور طہارت نسب بھی۔ پھر آپ کی تعلیمات کے حوالے سے دیکھیں تو آپ ﷺ کا پیش کردہ دین اسلام بھی مجموعہ محاسن ہے اور آپ کی دی ہوئی شریعت بھی

سراسر حسن، آپ کا پیش کردہ نظامِ عبادت بھی سراسر حسن اور محاسن کا مرقع ہے، آپ ﷺ کا دیا ہوا اسلوب دعوت وتبلیغ بھی گونا گوں مظاہر حسن کا مجموعہ ہے اور آپ ﷺ کا دیا ہوا نظام تربیت بھی ایک شاندار اور سراسر حسن نصاب تربیت وتزکیہ ہے۔ آپ ﷺ کا دیا ہوا نظام اخلاق بھی سراسر مجموعہ محاسن ہے اور آپ کا دیا ہوا نظامِ معاشرت بھی محاسن کا آئینہ دار۔ آپ ﷺ کا دیا ہوا نظام آداب بھی سراسر حسن ہے اور آپ کا دیا ہوا نظام معاملات بھی مجموعہ محاسن۔ آپ کا نظامِ سیاست بھی مجموعہ محاسن ہے اور نظام اقتصادیات بھی سراسر حسن۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں حسنِ انفراد بھی ہے اور حسنِ ازدواج بھی۔ معاشرتی زندگی کی خشت اول یعنی عائلی زندگی میں حسنِ مناکحت بھی ہے اور حسنِ مطالقت بھی معاشرتی زندگی میں باہمی حقوق وفرائض کے حوالے سے نظر ڈالیں تو حسنِ ایتائے حقوق بھی ہے اور حسن تحفظ حقوق بھی۔ غرضیکہ جہان فکر ودانش کا ہر ہر فکر اور ہر گوشۂ عمل جو بھی آپ ﷺ سے منسوب ہوگیا ہے سراسر حسن اور مرقع محاسن بن گیا ہے۔

الغرض وہ ہستی جو سراسر مجموعہ محاسن ہو اپنی صورت میں اپنی سیرت میں اپنی تعلیمات میں اپنے معمولات میں جس کا دین حسین ہو جس کی کتاب حسین جسکی شریعت حسین ہو جسکی طریقت حسین، جس کی معاشرت حسین ہو جسکی تربیت حسین، جس کی دعوت حسین ہو جسکا اسلوب دعوت حسین، غرضیکہ جو خود مجموعہ محاسن ہو اور جس کا پورا کا پورا دین اور تعلیمات دین حسین ہوں تو.............. پھر سوچئے کہ حسن ومحبت کا تو ازل سے چولی دامن کا ساتھ ہے یہ دونوں لازم وملزوم ہیں جہاں حسن کا وجود ہوگا وہیں محبت بھی موجود ہوگی۔

حسن اور محبت کا ازل ازل کا ساتھ:

حسن محبت کا خراج وصول کرنے کیلئے پیدا ہوا ہے اور محبت حسن پر فدا ہونے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ جہاں حسن کا کوئی ادنیٰ سا مظہر بھی موجود ہوگا وہیں محبت اُس کا خراج بن کر اس کے

قدموں میں آ گرے گی۔ جہاں حسن کا کوئی جلوہ اپنی جھلک دکھائے گا وہیں محبت اس کا طواف کرنے کیلئے پیش پیش ہو گی تو پھر دوستو! جہاں ایسا حسن جلوہ گر ہو جو حسنِ الٰہی کا مظہر کامل اور تجلیاتِ الٰہیہ کا پرتوِ اکمل ہو' ذات وصفاتِ الٰہیہ کا نہ صرف مظہر اوّل بلکہ مُظہرِ اوّل بھی ہو۔ جو خالق کا محبوب بھی ہو اور منظور بھی۔ جو عالمِ امر و عالمِ خلق کے ہر ہر وجود کا بھی محبوب ہو اور عالمِ ملکوت کے ہر ہر فرد کا محبوب و مرغوب بھی۔ جو خالق و مخلوق کی محبتوں کا نکتہء اتصال ہو اس مرقعٔ حسن و مرکز جمال ہستی کے ساتھ محبت اصل ایمان بلکہ عین ایمان نہیں ہو گی تو پھر مجھے بتایا جائے کہ ایمان آخر کس چیز کا نام ہو گا اور نصابِ ایمان میں ایسی مرقعِ حسن و جمال ہستی کے ساتھ یگانہ عشق و والہانہ محبت پر اصرار نہیں کیا جائے گا تو پھر اور کون سی چیز اس مقام کی حامل ہو گی کہ اُس کی محبت پر سب سے بڑھ کر اصرار کیا جائے۔

یہاں کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات بھی آ سکتی ہے کہ حُبِّ رسول ﷺ کی اہمیت کو جس قدر شدومد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے تو یوں لگتا ہے جیسے حُبِّ الٰہی کا تصور پس منظر میں چلا گیا ہو' ایسا سوچنا محض حقیقت سے بے خبری اور نادانی ہے۔ حُبِّ الٰہی کا اپنا مقام ہے ہمارا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ پر ایمانِ کامل ہے لیکن کیا کیا جائے کہ محبت حسن کا ایک محسوس پیکر چاہتی ہے۔ نظر آنے والا وجود اور دکھائی دینے والا جلوہ چاہتی ہے۔ ربِ محمد ﷺ کا تو پیکرِ محسوس میں جلوہ گر ہونا ناممکن و محال ٹھہرا اس کا جلوہ حسن تو کسی کو دکھائی نہیں دیتا وہ ایسا حسن مطلق ہے جو دائرہ بصارت میں سماتا نہیں............تو پھر اسکی مشیت یہ ہوئی کہ حسن و جمال ربوبیت کا مظہر ایک ایسا حسی وجود عالم خلق میں بھیجا جائے جو اپنے ظاہر و باطن میں اس کے جلوہ ہائے حسن کا پرتوِ کامل اور مظہر اتم ہو پس اس نے ذاتِ محمدی ﷺ کو خلعت وجود بخشی جس کے جلوۂ صورت میں اپنے حسن مطلق کا عکس ڈالا اپنے حسن کی تجلیات کو منعکس کیا اور چشم انسانیت کو دعوت نظارہ دی کہ وہ عدسہ ایمان درمیان میں رکھ کر میرے جلوۂ حسن کا دیدار کرے اور میرے بنائے ہوئے اس پیکرِ حسیں کو اپنی محبتوں کا کعبہ اور چاہتوں کا قبلہ بنائے میرے محبوب کو اپنا محبوب بنائے اور اس طرح اس سے کی جانے والی محبت در حقیقت میری ہی

محبت قرار پائے گی اور اس پیکر جمال کی خدمت میں پیش کیا جانے والا خراجِ محبت میں خود اپنے ہاتھوں وصول کروں گا کیونکہ اس سے محبت خود میری محبت ہے اور اس کی محبت سے اعراض خود مجھ سے دوری ہے۔ اس لئے میری محبت کے دعویداروں کو اس کی محبت میں فنا ہو کر دکھانا ہوگا۔ اس کے علاوہ میری محبت کا کوئی تصور میری نگاہ میں لائق اعتبار و قابلِ اعتناء نہیں۔

حاصلِ کلام:

باب ہذا میں پیش کی گئی تحقیقات کی روشنی میں ہم بحمداللہ تعالیٰ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ عالم امر کے جملہ لطائف نے بھی حبِ رسول ﷺ کی سب معنوی و تشریعی بنیادیں ہمارے سامنے کھول کر بے نقاب کر دیں۔

عالمِ خلق کے جملہ مادی اور منافع بخش حقائق نے بھی حبِ رسول ﷺ کی تمام عقلی و منطقی بنیادیں ہم پر روزِ روشن کی طرح آشکار کر دیں۔

عالمِ تشریع و ہدایت نے بھی اپنے منابع اور مصادر کی روشنی میں حبِ رسول ﷺ کی ساری فکری و اعتقادی بنیادیں ہم متلاشیان حقیقت کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

عالم جذب و مستی نے بھی اپنے لطائف نادرہ کی روشنی میں حبِ رسول ﷺ کی قلبی و جذباتی بنیادوں کو ہم طالبانِ معرفت محمدی ﷺ کے سامنے واشگاف کر دیا۔

اسی طرح جہانِ فکر و دانش نے بھی اپنے نظری محاسن کی روشنی میں حبِ رسول ﷺ کی ایمان پرور اور فکری و نظری بنیادوں کی صورت میں سارے حجاب اُٹھا دیئے۔

تو پھر ربِ محمد اور ربِ محمد کے پیدا کئے ہوئے سب عوالم اور ان میں موجود سب حقائق نے ببانگِ دہل یہ اعلان کر دیا کہ کائنات ارض و سما میں اگر کوئی ہستی ایسی ہے جس کے ساتھ محبت ہر شے سے بڑھ کر کی جائے تو وہ صرف ایک ہی ہے جس کا نامِ نامی محمد ﷺ ہے۔ یہ ہستی محبوب ربِ کائنات

ہے۔ محبوبِ کائنات ہے۔ محبوب رب العالمین ہے۔ محبوب العالمین ہے تو پھر ربِ کائنات کی پیدا کی ہوئی دنیا میں جو طبقہ اور جو اُمت ربِ کائنات پر ایمان رکھتی ہو رب العالمین کی غلامی کا دم بھرتی ہو وہ ربِ کائنات کے پیدا کئے ہوئے عالمِ آب وگل میں موجود اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہو جس کے دامن میں رب کی دی ہوئی رُشد و ہدایت کی نعمت ہو اور آخرت میں بھی ربِ محمد سے جنت کی طلبگار ہو تو پھر رب پر ایمان اسکی محبت کی دعویداری اور دنیا و آخرت میں ملنے والی نعمتوں پر ازرہِ امتنان وتشکر بھی اس کے لئے لازم ولابدی ہے کہ وہ اپنے رب کی شانِ ربوبیت کی شاہکار ہستی، رب العالمین کی شانوں کی مظہرِ اتم اور اس کی محبوب ترین ہستی کو اپنی تمام تر محبتوں کا قبلہ اور اپنی تمام چاہتوں کا مرکز و محور بنائے۔

بنا بریں ایمان ونصابِ ایمان میں اس ذی مرتبت و ذی حشم اور ہستی ذیشان و ذی وقار کی محبت پر سب شعبہ ہائے ایمان اور ارکانِ دین سے بڑھ کر زور دیا گیا۔

چوتھا باب

صحابہؓ اور مظاہرِ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ منفرد اعزاز اور جداگانہ شرف و امتیاز ہے کہ انہیں سرورِ کائنات ﷺ کا مبارک زمانہ نصیب ہوا۔ اِن مقدس ہستیوں نے براہِ راست اللہ کے رسول ﷺ سے دولتِ ایمان وصول کی۔ آپ ﷺ سے دین سیکھا اور آپ ﷺ کی متابعت میں آپ ﷺ کے روبرو اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان و عمل، دین وروحِ دین کے معاملے میں عملی معیار ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ صحابہؓ بلاشبہ اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کے بھی زندہ پیکر تھے اور حبِ رسول ﷺ کے بھی مظہر اتم۔ ان کی پوری زندگی نسبتِ مصطفوی ﷺ کے گرد گھومتی تھی وہ محبت و اتباعِ رسول ﷺ جیسے اساسی دینی تصورات کی فکری و نظری اہمیت سے بھی بخوبی آگاہ تھے اور ان دونوں تصورات کے عملی و اطلاقی تقاضوں سے بھی کما حقہ، باخبر۔ بنابریں وہ ہر دو ایمانی تقاضوں کی بجا آوری میں ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے۔ جہاں ایک طرف احکاماتِ خداوندی کی روشنی میں اتباعِ مصطفوی ﷺ کا حق ادا کرتے، وہیں رب مصطفےٰ ﷺ کی رضا کے حصول کیلئے پیکرِ عشق بنے شب و روز اس کے محبوب ﷺ پر دل و جاں بھی نچھاور کیا کرتے۔

باب ہذا میں ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے محبتِ رسول ﷺ کے عملی مظاہر کا تفصیلی تذکرہ کریں گے تاکہ اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کیا جاسکے کہ ان کے نزدیک نصابِ ایمان میں حبِ رسول ﷺ کا مقام کیا تھا۔ وہ محبوبِ خدا ﷺ کو کس نگاہ سے دیکھتے اور کس کس انداز میں آپ ﷺ کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے تھے اور کس کس طرح جانِ

عالم ﷺ کے حضور اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا خراج پیش کرتے تھے۔

مذکورہ حوالے سے معمولاتِ صحابہؓ کا تفصیلی تذکرہ اسلیئے بھی ضروری ہے کہ حبِ صحابہؓ کے علمبردار دین کے ان پُرجوش داعیوں پر اتمام حجت کیا جاسکے جو اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کے تصور پر تو جان چھڑکتے نظر آتے ہیں لیکن حبِ رسول ﷺ کے تصور کا عملاً انکار کرتے ہیں اور اہلِ محبت کے بعض محبت آفریں معمولات پر بے جا طعن و تشنیع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ نیز غیر جانبدار اور انصاف پسند قارئین کو دعوتِ فکر دی جاسکے کہ اسوۂ صحابہؓ جو ہر دور کے مسلمانوں کیلئے حجتِ شرعی کا درجہ رکھتا ہے اس سلسلے میں کیا ہے؟ کیا محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا تعلق بھی اِن لوگوں کی طرح فقط واجبی و رسمی اور قانونی و اعتقادی نوعیت کا تھا یا اس تعلق کی جڑیں قلبی و جذباتی سطح تک اُتری ہوئی تھیں۔ کیا صحابہؓ فقط حضور ﷺ کی اطاعت و اتباع ہی کا دم بھرتے تھے یا آپ ﷺ کی تعظیم و محبت میں بھی فنائیت کے مظہر تھے۔ کیا صحابہ کرامؓ بھی ان لوگوں کی طرح فقط حضور ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہی کے علمبردار تھے یا آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے ان پہلوؤں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے نورانی سراپا آپ ﷺ کی شخصیتِ مطہرہ کے اعجازی و امتیازی پہلوؤں اور آپ ﷺ کو حاصل دیگر اعزازات و کمالات پر بھی جان چھڑکتے تھے۔ کیا صحابہؓ بھی محبتِ رسول ﷺ اور اتباعِ رسول ﷺ جیسے اہم دینی تقاضوں کو باہم یکدگر اور ایک دوسرے کا عین سمجھتے تھے یا دونوں کی الگ الگ مستقل اور جداگانہ دینی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے دونوں کی بیک وقت پاسداری کا اہتمام کرتے تھے یا کیا صحابہؓ حضور ﷺ کے منصبِ رسالت کے فقط بشری و انسانی پہلوؤں پر ہی نظر رکھتے تھے یا آپ ﷺ کو بحیثیت رسول حق تعالیٰ کا نمائندہ و مظہر ہونے کی حیثیت آپ ﷺ کو حاصل اعزازات و کمالات اور امتیازات پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کیا اُن کی نظر ہمہ وقت آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے اس پہلو پر رہتی تھی کہ آپ کس عالم میں اور کن لوگوں میں تشریف لائے ہیں یا اس پہلو پر بھی نظر رکھتے تھے کہ آپ کس عالم سے اور کس ہستی کی طرف

سے نمائندہ بنا کر اس عالم میں بھیجے گئے ہیں۔

حیات صحابہؓ کا سرسری مطالعہ بھی اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہے کہ صحابہؓ کا محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ تعلق محض واجبی و رسمی یا فقط قانونی و اعتقادی نوعیت کا نہ تھا بلکہ اس تعلق کی جڑیں قلب و باطن کی گہرائیوں تک اُتری ہوئی تھیں۔ صحابہؓ حضور ﷺ کو دنیا و مافیا کی ہر شے سے بڑھ کر چاہتے تھے وہ آپ ﷺ کی محبت کے اسیر تھے۔ آپ ﷺ کی ذات ہی ان کی تمام تر چاہتوں کا قبلہ اور جملہ ایمانی و عملی کاوشوں کا محور تھی۔ وہ اپنی فکری و اعتقادی زندگی میں حُبِ رسول ﷺ کی اہمیت پر بہ دل و جاں ایمان رکھتے تھے اور اس محبت کے اظہار میں ہر ایسا انداز بلاتکلف اپناتے تھے جو صانعِ حقیقی کی طرف سے انسانی فطرت میں ودیعت کردہ ہے اور جسے ہر انسان اپنی محبوب شخصیت کے ساتھ اظہارِ محبت کیلئے بتقاضائے فطرت اپناتا ہے۔

اظہارِ محبت کے فطری ذرائع یعنی محبوب شخصیت کے اعضائے بدن کا بوسہ، ذکرِ محبوب میں رطب اللسانی، آثار و منسوباتِ محبوب سے والہانہ عقیدت و محبت، محبوب کی حسین یادوں سے پیار، تصورِ جاناں میں خود فراموشی اور فراقِ یار میں بے چینی و اضطراب کے حوالے سے اگر ان مشتاقانِ جمالِ مصطفوی ﷺ کی کیفیاتِ جذب و مستی پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایمان افروز حقیقت سامنے آتی ہے کہ صحابہؓ اپنے قبلۂ دین و ایماں کے حضور اظہارِ محبت میں مذکورہ بالا ہر فطری انداز بلاتکلف اپناتے اور گوناگوں مظاہرِ محبت کے ذریعے شب و روز اپنے قلب و نظر کی ٹھنڈک کا سامان کیا کرتے تھے۔

آیئے تھوڑی دیر کیلئے وقت کی بساط واپس لپیٹتے ہوئے ''خیر القرون قرنی'' کا اعزاز رکھنے والے مبارک دَور میں جھانک کر دیکھیں کہ تاریخِ انسانیت کا سرمایۂ افتخار یہ افراد کس کس طرح اور کس کس انداز میں شاہکار ربوبیت کے حضور اپنی چاہتوں اور عقیدتوں کا خراج پیش کرتے تھے۔

صحابہؓ اور بوسۂ جسمِ نبوی ﷺ:

محبوب شخصیت کے ساتھ اظہارِ محبت کا اوّلین اور فطری ذریعہ اسکے اعضائے بدن کا بوسہ ہے۔ صحابہؓ چونکہ کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر حضور ﷺ کے ساتھ محبت کرتے تھے اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ محبت کے اس فطری ذریعۂ اظہار سے اعراض اختیار کرتے۔ صحابہؓ جی بھر کر محبوب خدا ﷺ کے اعضائے بدن کے بوسے لیتے اور آپ ﷺ کے نورانی اعضاء کے حیات آفریں مس کے ذریعے اپنے قلب و نظر کو ٹھنڈا کرتے تھے۔ وہ ''دل عشاق حیلہ گر باشد'' کے مصداق آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کا بوسہ لینے کیلئے بہانوں کی تلاش میں رہتے۔ سرورِ عالم ﷺ کے جسمِ اطہر کا لمس اور آپ ﷺ کے نورانی اعضاء کا بوسہ انہیں دنیا و مافیہا کی ہر نعمت سے عزیز تھا اور وہ اس نعمت کے حصول میں ایک دوسرے سے بازی لے جانیکی فکر میں رہتے تھے۔ صحابہؓ کے جھرمٹ میں بوسۂ جسمِ نبوی ﷺ کے چند ایمان افروز مناظر ملاحظہ ہوں۔

ابوبکرؓ کے ایمانی سفر کا آغاز بوسۂ جسمِ نبوی ﷺ سے ہوا:

جنابِ ابوبکرؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے حضور ﷺ پر ایمان لائے لیکن بہت کم لوگ اس ایمان افروز حقیقت پر آگاہ ہیں کہ ابوبکرؓ کے ایمانی سفر کا آغاز جسمِ نبوی ﷺ کے بوسہ سے ہوا۔ ابنِ عساکر کی روایت کے مطابق ابوبکرؓ نے تجارتی سلسلے میں اپنے ایک سفر کے دوران خواب دیکھا تھا۔ جسکی تعبیر بحیرہ راہب نے اُنہیں یہ بتائی تھی کہ تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔ اسکی ظاہری حیات میں تم اسکے وزیر اور بعد از وصال اسکے خلیفہ بنو گے جب حضور ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور اپنے دیرینہ دوست ابوبکرؓ کو اسلام کی دعوت دی تو اُنہوں نے دعوئ رسالت پر دلیل کی درخواست کی۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابوبکر! وہ خواب جو تم نے شام میں دیکھا تھا۔ ابوبکرؓ یہ سنتے ہی حضور ﷺ سے بغلگیر ہو گئے اور آپ ﷺ کی مبارک پیشانی چوم لی۔

📖 فعانقه و قبل بين عينيه وقال اشهد انک رسول الله.

ترجمہ: وہ آپ ﷺ سے چمٹ گئے۔ آپ ﷺ کی مبارک پیشانی چوم لی اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

آیئے ابوبکرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کا ذرا ایمانی زوایۂ نظر سے تجزیہ کریں۔ ابوبکرؓ کو فقط اسلام کی دعوت ہی تو دی گئی تھی۔ ایمان و اسلام کے بنیادی تقاضے کیا ہیں ابھی ان کے سامنے پیش نہیں کیے گئے تھے۔ توحید و رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد کی تفصیلات ابھی اُن تک نہیں پہنچی تھیں۔ نصابِ ایمان میں نسبتِ رسالت اور حُبِّ رسول ﷺ کا کیا مقام ہے ابھی اُنہیں نہیں بتایا گیا تھا۔

چشمِ تصور میں اُن لمحات کو سامنے لایئے جب اُمت مسلمہ کے شجرِ سدا بہار کا بیج رکھا جا رہا تھا ان کیفیات اور اس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جب اُمت مسلمہ کے قصرِ رفیع کی پہلی اینٹ رکھی جا رہی تھی۔ جب کرۂ ارض پر ایمان اپنے سفر کا آغاز کر رہا تھا۔ دو ہستیاں روبرو ہیں کوئی تیسرا نہیں۔ چہرۂ مصطفوی ﷺ سامنے پا کر ابوبکرؓ کے دل میں ایمان کا چشمہ پھوٹتا ہے اور بوسۂ جسمِ نبوی ﷺ کے ذریعے اپنے اظہار کی راہ اپناتا ہے۔ اللہ اللہ! ابوبکرؓ نے پہلے حضور ﷺ کا بوسہ لیا پھر اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ بانیٔ اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے پہلے خوش نصیب شخص کے فطری و اضطراری عمل نے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ ایمان کا چشمہ جہاں بھی پھوٹے گا اس کا منبع و سرچشمہ محبتِ رسول ﷺ ہی ہوگی۔ اسی طرح ایمان کا پودا جب بھی اور جہاں بھی سر اُٹھائے گا اسکی اصل محبتِ رسول ﷺ ہی ہوگی۔ اظہارِ ایمان کے حسیں لمحات میں اقرارِ رسالت کے باضابطہ اظہار سے پہلے ابوبکرؓ کی طرف سے غیر ارادی و والہانہ طور پر چہرۂ مصطفوی ﷺ کا بوسہ، کیا اس بات پر دلالت کیلئے کافی نہیں کہ ایمان نام ہی محبتِ رسول ﷺ کا ہے حُبِّ رسول ﷺ نہ صرف اصلِ ایمان بلکہ عینِ ایمان ہے اور ایمان جہاں کہیں اور جس رنگ میں بھی جلوہ گر ہوگا اپنے اظہار کیلئے کسی نہ کسی محسوس پیرایۂ محبت میں ڈھل

کرر ہے گا۔

نیز قافلۂ ایمان کے سالار اور قیامت تک آنے والے مومنین کے سردار ابوبکرؓ نے اظہارِ ایمان کے تاریخی لمحات میں ''اشھد انک رسول اللّٰہ'' کے الفاظ کے ذریعے یہ حقیقت بھی آشکار کردی کہ ایمان اوّل و آخر نسبتِ مصطفوی ﷺ کا نام ہے اس نسبتِ عظیم کو شجرِ ایمان کی اصل کی حیثیت حاصل ہے اور جہاں بھی انسان کو اپنے ایمان کا اظہار مطلوب ہو اسی نسبت کے حوالے سے کیا جائے گا۔ یہ نسبت مستحکم ہے تو دیگر شعبہ ہائے ایمان مسلم ہیں اور اگر یہ نسبت مستحکم نہیں تو دیگر کسی شعبۂ ایمان کا وجود بھی معتبر نہیں۔

جسمِ اطہر کا آخری بوسہ:

جس طرح ابوبکرؓ کو یہ اعزاز نصیب ہے کہ اُنہیں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر کا بوسہ لینے کا اعزاز نصیب ہوا اسی طرح میرا ذوقِ ایمان گواہی دیتا ہے کہ جسمِ نبوی ﷺ کے آخری بوسے کا شرف بھی انہی کے حصے میں آیا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے وصال کے بعد جب بڑے بڑے صحابہؓ کے اعصاب جواب دے گئے اور حضرت عمرؓ جیسے جری اور مضبوط اعصاب کے حامل صحابیؓ بھی اس سانحہ ارتحال کے ہاتھوں مغلوب ہوگئے تو پیکرِ استقامت صدیق اکبرؓ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے، بغیر کسی سے گفتگو کیے حجرۂ عائشہؓ میں بارگہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابن عساکر کہتے ہیں:

📖 **وھو مغشی بثوب حبرۃ فکشف عن وجھہ ثم اکب علیہ فقبلہ وبکی.**

(ابن عساکر، ۱: ۳۲۵)

ترجمہ: آپ ﷺ یمنی چادر میں محوِ استراحت تھے۔ صدیق اکبرؓ نے چادر ہٹائی، جھک کر آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور رو دیے۔

حضرت عمرؓ اور پائے اقدس کا بوسہ:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے امام سدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

سلونی فانکم لا تسألونی عن شئی الا انبأتکم بہ.

ترجمہ: جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔

لوگوں نے مختلف سوالات پوچھے جن کے آپ ﷺ نے جواب دیئے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر آثارِ جلال نمایاں تھے اس موقع پر

فقام عمر فتقبل رِجلَهٗ.

ترجمہ: حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے مبارک قدموں کا بوسہ لے لیا۔

حضرت عثمانؓ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے:

فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے قتل کا حضور ﷺ نے حکم دیا تھا ان میں حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی ابن ابی سرح بھی شامل تھے۔ حضرت عثمانؓ ان کی معافی کیلئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں خواستگار ہوئے اور بار بار آپ ﷺ کی خدمت میں ان کی معافی کی درخواست کی۔

قد اکب علم رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم یقبل رأسہ و ھو یقول یارسول اللہ بایعہ فداک امی وابی. (صلوم المسلول)

ترجمہ: (عثمانؓ) حضور ﷺ کے جسمِ اقدس کی طرف جھک کر سرِاقدس کو بوسہ دیتے ہوئے عرض کرتے رہے یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان اسے معاف فرما کر بیعت کر لیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور انکے ساتھیوں کا عمل:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ساتھیوں سمیت ایک جنگ میں شریک نہ ہو پانے کی غلطی پر بارگہِ مصطفوی ﷺ میں معافی مانگنے کیلئے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے کمالِ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اُنہیں معاف فرما دیا بلکہ فرمایا تم پلٹ کر حملہ کرنیوالے ہو آپ ﷺ کی نوازشِ کریمانہ پر مسرور ہو کر سب ساتھیوں نے فرطِ محبت میں آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

(ابوداوَد ۱:۳۵۶)

اظہارِ محبت کا ایک انوکھا انداز:

ابوداوَد کی روایت کے مطابق ایک صحابیہؓ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے وفورِ محبت میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر آپ ﷺ کی قمیص اُلٹ دی۔

📖 فدخل بینه و بین قمیصه فجعل یقبل و یلتزم. (ابوداوَد ۱:۲۳۵)

ترجمہ: وہ (قمیص الٹ کر) اسکے اندر گھس گئے اور آپ ﷺ کا جسم اقدس چومنے اور اُس سے اپنا جسم مس کرنے لگے۔

حضرت کعب بن مالکؓ کا خراجِ محبت:

حضرت کعب بن مالکؓ کی کوتاہی پر حضور ﷺ ان کے ساتھ کچھ عرصہ تک ناراض رہے۔ یہ دن ان پر صدیوں سے بھاری بیت رہے تھے۔ اپنی غلطی پر پہروں روتے اور توبہ و استغفار کرتے تھے۔ جب اُن کی توبہ قبول ہوگئی اور حضور ﷺ نے اُنہیں اپنی خدمت میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی تو اُنکے اپنے الفاظ میں:

📖 اتیت النبی ﷺ فقبلت یده و رکبته.

ترجمہ: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسہ دیا۔

بعض صحابہ کا اجتماعی عمل دستِ اقدس و پائے انور کا بوسہ:

حضرت زارع بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وفد عبدالقیس میں شامل تھا جو زیارتِ نبوی ﷺ کیلئے حاضر ہوا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو اپنی سواریوں اور سامان کی پرواہ کئے بغیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

📖 **فنتقبّل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم و رجله.**

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس اور مبارک قدموں کو بوسہ دیا۔

سیّدہ عالمؓ کا عمل مبارک:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب سیّدہ فاطمہؓ حضور ﷺ کی زیارت کیلئے تشریف لاتیں تو آپ ﷺ شفقت فرماتے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب

📖 **كان النبى ﷺ اذا دخل عليها قامت من مجلسهٗ فقبّلته واجلسهٗ.**

(الترمذی ۲:۳۸۷)

ترجمہ: حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ کھڑے ہو کر آپ ﷺ کا استقبال کرتیں۔ آپ ﷺ کا بوسہ لیتیں اور اپنی نشست پر بٹھاتیں۔

ایک صحابیہؓ کا اظہارِ عقیدت:

ایک صحابیہؓ نے اپنے خاوند کے بارے میں حضور ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے

دونوں کو بلوایا اور پوچھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں اپنی پیشانیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑو۔ پھر آپ ﷺ نے انکے حق میں باہمی اُلفت ومودّت کیلئے دُعا فرمائی کچھ دنوں بعد

📖 **لقية المرأة بعد ذٰلک فقبّلت رجليه.** (اعلام النبیل:۱۳)

ترجمہ: وہ خاتون آپ ﷺ سے ملی تو اُس نے آپ ﷺ کے مبارک قدموں کا بوسہ لے لیا۔

دل عشاق حیلہ گر باشد:

نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر ہاتھ میں نیزہ لئے صحابہؓ کی صفیں درست فرمارہے تھے کہ آپ ﷺ سواد بن غزیہ کے پاس سے گزرے۔ وہ صف سے قدرے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے نیزہ ان کے پیٹ سے لگاتے ہوئے فرمایا صف میں ہوجاؤ۔ اُنہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے اذیت دی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔

📖 **فاعتقنه فقبل بطنه.**

ترجمہ: اُنہوں نے چمٹ کر آپ ﷺ کے بطنِ اقدس کو چومنا شروع کردیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا تجھے اس بات پر کس نے اُبھارا تو عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ

📖 **حضر ماترى فاردت ان يكون اخر العهد بک ان يمس جلدى جلدک.**

(البدایہ ۳: ۲۱۷)

ترجمہ: حالات آپ ﷺ کے سامنے ہیں۔ میں نے چاہا کہ آخری ملاقات میں میرا جسم آپ ﷺ کے جسم اقدس کے ساتھ مس ہوجائے۔

اسی طرح امام حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ سوادہ بن عمرو انصاری سر کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے دستِ اقدس میں چھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے انکے پیٹ پر چھڑی

سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا کیا میں نے اس عمل سے منع نہیں کیا۔ اُنہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں قصاص چاہتا ہوں۔ صحابہؓ نے اُنہیں سمجھایا کہ ایسا مناسب نہیں لیکن وہ نہ مانے۔ آپ ﷺ نے بطنِ اقدس سے کپڑا اُٹھا دیا اور فرمایا قصاص لے لو

📖 **فتقبل بطن النبی ﷺ** (کنز العمال، ۷:۳۰۲)

ترجمہ: پس اُنہوں نے آگے بڑھ کر بطن مبارک کا بوسہ لے لیا۔

ایک انصاری صحابیؓ حضرت اسید بن حضیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پُر مزاح طبیعت کے مالک تھے۔ ایک دن لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کر رہے تھے جس سے لوگ ہنس رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اُن کے پہلو میں چھڑی لگائی۔ عرض کرنے لگے حضور ﷺ مجھے قصاص دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ عرض کیا آقا آپ ﷺ کے پہلو پر قمیص ہے میرا پہلو ننگا تھا رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے بدن مبارک سے قمیص ہٹا دیا۔

📖 **فاحتضنه ثم جعل یقبّل کشحه فقال بابی انت وامی یارسول اللّٰه.**

(المستدرک، ۳:۳۴۷)

ترجمہ: وہ آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کے ساتھ چمٹ گئے پہلو مبارک کو چوما اور کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میرا مقصود فقط یہی تھا۔

والہانہ بوسہ زنی کا ایک اور منظر:

ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سامنے درخت کے پاس جا کر کہو تجھے رسول اللہ ﷺ بُلا رہے ہیں۔ اس نے درخت کو یہ پیغام دیا تو وہ متحرک ہوگیا حتیٰ کہ اسکی جڑیں باہر نکل آئیں۔ پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا آپ ﷺ نے اُسے واپسی کا حکم فرمایا۔ اس شخص نے

حضور ﷺ کی یہ شان دیکھی تو

📖 **فتقبّل رأسه ویدیه و رجلیه و اسلم.** (بحوالہ صحابہؓ اور بوسۂ جسم نبوی، ص ۲۱)

ترجمہ: آپ ﷺ کے سر اقدس، دست اطہر اور مبارک پاؤں کو چومنا شروع کر دیا اور اسلام لے آیا۔

مہرِ نبوت کا بوسہ:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔

📖 **فجعلت فمی علی خاتم النبوة فحل ینفغ علی مسکا ولقد حفظت منه تلک اللیلة سبعین حدیثا ماسمعها احد معی.** (سبل الہدیٰ والرشاد، ۷:۳۸۰)

ترجمہ: (پھر کیا تھا کہ) میں نے اپنا منہ مہرِ نبوت پر رکھ دیا (چومتا چلا گیا) اس سے مجھے کستوری جیسی مہک آتی رہی اس رات میں نے آپ ﷺ سے ستر ایسے فرمودات سُنے جنہیں سننے والا میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔

سرور انبیاء ﷺ کی طرف سے الطافِ کریمانہ کا مظاہرہ:

صحابہؓ کی طرف سے محبتوں اور چاہتوں کے یہ والہانہ خراج حضور ﷺ صرف وصول نہیں کرتے تھے بلکہ کمالِ شفقت فرماتے ہوئے اپنے غلاموں کو بوسوں سے نوازتے بھی تھے متعدد روایات میں یہ تصریحاً ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت سعد بن معاذ انصاری اور دیگر صحابہؓ کو بوسوں سے نوازا۔

صحابہ ایک دوسرے کے اعضاء کے بوسے لیتے...... لیکن کیوں؟:

صحابہؓ نہ صرف حضور ﷺ کے جسم اقدس پر بوسے نچھاور کرتے بلکہ ایک دوسرے کے ان

اعضاء کے بھی بوسے لیتے جنہیں حضور ﷺ نے چوما یا مس کیا ہوتا۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نواسۂ رسول حضرت امام حسنؓ کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستے میں ہماری ملاقات حضرت ابو ہریرہؓ سے ہوگئی۔ وہ حضرت امام حسنؓ سے کہنے لگے۔

اکشف لی عن بطنک حیث رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل منک.

ترجمہ: اس جگہ سے کپڑا ہٹاؤ جس جگہ کو رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔

امام حسنؓ نے انکے کہنے پر

فکشف لہ عن بطنہ فقبّلہ. (مسند احمد، ۳:۱۶۰)

ترجمہ: اپنے پیٹ سے کپڑا اُٹھا دیا تو اُنہوں نے آگے بڑھ کر اس مقام کو چوم لیا۔

امام حاکم نے بھی المستدرک میں یہ بات نقل کی ہے۔

دستِ نبوی ﷺ سے حصول برکت کا ایک اور انداز

صحابہؓ جیسے آپ ﷺ کے دستِ اقدس، چہرہ انور، پائے مبارک اور دیگر اعضائے مطہر کے بوسے لیتے وہیں آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو اپنے چہروں اور سینوں پر رکھ کر برکت وسکون حاصل کرتے۔

حضرت ابوجحیفہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ دوپہر کے وقت مقامِ بطحا تشریف لے گئے اور وہیں نمازِ ظہر ادا فرمائی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ کیفیت یہ تھی کہ

ثم قام الناس فجعلوا یاخذون یدہ فیمسحون بھا وجوھھم فاخذت یدہ فوضعتھا علی وجھی وصدری فاذا ھی ابرد من الثلج واطیب ریحًا من المسک. (شمائل الرسول ابن کثیر، ۳۳)

ترجمہ: لوگ کھڑے ہو گئے اور جوق در جوق آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو پکڑ کر اپنے چہروں پر رکھنے اور برکت حاصل کرنے لگے۔ میں بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے آگے بڑھا اور آپکا دستِ اقدس اپنے چہرے اور سینے پر رکھا آپ ﷺ کا دستِ اقدس برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

مسند احمد میں حضرت یزید بن اسود کے حوالے سے مروی ہے کہ منیٰ کے مقام پر آپ ﷺ نے نماز فجر کی جماعت کروائی نماز کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ سے ملاقات و مصافحہ کیا۔

📖 **ونهض الناس الٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و انهضت معهم و انا یومئذٍ اشب الرجال واجلده فمازلت ازحم الناس حتٰی وصلت الٰی رسول اللّٰہ فاخذت بیده فوضعتها اما علی وجهی او صدری فما وجدت شیئاً اطیب والابرد من ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم**

(شمائل الرسول:۳۴)

ترجمہ: لوگ آپ ﷺ کی جانب مصافحہ کیلئے بڑھے اور میں بھی ان کے ساتھ آگے بڑھا۔ میں ان دنوں نوجوان اور تنومند تھا۔ لوگوں کو ایک طرف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے آپ ﷺ کا دستِ اقدس پکڑ کر اپنے چہرے اور سینے پر رکھا۔ میں نے آج تک آپ ﷺ کے دستِ اقدس سے بڑھ کر کوئی شے خوشبودار اور ٹھنڈی نہیں پائی۔

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

📖 **ثم ثار الناس یا خذون بیدہٖ یمسحون بها وجوههم فاخذت بیده فمسحت بهاٖ وجهی فوجدتها ابرد من الثلج واطیب ریحًا من المسک.**

(شمائل ترمذی ۳۵)

ترجمہ: پھر لوگوں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو اپنے چہروں پر ملنا شروع کیا میں نے آپکا دستِ اقدس پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا اور اسکے ساتھ چہرہ مس کیا۔ میں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار پایا۔

تابعینؒ بھی اسی راہ کے مسافر تھے:

مذکورہ معمولات صرف صحابہؓ تک ہی محدود نہ تھے بلکہ تابعین بھی اتباعِ صحابہؓ میں اپنی چاہتوں اور محبتوں کے یہ خراج بکثرت پیش کرتے تھے۔

حضرت ثابت البنانی اپنے استاد حضرت انسؓ کے ہاتھوں کو چومتے۔ کبھی کبھی وجد میں آ کر کہتے

📖 **امست بیدک النبی ﷺ** (بحوالہ صحابہ اور بوسۂ جسم نبوی ﷺ ۲۹)

ترجمہ: کیا آپ کے ہاتھوں نے نبی ﷺ کے جسمِ اقدس کو مس کیا ہے۔ وہ فرماتے ہاں مجھے یہ شرف حاصل ہے تو انکے ہاتھوں کو والہانہ طور پر بوسہ دیتے۔

مسند ابویعلی کی روایت کے مطابق حضرت ثابتؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے شیخ حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

📖 **فاخذ بیدیه فاقبلها فاقول معاتین الیدین اللتین مستا رسول الله صلی الله علیه وسلم.**

ترجمہ: ان کے ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتا اور کہتا یہ وہ ہاتھ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر کو مس کیا ہوا ہے۔

بعض اوقات میں ان کی آنکھوں کو یہ کہتے ہوئے بوسہ دیتا:

📖 **بابی هاتین العینین اللتین رَأیت رسول الله ﷺ.** (اعلام السبیل)

ترجمہ: میرے والدین فدا ہوں یہ وہ مبارک آنکھیں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے دیدار کا شرف پایا ہے۔

ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن زید عراقی سے بیان کیا کہ ہم ربذہ کے مقام سے گزرے تو ہمیں بتایا گیا یہاں حضور ﷺ کے صحابی مسلمہؓ بن اکوع مقیم ہیں ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا۔

📖 **فاخرج یدیه فقال بایعت بها تین النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقمنا الیها فقبلنا ها.** (الطبقات ۴:۳۰۶)

ترجمہ: اُنہوں نے اپنا مبارک ہاتھ نکالتے ہوئے کہا میں نے ان ہاتھوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے۔ ہم نے آگے بڑھ کر انکے ہاتھوں کو چوم لیا۔

ہاتھ کا بوسہ عنایت کیجئے:

امام ابوبکر ابن المقری نے ''الجز فی تقبیل الید'' میں نقل کیا کہ حضرت ابو مالک اشجعی کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے صحابی حضرت ابن ابی ارضیؓ سے عرض کیا۔

📖 **ناولنی یدک التی بایعت بها رسول اللّٰه ﷺ فنا ولیها فقبلها.**

(اعلام النبیل ۲۱)

ترجمہ: ذرا وہ ہاتھ تو عنایت فرمایئے جس کے ساتھ آپ نے رسول ﷺ کی بیعت کی تھی۔ اُنہوں نے وہ ہاتھ نکالا اور میں نے اُسے چوم لیا۔

واہ رے سیب مقدر تیرا:

حضرت ثابت البنانی سے منقول ہے کہ حضرت انسؓ نے حضرت ابوالعالیہ کو ایک سیب عنایت فرمایا۔ ابوالعالیہ نے اسے لیا:

📖 وجعل یمسها و یقبلها و یمسها بوجهه.

ترجمہ: اُسے بار بار چومتے اور آنکھوں اور چہرے پر لگاتے۔

اور کہتے کہ

📖 تفاحة مست کفا مست کف النبی ﷺ (اعلام النبیل، ۲۱)

ترجمہ: یہ وہ سیب ہے جسے اس ہاتھ نے مس کیا ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ کے دستِ اقدس کو مس کرنے کا شرف حاصل ہے۔

حاصلِ کلام:

مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت بصراحت واضح ہوگئی کہ صحابہ سید الانبیاء ﷺ کے ساتھ اظہارِ محبت میں جی بھر کر آپکے اعضائے بدن کے بوسے لیتے اور ان کے لمس سے خیر و برکت حاصل کرتے تھے۔ صحابہؓ کا یہ عمل محض جذبات محبت کی تسکین کی خاطر نہ تھا بلکہ وہ ایمانی تقاضا سمجھتے ہوئے ایسا کرتے۔ وہ حضور ﷺ کے اس ارشاد پر کہ ''لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین '' بہ دل و جاں ایمان رکھتے تھے۔ صحابہؓ بڑے خوش نصیب تھے۔ انہیں حضور ﷺ کا مبارک زمانہ ملا۔ رسولِ خدا ﷺ انکے درمیان تھے انہیں محبوبِ ربّ کائنات کے حضور اپنی محبتوں اور چاہتوں کے نذرانے پیش کرنے کیلئے مواقع نصیب تھے اور وہ دن رات اپنے جذباتِ محبت کے اظہار کے ذریعے حضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد پر ایمان کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔ صحابہ ﷺ میں سے کبھی کسی نے دوسرے کے اس محبت آفریں عمل کو غلو فی الدین یا شرک قرار نہیں دیا بلکہ اظہارِ محبت کے متنوع مظاہر کے ذریعے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے حضور ﷺ کے دستِ اقدس کو چوم کر اپنے ہونٹوں کو حلاوت آشنا کیا تو کسی نے آپ ﷺ کے پائے انور کے بوسے سے اپنے جذباتِ محبت کی تسکین کی۔ کسی نے والضحیٰ مکھڑے والے محبوب ﷺ کی پیشانی چوم کر اپنے لبوں کی پیاس بجھائی تو کسی نے آپ ﷺ کے سرِ اقدس کا بوسہ

لیکر اپنا اقبال بلند کیا۔ کسی نے حضور ﷺ کے بطنِ اقدس کے بوسے سے قلب وجگر کی ٹھنڈک کا سامان کیا تو کسی نے آپ ﷺ کے نورانی پہلوؤں کو چوم کر اپنے لبوں کو گلنار کیا۔ کسی نے بوسے کو وسیلہ بنا کر آپ ﷺ کے مبارک گھٹنوں تک رسائی حاصل کی تو کسی نے قصاص کا بہانہ بنا کر مہرِ نبوت کی بلائیں لیں۔ غرضیکہ ہر صحابیؓ نے حضور ﷺ کے اعضائے مبارکہ کے بوسے کے ذریعے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خیر وبرکت کی خیرات حاصل کی۔ والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار پر مشتمل اس عمل کے رد میں نہ تو قرآن کی کوئی آیت اُتری نہ صاحب قرآن نے کوئی ممانعت وارد کی اور نہ ہی کسی صحابیؓ کے ماتھے پر کوئی شکن نمودار ہوئی۔

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ/ خدارا انصاف کیجئے:

بحث مذکورہ کی روشنی میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر محبت کرنے کا دینی وایمانی تقاضا فقط دَورِ صحابہؓ کے ساتھ مخصوص تھا یا ہر دَور کے مسلمانوں کیلئے حضور ﷺ کے ساتھ ایسی محبت ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ اس سوال کا جواب بلا تامل یہی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت ہر دَور کا ایمانی تقاضا اور بنیادی دینی ضرورت ہے۔ جب ہر دَور کے مسلمان کیلئے حضور ﷺ کے ساتھ ایسی محبت ایمان کا بنیادی تقاضا اور اولیں دینی ضرورت ہے تو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ دَور مابعد صحابہؓ کا مسلمان اپنے فطری وایمانی جذباتِ محبت کی تسکین کیلئے آخر کونسا راستہ اپنائے۔ حضور ﷺ کا حسی قرب اُسے میسر نہیں۔ زمانی اعتبار سے اسکے اور اسکے محبوب رسول ﷺ کے درمیان صدیوں کے فاصلے حائل ہیں۔ صحابہؓ کی متابعت میں حضور ﷺ کے اعضائے بدن کا بوسہ اسکے لئے ممکن نہیں لیکن جذباتِ محبت ہیں کہ کسی نہ کسی محسوس پیرایۂ اظہار میں ڈھلنے کیلئے بے تاب ہیں۔ محبوب ﷺ کا نامِ نامی سنتے ہی من کا سمندر متلاطم ہے۔ بحر جذبات متموّج ہے۔ اب اگر.................اُمتی اپنے آقا کا تقدس مآب اسم گرامی سنتے ہی

آقا ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اپنے قلب وجگر کی ٹھنڈک کا سامان کر لیتا ہے تو عقلِ کوتاہ بیں پر شاق کیوں گزرتا ہے۔ محبت جہاں بھی اور جس رنگ میں بھی ہوگی اپنے اظہار کا کوئی نہ کوئی حسی وخارجی پیرایہ ضرور اپنائے گی۔ کسی نہ کسی ظاہری انداز یا محسوس پیکر میں ضرور ڈھلے گی۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی سے محبت تو کرتا ہو لیکن اسکے احساسات و جذبات کی دنیا اظہارِ محبت کی بوقلمونیوں سے عاری اور گوناگوں حسی مظاہر محبت سے محروم ہو۔ تصورِ محبت کے ناقدین کو اس بدیہی حقیقت پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور تصورِ محبت کی تضحیک اور اہلِ محبت کے محبت آفریں معمولات سے بیزاری کا اظہار کر کے اپنی عاقبت برباد نہیں کرنی چاہیے۔

ایک ایمان افروز دلیل:

حضور ﷺ کا ایک مبارک عمل کتبِ حدیث میں اس طرح درج ہے کہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں موسم کا کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اُسے آنکھوں سے لگا کر ہونٹوں سے لگاتے اور دُعا کیلئے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا دیتے۔

اللہ اللہ! اللہ کا رسول ﷺ تو نئے پھل کی عطا پر اللہ کی بارگاہ میں اظہارِ تشکر کے طور پر اس نعمت کو چومتا اور آنکھوں سے لگاتا ہے تو پھر ایک وفا شعار اُمتی نے اپنے آقا کا میٹھا میٹھا نام سنتے ہی انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لئے تو اس نے کونسا غلو کر لیا۔ دین کی کونسی بنیاد منہدم کر دی کہ اسے مشرک و بدعتی قرار دیا جائے۔ اس نے کوئی نیا کام نہیں کیا بلکہ سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ صحابہؓ ادا کرتے ہوئے عین تقاضائے ایمان پورا کیا ہے۔

دوستو! اللہ کا رسول ﷺ تو نئے پھل جیسی ادنیٰ نعمت کے حصول پر بطور سپاس وتشکر اُسے اپنی آنکھوں پر لگانا اور چومنا ضروری سمجھے لیکن اسی رسول ﷺ کا امتی ہونے کا دعویدار طبقہ اپنے

رسول ﷺ کے ذکر پر ازرہِ تکریم و محبت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا غلو فی الدین اور بدعت قرار دینے لگے کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

اعضائے نبوی ﷺ کے بوسہ کی نسبت صحابہؓ کا اجتماعی عمل اور اسکے ایمان افروز مظاہر بھی اگر کسی کے سینے میں ایمانی تموّج اور جذباتی تلاطم کے آثار پیدا نہ کرسکیں اور وہ تعصب و تنگ نظری کے گرداب میں پھنستا چلا جائے تو ایسا شخص اہلِ ایمان کی طرف سے دعائے ہدایت کا زیادہ ہی مستحق ہے۔ آخر نام لیوا تو ہمارے ہی محبوب نبی ﷺ کا ہے۔ رب تعالیٰ سے کیا بعید کہ اُسے بھی اپنی تخلیق کے شاہکارِ اعظم کی پہچان عطا کردے یا اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آرا کی کوئی جھلک اُسے بھی دکھا دے اور وہ انکار و تنگ نظری کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر نورِ ایمان کی منور وادیوں میں داخل ہوسکے۔

ذکر جمال یار میں رطب اللسانیاں:

صحابہؓ کے نزدیک محبوبِ خدا ﷺ کائناتِ ہست و بود میں سب سے بڑھ کر حسین اور صاحبِ جمال تھے۔ وہ حضور ﷺ کے نورانی جلوؤں اور دیدارِ فرحت آثار سے نہ صرف شب و روز اپنے قلب و جگر کی ٹھنڈک کا سامان کرتے آپ ﷺ کے اعضائے بدن کے بوسے لیتے بلکہ آپ ﷺ کے نورانی سراپا' بالخصوص چہرۂ انور چشمانِ مقدس' گیسوئے عنبرین اور مبارک خدوخال کے محاسن کے بیان میں ہمہ وقت رطب اللسان بھی رہتے۔ حسن و جمال مصطفوی ﷺ کے اسیر صحابہؓ کے چند ایمان افروز تاثرات ملاحظہ ہوں۔

چشمۂ انوار اُبلے منبعِ انوار سے:

حضرت کعب بن مالکؓ شاہکار ربوبیت کے چہرۂ انور کی ضیاء پاشیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

📖 کان رسول اللہ ﷺ اذا سرّ استنار وجھہ حتٰی کان وجھہ قطعۃ قمرٍ و کنا نعرف ذالک. (متفق علیہ)

ترجمہ: خوشی کے وقت حضور ﷺ کا چہرہ انور چمک اٹھتا اور اس سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگتیں۔ یوں لگتا جیسے نور کا ٹکڑا ہے ہم حضور ﷺ پر طاری کیفیتِ انبساط کو اس حالت سے پہچان جاتے۔

چاند میں کہاں ہے مجالِ برابری:

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں:

📖 رأیت النبی ﷺ فی لیلۃ اضحیان فجعلت انظر الٰی رسول اللہ ﷺ والٰی القمر وعلیہ حلۃ حمراءُ فاذا ھو احسن عندی من القمر. (الترمذی' الدارمی)

ترجمہ: ایک رات چاند بھی جوبن پر تھا اور حضور ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ میں کبھی حضور ﷺ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ آپ ﷺ سرخ دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے تھے حضور ﷺ مجھے چاند سے کہیں بڑھ کر حسین لگے۔

جیسے سورج کوئی نکل آیا:

دارمی نے ابوعبیدہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوّذ سے کہا کہ ذرا رسول اللہ ﷺ کے جمالِ جہاں آراء کا تذکرہ تو فرمائیں۔ اُنہوں نے کہا:

📖 یبنیَّ لو رأیتہ رایت الشمس طالعۃ. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: اے بیٹے اگر تم حضور ﷺ کا چہرۂ اقدس دیکھ لیتے تو تمہیں یوں لگتا جیسے سورج طلوع ہوگیا ہے۔

جیسے میرے سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی:

امام ترمذی نے قتادہ سے بروایت انسؓ بیان کیا:

مابعث نبیًا اِلاَّ حسن الصوت و حسن الوجه و کان نبیّکم احسنهم وجهًا و احسنهم صوتًا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت آواز اور حسین چہرے کے ساتھ مبعوث فرمایا لیکن تمہارے نبی ﷺ حُسنِ صَوت و حُسنِ صورت کے اعتبار سے ان سب سے بڑھ کر تھے۔

کوئی مہ جبین ایسا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا:

حضرت انسؓ سراپا نبوی ﷺ اور دیگر شمائل مبارکہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان رسول الله ﷺ ازهر اللّون کان عرقه اللُّولُوء اذا مشی تکفّاء ولا مسست دیباجة ولاحریرة البن من کف رسول الله ﷺ ولا شممت مسکة ولا عنبرة اطیب من رائحة رسول الله ﷺ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضور ﷺ کا رنگِ مبارک ایسا چمکدار تھا جس میں چاندی جیسی سفیدی اور سونے جیسی سنہری جھلک تھی۔ پسینہ مبارک موتیوں کی طرح شفاف تھا۔ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم رکھتے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم کوئی دیبا یا ریشم نہیں چھوا اور نہ ہی حضور ﷺ کے جسمِ اقدس کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی مشک و عنبر سونگھا۔

ہیں کتنے پُرکشش تیری زلفوں کے پیچ و تاب:

امام مسلم حضرت براءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

مارایت من لسمةٍ احسن فی حلة حمرءٍ من رسول الله شعرهٔ یضرب منکبیه.

ترجمہ: میں نے آج تک کسی (پُرکشش) زلفوں والے سرخ جوڑے میں ملبوس شخص کو حضور ﷺ سے بڑھ کر دلکش اور من موہنا نہیں دیکھا (جب کنگھی کی جاتی تو) آپ ﷺ کے گیسوئے مبارک کندھوں کو چھونے لگتے۔

دانتوں سے گر رہی ہو جیسے آبشارِ نور:

دارمی نے حضرت عباسؓ سے روایت کیا:

📖 کان رسول اللہ ﷺ افلج الثنیتین اذا تکلم رأی کالنور یخرجُ من بین ثنایا. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضور ﷺ کے سامنے والے دندانِ مبارک میں ریخیں تھیں۔ جب گفتگو فرماتے تو ان کے درمیان میں سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔

قرطاسِ دل پہ نقش ہیں وہ مسکراہٹیں:

حضرت عبداللہ بن حارثؓ رسول اللہ ﷺ کی دلنواز مسکراہٹ کے بارے میں فرماتے ہیں:

📖 مارأیتُ احدًا اکثر تبسُّمًا من رسول اللہ ﷺ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مسکرانے والا نہیں دیکھا۔

چہرۂ مصطفیٰ تھا کہ قرآں کُھلا ہوا:

حضرت انس بن مالک انصاری جو حضور ﷺ کے خادم خاص بھی تھے روایت کرتے ہیں:

📖 انَّ ابابکر رضی اللہ عنہ کان یصلّی لھم فی وجع النبی ﷺ الذی توفّی فیہ حتی اذا کان یوم الاثنین وھم صفُوفٌ فی الصلٰوۃ فکشف النبی ﷺ ستر الحجرۃ ینظر الینا و ھو قائم کَاَنَّ وَجْھُہ و دقۃ مصنحف ثم تبسّم یضحک فھممنا ان نفتمن من الفرح برؤیۃ النبی ﷺ فنکص ابوبکر علٰی عقبیہ لیصل الصف وظن ان النبی ﷺ خارج الی الصلٰوۃ فاشار الینا النبی ﷺ ان اتموا صلٰوتکم و ارخی المستر فتوفّی من یومہ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضور (ﷺ) کے مرض الموت میں ابوبکرؓ نماز پڑھاتے تھے۔ چنانچہ دوشنبہ کے روز لوگ صفیں باندھے نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اُٹھایا اور کھڑے کھڑے جماعت کو دیکھنے لگے۔ اُس وقت حضور ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کا ورق دکھائی دیتا تھا۔ جماعت کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے۔ آپ ﷺ کے دیدار پُر انوار کی خوشی میں قریب تھا کہ غلام نماز توڑ دیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ نماز میں شرکت کیلئے تشریف لارہے ہیں۔ اسلئے اُنہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ کر صف میں مل جانا چاہا لیکن آپ ﷺ نے نماز پوری کر لینے کا اشارہ فرمایا پھر آپ ﷺ نے پردہ گرادیا اسی روز آپ ﷺ ہمیں داغ جدائی دے گئے۔

آثار و منسوباتِ مصطفوی ﷺ پر صحابہؓ کی جاں نثاری:

صحابہؓ جہاں محبوب خدا ﷺ کے حضور اپنی عقیدتوں اور چاہتوں کے خراج پیش کرتے ہوئے آپ ﷺ کے اعضائے بدن کے بوسے لیتے اور آپ ﷺ کے نورانی سراپا اور مبارک خدوخال کے محاسن کے بیان میں رطب اللسان رہتے، وہیں شب و روز آپ ﷺ کے معنبر و معطر پسینے، نورانی موئے مبارک، طاہر و مطہر مائے وضو اور آپ کے دیگر آثار و متعلقات کے ساتھ اپنی عقیدت و وارفتگی کا والہانہ اظہار بھی کرتے۔ ذیل میں آثار و منسوباتِ مصطفوی ﷺ کے ساتھ ان کی وارفتگی کے چند مظاہر پیشِ خدمت ہیں۔

مُشکِ عنبریں پسینہ:

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اُمّ سلیم کے ہاں (یعنی ہمارے گھر) تشریف لایا کرتے تھے اور بعض اوقات ان کی غیر موجودگی میں ان کے بستر پر سو جاتے تھے۔ ایک روز حسبِ معمول تشریف لا کر ان کے بستر پر سو گئے۔ اُمّ سلیمؓ آئیں تو انہیں بتایا گیا کہ رسول ﷺ گھر

کے اندر بستر پر استراحت فرما رہے ہیں۔ اُنہوں نے آکر دیکھا تو بستر پر پڑا ہوا چمڑے کا ٹکڑا حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تر تھا۔ اُمّ سلیمؓ نے اپنا ڈبہ کھولا اور پسینہ مبارک کو کسی کپڑے وغیرہ میں جذب کر کے شیشی میں نچوڑنے لگیں اچانک حضور ﷺ بیدار ہو گئے اور یہ دیکھ کر فرمایا:

ما تصنعین یا اُمّ سلیم فقالت یا رسول الله ﷺ نرجوا برکته لصبیاننا قال احبت. (رواہ المسلم)

ترجمہ: اُمّ سلیم! کیا کر رہی ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنے بچوں کیلئے حصول برکت کی اُمید پر ایسا کر رہی ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔

ہم تو اسیرِ زلفِ معنبر ہیں دوستو:

حضور ﷺ کے موئے مبارک پر صحابہؓ کی والہانہ وارفتگی کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

لقد رأیت رسول الله ﷺ و الحلاق یحلقه و اطاف به اصحابهٗ فما یریدون ان تقع شعرةٌ الا فی یَدِ رجلٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ جس وقت حجام حضور ﷺ کے بال مبارک تراش رہا تھا تو صحابہؓ اُسے گھیرے ہوئے تھے اور کسی ایک بال کو بھی سوائے اپنی ہتھیلیوں کے نیچے نہ گرنے دیتے ہیں۔

حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سرِ انور کے بال ترشوائے۔

کان ابو طلحة اوّل من اخذ من شعر. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوطلحہ پہلے شخص تھے جنہوں سے حضور ﷺ کے موئے مبارک (ہاتھ میں) لئے۔

وہ پانی جس پہ رشک کریں کوثر و آبِ حیات:

حضرت ابو حجیفہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ چمڑے کے سرخ جبے میں ملبوس ہیں اور ساتھ ہی بلالؓ آپ ﷺ کے وضو کا (استعمال شدہ) پانی لئے کھڑے ہیں۔

و رأیت الناس یبتدرون ذلک الوضو، فمن اصاب منه شیئاً تمسّح به و من لم یصب منه شیئاً اخذ من بلل ید صاحبه. (رواہ البخاری)

ترجمہ: میں نے دیکھا لوگ اس پانی کی طرف لپک رہے ہیں چنانچہ جسے وہ مبارک پانی مل جاتا وہ اسے جسم پر مل لیتا اور جسے نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لیتا۔

دیکھا نہ ہوگا چشمِ فلک نے کبھی ایسا سماں:

واقعہ حدیبیہ کے موقع پر جبکہ عروہ بن مسعودؓ ابھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور سردارانِ مکہ کے سفیر کی حیثیت سے حضور ﷺ کے ساتھ مذاکرات کرنے آئے تھے واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے محبوبِ خدا ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کی والہانہ عقیدت و محبت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

ان یتوضا الا ابتدروا وضوءهٗ و کادوا یقتتلون علیه.

ترجمہ: صحابہؓ رسول ﷺ کے استعمال شدہ مائے وضو کو حاصل کرنے کیلئے اس طرح لپکتے ہیں کہ گویا آپس میں لڑ رہے ہیں۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے عروہ بن مسعود کہتے ہیں:

لا یبصق بصاقاً ولا یتخنم نخامة الاّ تلقوها باکفهم فدلکوا بها وجوهم واجسامهم لا تسقط منه شعرةٌ الاّ ابتدر دها اذا امرهم بامرٍ ابتدروا امرهٗ. اذا تکلم حهضوا اصواتهم عندهٗ وما یحدون الیه النظر تعظیماً له.

ترجمہ: جب بھی آپ ﷺ لعاب دہن زمین پر ڈالنے کا ارادہ کرتے صحابہؓ اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے اور اسے اپنے چہرے اور جسموں پر سجا لیتے۔ آپ ﷺ کے مقدس موئے مبارک (کے ٹکڑوں) کو نیچے نہ گرنے دیتے۔ جب آپ ﷺ کسی بات کا حکم دیتے تو اسکی بجا آوری میں جلدی کرتے۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو خاموش ہو کر سنتے۔ ادبِ تعظیم کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے۔

میری سنو جو گوشِ نصیحت آموز ہے:

مذکورہ مظاہرِ محبت کے بیان کے بعد عروہ بن مسعود نے جو بات حاصلِ کلام کے طور پر کہی ملاحظہ ہو:

یا معشر قریش انی حبت کسریٰ فی ملکہٖ و قیصر فی ملکہ و النجاشی فی ملکہ ان رأیت ملکًا قطُّ یعظم اصحابہ مایعظم محمدًا اصحابہٗ.

ترجمہ: اے قریش (سن لو) میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن میں نے آج تک کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی اتنی کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے صحابہؓ کرتے ہیں۔

میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اصحاب محمد ﷺ موت تو قبول کر سکتے ہیں لیکن اپنے آقا کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتے۔

بالفاظ دیگر عروہ بن مسعود نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ جس محمد ﷺ کے صحابہؓ اس کے موئے مبارک کے ٹکڑے، مائے مستعمل کے قطرے اور لعاب دہن کو زمین پر گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تو وہ اس کے مقدس خون کے قطرات کا زمین پر گرنا کس طرح برداشت کر سکتے ہیں لہٰذا ایسی قوم کی دشمنی سے باز آ جاؤ۔

زمزم و آبِ حیات کتنا نیچے رہ گئے:

مدارجِ نبوت میں آثار رسول ﷺ سے حصولِ برکت کا ایک نہایت ہی اچھوتا اور روح پرور واقعہ منقول ہے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کو غسل دیا تو مائے غسل کے اُن قطرات کو جو آپ ﷺ کی مبارک پلکوں اور نافِ اطہر میں جمع ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ نے منہ لگا کر چوس لیا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری قوتِ حافظہ اور کثرتِ علم اس مبارک پانی کی وجہ سے ہے۔ جب غسل مکمل ہو گیا تو آپ ﷺ کے اعضائے سجدہ پر خوشبو لگائی گئی اور کفن مبارک کو تین بار دھونی دی گئی اسکے بعد جسدِ اطہر کو چارپائی پر رکھا گیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس خوشبو کا کچھ حصہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خوشبو میں سے ہے اور اسے محفوظ کر لو اور میرے کفن کو اسی خوشبو سے معطر کرنا۔ (مدارج ۲:۴۳۹)

ایک ہمیں دیوانہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں:

عبداللہ بن عمرؓ کی آثار رسول ﷺ کے ساتھ محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے اُنہیں مجنون تصور کرتے۔ حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں:

📖 **لو رأیت ابن عمر یتبع آثار رسول اللہ ﷺ لقلت ھذا مجنون.**

(المستدرک ۳:۶۴۷)

ترجمہ: اگر تم ابن عمرؓ کو آثارِ رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے ''یہ تو کوئی دیوانہ ہے''۔

ترا ایمان بھی کیا خوب تھا اے ابنِ عمر:

آثارِ رسول ﷺ سے محبت کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔ صحیح ابن حبان میں ہے:

📖 کان عبداللّٰہ بن عمر یأتِی اِلی الشجرۃ سَمُر التی کان رسول اللّٰہ ﷺ یَنزِلُ تحتھا فکان عبد اللّٰہ ینزل تحتھا و کان یسقیھا الماء کی لا تَیبَس.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ اس کیکر کے درخت کی زیارت کیلئے جاتے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے۔ اسکے نیچے بیٹھتے اور اسے پانی دیتے کہ کہیں سوکھ نہ جائے۔

کنزل العمال میں ابن عساکر کے حوالے سے حضرت نافعؒ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

📖 ابن عمر کان یتبع آثار رسول اللّٰہ ﷺ کل مکان صلّی فیہ حتیٰ ان النبی ﷺ نزل تحت الشجرۃ فکان ابن عمر یتعاھد تلک الشجرۃ فیصب فی اصلھا الماء کیلا تیبس. (کنز العمال ۱۳:۴۶۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ ان تمام مقامات پر جاتے جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی یہاں تک کہ آپ ہمیشہ اس درخت کے پاس بھی جاتے جس کے نیچے رسول ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے اور اسے پانی دیتے تاکہ سوکھ نہ جائے۔

ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

📖 مَا وضعتُ لبنۃ علیٰ لبنۃ ولا غرّستُ نَخلَۃً مُنذ توفّی رسول اللّٰہ ﷺ.

ترجمہ: میں نے وصالِ رسول کے بعد نہ کوئی تعمیر کی ہے اور نہ ہی کوئی کھجور کا درخت لگایا ہے۔

گویا ہجرِ محبوب میں خود تو ان مشاغل سے ہاتھ کھینچ لیا تھا لیکن محبوب کی حسین یادوں کو سرسبز رکھنے کا شغل جاری تھا۔

تیری نسبت پہ نچھاور تھے صحابہ تیرے:

صحابہ کرامؓ نہ صرف زندگی میں محبوبِ خدا و جانِ عالم ﷺ کے آثار و متعلقات پر جان

چھڑکتے تھے بلکہ بعد از وصال بھی شاہکارِ ربوبیت ﷺ کے قرب اور آپ ﷺ کے آثار و منسوبات کی معیت کو نجات کا سامان سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ہر وہ شے توشۂ آخرت کا درجہ رکھتی تھی جسے حضور ﷺ کے ساتھ کسی بھی اعتبار سے کوئی تعلق نصیب ہو گیا تھا یا وہ کسی بھی حوالے سے آپ ﷺ کے ساتھ منسوب ہو گئی تھی۔ یہی زاویۂ نظر ان کی ایمانی و عملی زندگی میں کارفرما تھا اور وہ اسی کو اپنی دنیوی و اُخروی زندگی کا حقیقی سرمایہ سمجھتے تھے۔ چند حوالے پیشِ خدمت ہیں۔

زندگی تو اسی کو کہتے ہیں:

صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قربت ہی سب سے بڑھ کر پیاری تھی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے موت سے پہلے وصیت فرمائی کہ اگر میں آج کی رات فوت ہو جاؤں تو کل کا انتظار نہ کرنا بلکہ آج ہی کی رات مجھے دفن کر دینا۔

📖 **فان احب الایام و اللیال الی اقربها من رسول الله ﷺ** (مسند احمد ۱:۱۷)

ترجمہ: کیونکہ مجھے وہ دن اور راتیں زیادہ عزیز ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قرب میں گزریں۔

لُوں کیوں نہ یار میں ترے ہاتھوں کی بلائیں:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ابوبکرؓ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور

📖 **اوصٰی الی ان یغسله بالکف الذی غسل به رسول الله ﷺ.**

(کنز العمال، ۱۲:۵۳۸)

ترجمہ: یہ وصیت کی کہ مجھے اپنے ان ہاتھوں سے غسل دینا جن سے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تھا۔

میرا ارماں میرا اعزاز رفاقت تیری:

ابن سعد حضرت عروہؓ اور قاسم بن محمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وصال کے وقت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی بیٹی اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کو وصیت فرمائی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کرنا۔

فلما توفی حضرله وجعل رأسه عند کتف رسول الله ﷺ. (تاریخ الخلفا:۸۵)

ترجمہ: جب ان کا وصال ہوگیا تو ان کی قبر اس طرح بنائی گئی کہ ان کا سر رسول اللہ ﷺ کے مبارک کاندھے کے برابر تھا۔

مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے:

روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اُنہوں نے فرمایا مجھے اُٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ شریف میں لے جانا۔ اگر اندر تدفین کی اجازت مل جائے تو وہاں دفن کر دینا ورنہ جس جگہ چاہو دفن کر دینا۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

لما حملت جنازته الی باب قبر النبی ﷺ و نودی السلام علیک یا رسول اللّٰہ هذا ابوبکر بالباب فاذا الباب قد انفتح و اذا بهاتف یهتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب. (تفسیر کبیر، ۲۱:۸۷)

ترجمہ: جب سیدنا ابوبکرؓ کا جنازہ اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مواجہہ شریف میں رکھا گیا اور عرض کیا گیا السلام علیک یا رسول اللہ، ابوبکر در پر حاضر ہے تو دروازہ کھل گیا اور مزار اقدس سے آواز آئی۔ دوست کو دوست سے ملا دو۔

اظہارِ تکریم و ادب کا یہ بھی کیا انداز ہے:

امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنہوں

نے فرمایا:

📖 **فلا تدفنونی معرفانی اکرہ ان اجادو رسول اللہ ﷺ.**

(اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰:۳۳۳)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن نہ کرنا کیونکہ میں اپنے آپ کو اس حال میں حضور ﷺ کا پڑوسی ہونے کا اہل نہیں سمجھتی۔

نیز فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک قمیص ہے:

📖 **ضعوا ھذا علی صدری وادفنوھا معی لعلی انجو بھا من عذاب القبر.**

(اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰:۳۳۳)

ترجمہ: اس مبارک قمیص کو میرے سینے پر رکھ کر مجھے دفن کر دینا شاید اسکی برکت سے عذاب قبر سے نجات پاؤں۔

تصور فرمایئے محبوبِ خدا ﷺ کی زوجہ محترمہ اور اُمّ المومنینؓ جنکے قدموں کے تصدق سے پاکبازانِ اُمت کو جنت کی نعمت ملے گی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حضور کس قدر عاجزی کا اظہار فرما رہی ہیں اور دوسری طرف ہم غافل اور کوتاہ اندیش لوگ ہیں کہ نہ تو اصلاحِ احوال کی کوئی آرزو ہے اور نہ ہی انجام بد سے بچنے کی کوئی فکر یا تشویش!

موت آئے تو شہرِ جاناں میں:

عاشق کی سب سے بڑی آرزو محبوب کا قرب اور درِ جاناں تک رسائی ہوتی ہے۔ وہ زندہ بھی محبوب کی محبت میں رہنا چاہتا ہے اور مرنا بھی اس کے کوچے میں۔ سیدنا عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ بارگہ الٰہی میں ہمیشہ دُعا کیا کرتے تھے:

📖 **اللّٰھم ارزقنی شھادۃً فی سبیلک وارزقنی موتًا فی بلد حبیبک.**

(شرح شفا، ۱:۱۶۶)

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے حبیب کے شہر میں موت نصیب فرما

یہی آرزو ہے میری یہی دل کی ہے تمنا:

موت سے قبل سیّدنا عمرؓ اپنے جانشین کے بارے میں اصولی ہدایات دے چکے تو اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا ''اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں جاؤ میرا اسلام کہو اور عرض کرو''، عمر بن خطاب کی خواہش ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہو۔ نیز کہا فقط میرا نام لینا' امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ آج میں امیر المومنین نہیں رہا۔ ابن عمرؓ اُمّ المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؓ اپنے حجرے میں بیٹھی رو رہی تھیں۔ سلام عرض کیا اور اپنے والد گرامی کا پیغام پہنچایا۔

سیّدہ عائشہ نے فرمایا:

📖 **قد كنت والله اريدهٔ لنفسی ولاوترنه اليوم علی نفسی**

ترجمہ: اللہ کی قسم وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی مگر آج میں عمرؓ کو خود پر ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ نے آکر خوشخبری دی کہ اُمّ المومنین نے اجازت مرحمت فرما دی ہے تو

آپؓ نے فرمایا:

📖 **ماكان شئی باهم عندی من ذلک المضجع.**

ترجمہ: میرے نزدیک اس سعادت کے حصول سے بڑھ کر اور کوئی معاملہ نہ تھا۔

نیز فرمایا اے عبداللہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میری چارپائی حجرۂ انور کے سامنے رکھ کر اُمّ المؤمنینؓ سے یہ کہتے ہوئے درخواست کرنا کہ عمر داخلے کی اجازت چاہتا ہے۔

📖 **فان اذنت لک فادفنونی و ان لم تأذن فردونی الٰی مقابر المسلمين.**

(البخاری)

ترجمہ: اگر سیدہؓ اجازت دے دیں تو مجھے روضۂ اقدس میں دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ دیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

میری آنکھ چُھو کے گزر گیا تیرا ایک خواب ابھی ابھی:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت انس بن مالکؓ جو آپ ﷺ کے خادم خاص بھی تھے خود پر الطافِ کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ما من ليلة الا و انا ارى فيها حبيبى ثم يبكى. (ابن سعد' ۷:۲۰)

ترجمہ: کوئی ایسی رات نہیں گزری جس میں مَیں (خواب میں) اپنے محبوب ﷺ کا دیدار نہیں کرتا یہ کہنے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

حُسنِ عمل پہ تکیہ نہ تقوے پہ انحصار:

حضرت ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت انسؓ کے وصال کا وقت قریب آیا تو مجھے وصیت کی۔

هذا شعرة من شعر رسول الله ﷺ فضعها تحت لسانى فوضعتها تحت لسانه فدفن وهى تحت لسانه. (الاصابه فى تميز الصحابه' ۱: ۷۱)

ترجمہ: یہ میرے آقا کا موئے مبارک ہے اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا میں نے (آپ کی وصیت کے مطابق) وہ بال مبارک ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا گیا اور اُن کو اس حال میں دفن کیا گیا کہ بال مبارک ان کی زبان کے نیچے تھا۔

جن کو نصیب ہوگئی اُلفت حضور ﷺ کی:

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے حضور ﷺ کبھی کبھی حضرت انسؓ کی والدہ حضرت اُمّ سلیمؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور اُن کے پاس قیلولہ فرماتے چمڑے کے بچھونے پر حضور ﷺ کا جسم مبارک پسینے میں شرابور ہو جاتا اور وہ آپ کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ پسینۂ

مصطفوی ﷺ جیسی بے بدل نعمت ان کے گھر موجود تھی۔ جب انسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو

اُنہوں نے:

اوصی ان یجعل فی حنوطه من ذلک المسک قال فجعل فی حنوطه.

(البخاری کتاب الاستیذان)

ترجمه: وصیت کی کہ میرے کفن کو حضور ﷺ کے محفوظ پسینے سے خوشبو لگائی جائے لہٰذا ان کی وصیت کے مطابق پسینۂ مبارک کو ہی خوشبو کے طور پر کفن پر لگایا گیا۔

وہ آشنائے لذت وسرورِ بندگی:

یہ مبارک طریقہ آگے بھی جاری رہا امام ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے بھی اُمّ سلیمؓ سے پسینۂ رسول ﷺ کا تحفہ حاصل کیا۔ حضرت ایوبؒ کا بیان ہے کہ میں نے یہ نعمتِ جاں فزا ابنِ سیرین سے حاصل کی:

فاستو هبت من محمد ذلک المسک فوهبت لی منه فانه عندی الان.

ترجمه: میں نے وہ مبارک پسینہ محمد بن سیرین سے مانگا تو انہوں نے مجھے اس میں سے کچھ حصہ عطا کر دیا جواب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

جب امام ابنِ سیرین کا وصال ہوا تو ان کے کفن کو بھی اسی پسینۂ عنبریں سے معطر کیا گیا۔

ولما مات محمد حنط بذلک المسک. (سیر اعلام النبلاء ۲:۳۰۷)

ترجمه: جب محمد بن سیرین کا انتقال ہوا تو اُنہیں بھی اسی سے معطر کیا گیا۔

ابنِ سعد میں ہے کہ امام محمد ابنِ سیرین میت کو اسی پسینۂ اطہر سے خوشبو لگانا پسند کرتے تھے۔

و کان محمد یعجبه ان یحنط بالمسلک. (الطبقات ۴:۴۲۸)

ترجمہ: امام محمد اس بات کو پسند کرتے تھے کہ میت کو اسی پسینۂ اطہر سے معطر کیا جائے۔

ملتی ہے مئے عشق انہی کو جو اہل ہیں:

سنن بیہقی اور ابن عساکر میں امام محمد بن سیرین سے حضرت انسؓ بن مالک کے بارے میں مروی ہے:

📖 **ان کان عندهٔ عصيه لرسول الله صلى الله عليه وسلم فمات فد فنت معه بين جنبه و بين قميصه.** (کنز العمال، ۱۳:۲۸۹)

ترجمہ: ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی مبارک چھڑی تھی جو ان کے ساتھ ان کے پہلو اور قمیصِ کفن کے درمیان دفن کی گئی۔

حافظ ابن اثیر کہتے ہیں:

📖 **وكان عندهٔ عصيه لرسول الله صلى الله عليه وسلم فلما مات امر ان تدفن معه بين جنبه وقميصه.** (اسد الغابہ، ۷:۱۵۲)

ترجمہ: ان کے پاس حضور ﷺ کی مبارک چھڑی تھی وصال کے وقت فرمایا مجھے دفن کرتے ہوئے اسے میرے پہلو اور قمیص کے درمیان رکھ دینا۔

آثارِ رسول ﷺ سے برکت حاصل کرنے اور اسے توشۂ آخرت سمجھنے والوں میں حضرت معاویہؓ بھی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ وصال سے قبل حضرت امیر معاویہؓ نے اُنہیں بتایا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک ہیں جب میں فوت ہو جاؤں:

📖 **فخدوا ذلک الشعر فاحشوا به فمی و منخری.**

(تاریخ ابن عساکر بحوالہ صحابہ کی وصیتیں: ۱۰۹)

ترجمہ: تو ان بالوں کو میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا۔

وہی حلاوتِ ایماں سے شاد کام ہوئے:

حضرت معاویہؓ کے پاس حضور ﷺ کے مبارک ناخنوں کے ٹکڑے بھی محفوظ تھے ان کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قلم یومًا اظفارہ و اخذ من شعرہ فجمعت ذلک فاذا انا مت فاحش بہ فمی و انفی وخبأت قلامۃ اظفارہ فی قارورۃ فاذا امت واجعلوھا فی عینی فعسی اللّٰہ ان یرحمنی ببرکتھا.

(تاریخ اسلام للذہبی ۲: ۳۹۳)

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بال اور ناخن ترشوائے۔ میں نے انہیں جمع کرلیا تھا۔ جب میں فوت ہوجاؤں تو انہیں میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا۔ میں نے ایک شیشی میں آپ ﷺ کے ناخن آج کے لئے محفوظ کر لئے تھے۔ میری موت کے بعد انہیں میری آنکھوں پر رکھ دینا۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔

سرمہ ہے میری آنکھ کا:

امام شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی نے حضرت معاویہؓ کی وصیت ان الفاظ میں بیان کی ہے میں رسول اللہ ﷺ کو وضو کروایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک اُتار کر مجھے پہنا دیا میں نے وہ قمیص اور آپ ﷺ کے ناخن مبارک محفوظ کر لئے تھے جب میں فوت ہوجاؤں:

البسونی القمیص علی جلدی

ترجمہ: قمیص مبارک میرے جسم پر رکھ دینا۔

نیز فرمایا:

📖 اجعلوا القلامة مسحوقة فی عینی مفسی اللہ ان یرحمنی ببرکتھا.

(سیر اعلام النبلاء ۳:۱۶۰)

ترجمہ: ناخن مبارک کو پیس کر میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا اُمید ہے اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔

امام نوویؒ نے آپ ﷺ کی وصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

📖 وکان عندہ قلامة اظفارہ رسول اللہ ﷺ فارضی ان تسحق وتجعل فی عینیہ وفمہ وقال افعلوا اذلک بی وخلوا بینی و بین ارحم الراحمین.

(تہذیب الاسماء واللغات ۲:۱۰۳)

ترجمہ: ان کے پاس رسول ﷺ کے ناخن مبارک تھے انہوں نے یہ وصیّت کی کہ انہیں پیس کر میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دینا نیز کہا کہ ایسا کرنے کے بعد مجھے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے کے سپرد کردینا۔

اپنا تو آسرا ہے شفاعت حضور کی:

الاستیعاب میں حضرت معاویہؓ سے منسوب یہ الفاظ بھی درج ہیں کہ اگر بنی تو انہیں اشیاء میں سے کوئی شے وسیلہ بنے گی وگرنہ اللہ ہی معاف فرمانے والا ہے:

📖 فان نفع شئی فذاک والا فان اللہ غفور رحیم. (الاستیعاب ۳:۳۹۹)

ترجمہ: اگر کوئی نفع مند چیز ہے تو یہی ہے ورنہ اللہ ہی معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

مانگنے والے کو کیا کیا نہیں ملتا تیرے دَر سے:

صحابی رسول ﷺ حضرت ولید بن ولید نے ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہو کر عرض کیا:

📖 **یارسول اللّٰہ حسرت و انا میت فکفنی فی فضل ثوبک واجعلہ مما یلی جلدک.**

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ میری تمنا ہے کہ جب فوت ہو جاؤں تو آپ مجھے اپنے مبارک جسم سے مس ہونے والے کپڑے میں کفن دیں۔

جب اس صحابیؓ کا انتقال ہوا۔

📖 **فکفہ النبی ﷺ فی قمیصہ.** (الاصابہ ۳:۶۴۰)

ترجمہ: تو حضور ﷺ نے اسے اپنے قمیص میں کفن دیا۔

اِک لفظ نہیں ہے جو تیرے لب پہ نہیں ہے:

کتب حدیث میں آثارِ رسول ﷺ سے حصولِ برکت کا ایک اور نہایت ہی اچھوتا اور ایمان افروز واقعہ مذکور ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دھاری دار چادر لیکر حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!

📖 **نسجت ھذہ بیدی فجئت بھالا کسوھا.**

ترجمہ: میں نے یہ چادر اپنے ہاتھوں سے بُنی ہے اور اِسلئے لائی ہوں کہ آپ ﷺ کو اوڑھا دوں۔

آپ ﷺ وہ چادر اوڑھ کر صحابہؓ کی مجلس میں تشریف لائے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!

📖 **ما احسن ھذا البردۃ اکسینھا.**

ترجمہ: یہ چادر کتنی خوبصورت ہے۔ آپ مجھے اوڑھا دیجئے۔

فرمایا اچھا اسکے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور وہ چادر اُس صحابیؓ کو بھجوا دی۔

دیگر صحابہؓ کو اس شخص کا سوال ناگوار گزرا اور کہنے لگے تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ آپ ﷺ کو خود اس چادر کی ضرورت تھی۔ پھر تم نے سوال کر ڈالا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اس پر اس صحابیؓ نے کہا:

📖 **واللّٰہ انّی ماسألتہ لابسھا ولکن سالتہ ایاھا لتکون کفنی یوم اموت.**

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے یہ چادر اوڑھنے کیلئے نہیں لی ہاں اس لئے مانگی ہے کہ موت کے دن میرا کفن بنے۔

ابن جریر نے صحابیؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

📖 **واللّٰہ ماحملنی علی ذلک الا رجوت برکتھا حتّٰی بسھا رسول اللّٰہ ﷺ لعلی اکفن فیھا.** (الرسول: ۱:۱۴۷)

ترجمہ: اللہ کی قسم اس سوال پر مجھے صرف اس بات نے ابھارا ہے کہ میں اس چادر سے برکت حاصل کروں جسے رسول اللہ ﷺ نے پہنا اور میں اسے اپنا کفن بناؤں۔

مسند احمد کی روایت کے مطابق وصال کے دن یہی چادر ان کا کفن بنی۔

📖 **فکانت کفنہ یوم مات.** (مسند احمد، ۵:۳۳۴)

ترجمہ: وصال کے دن اسی مبارک چادر میں ان کو کفن دیا گیا۔

عطائے خاص کی باتوں کو عام کیا کرنا:

ایک نوعمر صحابیہؓ دیگر خواتین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں فتحِ خیبر کے بعد جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک ہار بھی تھا۔ وہ ہار حضور ﷺ نے اس صحابیہؓ کو عطا فرمایا۔ اس عطائے کریمانہ پر خوش نصیب صحابیہؓ کے الفاظ ملاحظہ ہوں، جو انہوں نے اپنی ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے:

📖 اخذ القلاوة التی ترین فی عنقی فاعطا ینها و جعلها بیده فی عنقی فو اللہ لا تفارقنی ابداً.

ترجمہ: یہ ہار جو میرے گلے میں آپ دیکھ رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا بلکہ میرے گلے میں پہنایا تھا۔ اللہ کی قسم میں اسے کبھی بھی خود سے جدا نہ کروں گی۔

مسند احمد کی روایت کے مطابق:

📖 و کانت فی عنقها حتیٰ ماتت ثم اوصت ان تدفن معها. (مسند احمد، ۶:۳۸۰)

ترجمہ: جب ان کا وصال ہوا تو وہ ہار ان کے گلے میں تھا اُنہوں نے یہ وصیت بھی کی کہ اس ہار کو میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔

انہی کے دم قدم سے تو میں سر بلند ہوں:

حضرت ابو محذورہ الجمعیؓ کو حضور ﷺ کے مؤذن ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت بلالؓ مسجد نبوی اور یہ حرمِ کعبہ کے مؤذن تھے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں اذان کی تعلیم دی تو ان کے سر کے اگلے حصے پر ازرہِ شفقت اپنا دستِ اقدس رکھا۔ احترام نبوی کے پیش نظر اُنہوں نے عمر بھر نہ وہ بال منڈوائے نہ ہی کٹوائے۔ وہ بال اس قدر بڑھ گئے تھے کہ جب زمین پر بیٹھتے تو زمین کو چھونے لگتے۔ جب لوگ پوچھتے کہ آپ انہیں منڈواتے کیوں نہیں تو ان کا جواب ہوتا۔

📖 ان رسول اللہ ﷺ مسح علیها بیدهٖ فلم اکن لا حلقها حتی اموت.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ان پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تھا۔ مر تو سکتا ہوں لیکن انہیں منڈوا نہیں سکتا۔

راوی بیان کرتے ہیں:

📖 فلم یحلقها حتی مات. (المستدرک، ۳:۵۸۱)

ترجمہ: اُنہوں نے بال نہ منڈوائے حتیٰ کہ ان کا وصال ہو گیا۔

لمسِ شفیق نے جسے انمول کر دیا:

حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے تو اُنہوں نے ایک انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسکے بارے میں پوچھا۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ انگوٹھی بنوائی ہے۔ فرمایا دکھاؤ! اُنہوں نے پیش کی تو فرمایا اس پہ نقش کیا ہے، عرض کیا ''محمد رسول اللہ ﷺ''۔

📖 **فاخذه النبی ﷺ فتختیم به حتی مات فهو الخاتم الذی کان فی یده.**

(المستدرک، ۳:۲۷۹)

ترجمہ: حضور ﷺ نے انگوٹھی لیکر انہیں (دوبارہ) پہنا دی۔ بوقت وصال وہ انگوٹھی اُنہوں نے پہن رکھی تھی۔

عصائے موسوی کو اِس عصا سے کیا نسبت:

حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک عصا عطا کیا جسکے ساتھ آپ ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے یہ عصا اپنی تلوار کے ساتھ محفوظ کرلیا۔

📖 **فلم تزک معه حتیٰ اذا مات مر بها فضممت معه فی کفنه ثم دفنا جمیعًا.**

(سیدنا محمد رسول اللہ: ۴۰۰)

ترجمہ: اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے حتیٰ کہ وصال کے وقت وصیت کی کہ اسے میرے کفن میں رکھ دینا (جب ان کا وصال ہوا تو) تلوار اور عصاء دونوں ان کے کفن میں رکھ دیئے گئے۔

وہ لمحے جو سبھی انمول ہو گئے یارو!:

صحابہ کرامؓ ہمہ وقت شاہکارِ ربوبیت ﷺ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی حسیں یادیں اپنے دل و دماغ میں بسائے رکھتے۔ اپنی محفلوں کو ان یادوں کے تذکرے سے منور کرتے۔

آپ ﷺ کے حسن و جمال مبارک اداؤں اور شمائل و فضائل کے بیان سے اپنے جذبات محبت کی تسکین کرتے۔ محبوب خدا ﷺ کے ساتھ وابستہ یادوں کے بیان سے خود بھی حظ لیتے اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرتے عشاقِ مصطفےٰ ﷺ کی وارفتگیوں کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حسن و جمالِ یار کی تجھ کو بھی دوں خبر:

مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کے صاحبزادے محمدؒ سیدنا ابو ہریرہؓ کے بارے میں روایت فرماتے ہیں کہ وہ جب کسی دیہاتی یا ایسے شخص کو پالیتے جس نے حضور ﷺ کی زیارت نہ کی ہوتی تو اسے پاس بٹھا لیتے اور اس سے اپنے آقا ﷺ کے حسن و جمال اور اوصاف ومحاسن کا تذکرہ کر کے اپنے دل کو تسلی دیتے۔

📖 **ان ابا هريرة اذا رأى احداً من الاعراب او احداً لم ير النبى ﷺ قال الا اصف لكم النبى ﷺ كان شثن القدمين اهدب العينين ابيض الكشحين يقبل معًا ويد برمعًا فدى ابى و امى ما رأيت مثله قبله ولا بعدهٗ.** (طبقات ابن سعد ۱: ۴۱۴)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہؓ کا (ساری عمر) یہ عمل رہا کہ جب کسی ایسے شخص کو پالیتے جس نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار نہ کیا ہوتا تو اُسے کہتے آ! تجھے میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف و محاسن سناؤں۔ آخر میں فرماتے' میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں نے آپ ﷺ کی مثل نہ پہلے کسی کو دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نظر آیا۔

ہم بھی ہیں واقفِ اسرار کوئی پوچھے تو:

حضرت سعید الجزیری فرماتے ہیں:

📖 **كنت اطوف مع ابى طفيل بالبيت فقال مابقى احد راى رسول الله ﷺ غيرى.**

ترجمہ: میں صحابیِ رسول ﷺ ابو طفیلؓ کے ہمراہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اُنہوں نے فرمایا۔ آج میرے سوا دیدارِ مصطفےٰ سے مشرف ہونیوالا کوئی دوسرا شخص روئے زمین پر موجود نہیں۔

میں نے ازراہِ تعجب پوچھا کیا آپ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے تو اُنہوں نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا:

📖 **كيف كان صفة.**

ترجمہ: آپ ﷺ کے اوصاف و شمائل کیا تھے۔

اُنہوں نے یادیں تازہ کرتے ہوئے فرمایا:

📖 **كان ابيض مليحًا مقصداً.** (طبقات ابن سعد ۱:۴۱۷)

اے واقفِ اسرار کچھ ہم سے بھی کر بیاں:

حضرت عمار بن یاسر کے پوتے ابو عبیدہ صحابیہ رسول ﷺ حضرت ربیعہ بنت معوذ سے کہنے لگے:

📖 **صفى لى رسول الله ﷺ.**

ترجمہ: مجھے محبوبِ خدا ﷺ کے حُسن و جمال کے بارے میں تو کچھ بتائیں۔

اُنہوں نے آپ ﷺ کا سراپا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

📖 **يا بنى لو رأيته لقلت الشمس طالعة.** (سبل الہدیٰ ۲:۶)

ترجمہ: بیٹے! اگر تو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتا تو ایسے پاتا جیسے سورج چمک رہا ہے۔

آنکھوں میں بس گیا ہے سراپا حضور کا:

حضرت بشرم بن بشار سے روایت ہے کہ بنی عامر قبیلے کا ایک شخص صحابی رسول ﷺ

حضرت ابوامامہ باہلی کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوامامہ آپ عربی اور فصیح اللسان ہیں اور بات خوب بیان کرتے ہیں۔ مجھ سے آقائے دوجہاں ﷺ کا حلیہ مبارک اس طرح بیان کریں کہ گویا میں آپ ﷺ کو (چشمِ تصور میں) دیکھنے لگوں۔ حضرت ابوامامہؓ نے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرمایا آپ ﷺ کا رنگ مبارک سفید سرخی مائل تھا۔ آنکھیں سیاہ اور ابرو باریک تھے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ جب حضرت ابوامامہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا ہر گوشہ تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے تو وہ شخص پکار اُٹھا۔

📖 **فقد وصفت لی صفة لو کان فی جمیع الناس لعرفته.**

ترجمہ: آپ نے رسول ﷺ کا کیا ہی خوب سراپا بیان کیا ہے اگر آپ ﷺ جمیع مخلوق کے درمیان بھی ہوں تو میں آپ ﷺ کو پہچان لوں گا۔

آج آنگن میں مِرے چاند اُتر آیا تھا:

حضرت اُمّ معبدؓ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنکے ہاں سفرِ ہجرت کے دوران حضور ﷺ تھوڑی دیر کیلئے رُکے اور شرفِ میزبانی بخشا۔ وہ اپنے خاوند سے مہمانِ ذیشان کا سراپا اور خصائل و شمائل بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

📖 **رایت رجلاً ظاهر الوضاءة حسن الخلق مليح الوجه لم تعبه ثجلة ولم تزدبه صعلة وسيم فی عينه و عج و فی اشفاره وطف وفی صوتهٖ صحل احود اکحل ازج اقرن فی عنقه سطح و فی لحيتهٖ کشاثة اذا صمت فعليه الوتار واذا تکلم سماء و علاه البها حلوالمنطق فصل لانز دولا هذر و کان منطقه خرزات نظم ينحدرن ابهی الناس و اجمله من بعيد و املاه واحسنه من قريب ربعة لا تشنؤ عين من طول ولا تقتحمه عين من قصر غنصق بين غضين فهوأ نظر الثلثة منظراً واحسنهم قداً له رفقا' يحفون به ان قال استمعو لقولهٖ و ان امرتباد روا الی امره محفود محشود لا عابس ولا مغند.** (شمائل الرسول' ۱:۵۸)

ترجمہ: میں نے ایک ایسی نورِ نور شخصیت کا دیدار کیا ہے جو نہایت خوبصورت چہرے' گھنے اور دیدہ زیب بالوں' سرگیں آنکھوں' طویل ابروؤں' دلکش آواز' آنکھوں میں سرخ دھاری' بلند گردن اور گھنی داڑھی کی حامل تھی۔ خاموش ہو تو صاحبِ وقار' گفتگو کرے تو چھا جائے اور نور پھیل جائے۔ باتیں میٹھی گفتگو ایسی جیسے موتیوں کی لڑی ہو۔ دُور سے دیکھنے والا مرعوب اور قریب سے دیکھنے والا اپنائیت کا احساس پائے۔ قد انور نہ زیادہ لمبا نہ پست۔ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ وہ ایسے لگتے تھے جیسے دو شاخوں کے درمیان ایک خوبصورت شاخ نکل رہی ہو' انکے رفقاء نہایت مؤدب انکی باتیں نہایت انہماک سے سننے والے اگر وہ کسی بات کا حکم دیں تو بجالانے میں ذرا دیر نہ کریں اجتماعیت کے پیکر کمزوری سے پاک' تلخی و ترشی سے مبرا۔

چودہویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو:

حضرت ابواسحاق ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے علاقے کی ایک خاتون کو حضور ﷺ کی معیت میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ واپسی پر لوگوں نے اسے حضور ﷺ کا سراپا بیان کرنے کیلئے کہا تو میں نے ان سے کہا مجھے تو کسی مخصوص شے کے ساتھ تشبیہ دے کر بتاؤ کہ آپ ﷺ کیسے ہیں اس پر وہ فرمانے لگیں:

كالقمر ليلة البدر لم ارا قبله ولا بعده مثله. (سبل الہدیٰ' ۲:۱۰)

ترجمہ: **آپ ﷺ بالکل چودہویں کے چاند کی طرح ہیں۔ میں نے ان سے پہلے اور نہ ہی بعد میں ان کی مثل کسی کو دیکھا ہے۔**

ہم سے بھی حُسنِ یار کی روداد کر بیاں:

حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے وصال کے وقت بہت چھوٹا تھا

اسلئے میں اپنے (رشتے کے) ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کے شمائل کے بارے میں سوال کرتا رہتا تھا تاکہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا نقشہ لوحِ دل پر جما سکوں۔

سالت خالی هند بن ابی هاله ربیب النبی ﷺ و انا اشتهی ان یصف لی منها شی اتعلق به. (شمائل ترمذی)

ترجمہ: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے (جو کہ وصاف نبی ﷺ یعنی حضور ﷺ کے اوصاف بیان کرنے والے کے لقب سے مشہور تھے) سوال کیا کہ مجھ سے رسول اللہ کے شمائل وفضائل بیان فرمائیں تاکہ انہیں سن کر میں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق قائم کرسکوں۔

ملا علی قاری ''اتعلق به'' کا ترجمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اتشبت بذالل الوصف واجعله محفوظًا فی خزانة خیالی.

(جمع الوسائل، ۱:۳۳)

ترجمہ: تاکہ ان اوصاف ومحاسن کے ذریعے میرا آپ ﷺ کے ساتھ تعلق پختہ تر ہوجائے اور میں آپ ﷺ کو اپنے ذہن وخیال کی دنیا میں خوب اچھی طرح بسالوں۔

شیخ عبداللہ سراج الدین شامی نے سوال کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا:

و یجعلها محفوظة فی خزانة قلبه ولوح خیاله. (سیدنا محمد رسول اللہ:۲۱۶)

ترجمہ: تاکہ آپ ﷺ کی صورت مبارکہ کو اپنے دل اور خیال کی تختی پر نقش کرسکیں۔

شیخ موصوف نے مقدمہ کتاب میں شمائل نبوی کے بیان کے فوائد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے صورت طیبہ عملی طور پر دل ونگاہ پر نقش ہوجاتی ہے:

ان اطلاع الانسان علی اوصافه ﷺ العظیمة و شمائله الکریمة لیعطی صورة علمیة تنطبع فی القلب و ترتسم فی المخیلة کانة رای محبوبه ﷺ.

(سیدنا محمد رسول اللہ: ۷)

ترجمہ: انسان کو آپ ﷺ کے اوصاف عظیمہ اور شمائل کریمہ پر آگہی سے یہ فائدہ نصیب ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی صورت علمیہ قلب میں نقش ہو جاتی ہے اور خیال میں اس طرح بس جاتی ہے کہ گویا اس نے محبوب کریم ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

جمالِ یار کی حسین یادیں:

بقول مفتی محمد خان قادری حضرت امام حسنؓ کے الفاظ انا شتھی ان یصف لی منھا شئی اتعلق بہ (میں چاہتا ہوں کہ ان اوصاف کے ذریعے آپ ﷺ کی حسین صورت کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرلوں) واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہؓ حضور ﷺ کی حسیں یادوں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ کو اپنے قلوب و اذہان میں ہر وقت محفوظ رکھنے کیلئے کوشاں رہتے اور آپ ﷺ کی مبارک اداؤں کو اپنی چشم تصور سے اوجھل نہ ہونے دیتے بلکہ جب بھی آپ کا تذکرہ چھڑتا ہر صحابیؓ آپ ﷺ کی کسی نہ کسی ادا کا اس انداز سے تذکرہ کرتا جیسے وہ اب بھی اس حیات آفریں منظر کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ صحابہؓ کے قلب و ذہن میں محفوظ چند حسیں یادوں اور آپ ﷺ کی محبوبانہ اداؤں کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

جس کی چمک نے خیرہ کیا میری آنکھ کو:

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ قیصر روم کیطرف پیغام ارسال فرمانے لگے تو صحابہؓ کے مشورے پر ایک انگوٹھی تیار کروائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے۔ اسی سے قیصر روم کی طرف خط پر مہر ثبت فرمائی۔ آپ ﷺ اسے پہنے رکھتے اور اسی کے ساتھ خطوط پر مہر ثبت فرماتے۔ حضرت انسؓ حضور ﷺ کے اس معمول کے تذکرے کے بعد ہمیشہ فرماتے:

📖 **کانی انظر الی بیا فیہ فی ید رسول اللہ ﷺ.** (طبقات ابن سعد ۱:۴۷۱)

ترجمہ: میں آج بھی چشمِ تصور میں آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں اس انگوٹھی کو چمکتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

ہماری آنکھوں میں آج تک وہ ادائے دلبر جھلک رہی ہے
مری نگاہوں میں آج بھی وہ انگوٹھی تیری چمک رہی ہے

ذکرِ جاناں کیلئے بس اِک بہانہ چاہیے:

حضرت انسؓ ہی سے کسی نے سوال کیا:

هل اتخذ رسول الله ﷺ خاتمًا.

ترجمہ: کیا رسول اللہ ﷺ انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

آپؓ نے اس شخص کو اپنے پاس بٹھالیا اور یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھانے کیلئے قدرے تاخیر سے تشریف لائے۔ جماعت کروائی اور اسکے بعد:

اقبل علينا بوجهه فقال ان الناس قد صلّوا و ناموا ولم تزالو فی الصلوٰة ما انتظر تموها.

ترجمہ: اپنا چہرۂ اقدس ہماری طرف متوجہ کر کے فرمایا باقی لوگ نماز پڑھ کر سو چکے لیکن تمہارا نماز باجماعت کیلئے انتظار کرنا ایسا ہے جیسے تمام وقت نماز میں مشغول رہے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد کہنے لگے:

فكانی انظر الان الی و بيض خاتمه فی يد رسول الله ﷺ.
(طبقات ابن سعد، ۱:۴۷۲)

ترجمہ: میں اس لمحے بھی (اس رات) آپ ﷺ کے ہاتھ پر پہنی ہوئی انگوٹھی کی چمک و دمک دیکھ رہا ہے۔

یہاں جو بات قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ سائل نے تو فقط انگوٹھی پہننے سے متعلق حضور ﷺ کے

معمول کی بابت سوال کیا تھا جس کا جواب فقط اثبات میں بھی دیا جاسکتا تھا لیکن حضرت انسؓ نے اس جواب پر اکتفا کرنے کی بجائے پورا واقعہ بیان کیا انگوٹھی کا ذکر کیا اور اس سے وابستہ اپنی حسیں یادوں کا تذکرہ کیا۔ اہلِ محبت کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے کہ ذکرِ محبوب کیلئے بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں اور ایک مرتبہ جب ذکر چھڑ جاتا ہے تو چاہتے ہیں کہ یہ ذکر جاری ہی رہے۔

قرطاسِ دل پہ ثبت ہیں وہ مسکراہٹیں:

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے ساتھیوں سمیت کسی غرض سے حاضر ہوئے آپ ﷺ اس وقت مسواک فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ کی یہ من موہنی ادا ان کے قلب و دماغ میں یوں گھر کر گئی کہ جب بھی واقعہ مذکورہ کا تذکرہ کرتے اس بات کا اضافہ ضرور کرتے۔

📖 **كانى انظر الى سواكه تحت شفتيه.** (المسلم ٢:)

ترجمہ: میں آج بھی تصور میں آپ ﷺ کے مبارک ہونٹوں تلے مسواک دیکھ رہا ہوں۔

آج تک تازہ ہے یادوں میں وہ جلوہ تیرا:

حضرت عمرو بن حریثؓ اپنے والد گرامی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب بھی اپنے آقا کا تذکرہ کرتے تو یہ بھی ضرور بیان کرتے:

📖 **كانى انظر الى رسول الله ﷺ على المنبر و عليه عمامة سوداء قد ارفى طرفيها بين كتفيها.** (المسلم، ١: ٤٤٠)

ترجمہ: میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ حضور ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہیں۔ آپ ﷺ کے سرِ اقدس پر سیاہ رنگ کا عمامہ ہے جس کے دونوں کونے آپ ﷺ کے مبارک شانوں کے درمیان لٹک رہے ہیں۔

اس لوحِ دل پہ نقش ہے وہ منظرِ حسین:

حضرت عائشہؓ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ ﷺ کے جسم اقدس پر خوشبو لگائی جب بھی

سرکارِ دوعالم ﷺ کے حج کا تذکرہ فرماتیں تو کہتیں:

📖 **کان انظر الی و بیض الطیب فی مغارق رسول اللہ ﷺ و ھو محرم.**

(البخاری، ۱:۲۰۸)

ترجمہ: آج بھی وہ حسین منظر میری آنکھوں میں گھوم رہا ہے کہ آپ ﷺ حالتِ احرام میں ہیں

اور آپ ﷺ کے مبارک بالوں کی مانگ میں خوشبو چمک رہی ہے۔

اس طرح کچھ آج ان کی یاد نے باندھا سماں:

حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ ہم (یعنی ازواجِ النبی ﷺ) رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے

جانوروں کے لئے خوبصورت گانیاں بنایا کرتی تھیں۔ خوبصورت گانیوں کی حسین یادیں آج بھی

میرے قلب و دماغ میں تازہ ہیں:

📖 **کانی انظر الی افتل قلائد ھدی رسول اللہ ﷺ من الغنم.**

(مسند احمد، ۷:۳۷۴)

ترجمہ: میں اس وقت بھی ان گانیوں کو دیکھ رہی ہوں جو ہم رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے

جانوروں کے لئے بنایا کرتی تھیں۔

وہ جو قبلہ ہے مرے دل کا میری آنکھوں کا:

حضرت امام شعبیؒ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ غسل

سے پہلے وضو فرماتے۔ ہاتھ دیوار پر رگڑتے اور ان پر پانی ڈالتے۔

📖 **فکانی اری اثریدہ فی الحائط.** (مسند احمد، ۷:۳۳۷)

ترجمہ: گویا میں آج بھی دیوار پر آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ کا نقش واثر دیکھ رہی ہوں۔

تھے کتنے پُرشکوہ تیری بانہوں کے زاویے:

حضرت عبد بن اقرم الخزاعی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد گرامی نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد عزہ کے مقام پر تھے کہ ہمارے پاس سے اونٹ سواروں کا ایک قافلہ گزرا۔ اہلِ قافلہ نے راستے کے ایک جانب اونٹوں کو بٹھا کر پڑاؤ کیا۔ نماز کیلئے اذان اور تکبیر کہی گئی۔ ہم بھی اپنا کام چھوڑ کر نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے اہلِ قافلہ کے پاس چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان میں رسول ﷺ بھی تشریف فرما ہیں ہم نے (زیارت بھی کی تھی اور) آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی میرے والد نے جو چند لمحات حضور ﷺ کی معیت میں گزارے تھے اُن کی حسیں یادیں ان کے لوحِ قلب وذہن پر کچھ اس طرح نقش ہو کر رہ گئیں کہ جب بھی آپ ﷺ کے مبارک سجدے کی کیفیت بیان کرتے تو یوں گویا ہوتے:

📖 **فکانی انظر الی عفرتی البطی رسول اللہ ﷺ.**

ترجمہ: میں آج بھی چشمِ تصور میں سجدہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔

صحابہؓ دیدارِ محبوب ﷺ کی سرور آفریں اور دلنواز کیفیات کو ہمہ وقت اپنے دل و دماغ میں بسائے رہتے اور جب بھی ذکرِ حبیب چھڑتا تو انکے دلوں کے تار بھی چھڑ جاتے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بھی آپ ﷺ کے سجدۂ مبارک کی کیفیت بیان کرتے ہوئے پکار اُٹھتے۔

📖 **کانی انظر الی بیاض کشح النبیﷺ وھو ساجد.** (طبقات ابن سعد ۱: ۴۲)

ترجمہ: سجدہ کرتے وقت آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی آج بھی میری نگاہوں کو منور کر رہی ہے۔

وہ اِک ادائے یار جو دل میں اُتر گئی:

حضرت مطلب بن ابی وراعہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے موقع پر حضور ﷺ نے ایک شخص کو پتھر اُٹھا لانے کو کہا اُس سے وہ پتھر نہ اُٹھایا جاسکا تو آپ ﷺ اپنی مبارک آستین چڑھاتے ہوئے اُٹھے۔ اتنا بیان کرنے کے بعد حضرت مطلب بن ابی وراعہ کے بقول راوی نے کہا:

کانی انظر الی بیاض زراعی رسول اللّٰہ ﷺ حین حسرھا.

(مشکوٰۃ المصابیح: باب دفن المیت)

ترجمہ: گویا میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کے مقدس بازوؤں کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ جب آپ ﷺ نے آستین چڑھائے تھے۔

اُس منظرِ حسین کو کیونکر میں دوں بھلا:

سیّدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ انبیاء ﷺ نے گود میں گفتگو کرنے والے بچوں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ بنی اسرائیل کی ایک خاتون بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اسکے پاس سے ایک خوبصورت شکل والا سوار گزرا۔ اس خاتون نے دُعا کی۔ اے اللہ میرے بچے کو اس سوار جیسا بنا دے۔ وہ بچہ دودھ چھوڑ کر سوار کی طرف مخاطب ہوکر بولا اے اللہ مجھے ہرگز ایسا نہ بنا۔ پھر اس نے دودھ پینا شروع کردیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سمجھانے کیلئے مبارک منہ میں انگلی ڈال کر اُسے چوسا۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں:

کانی انظر الی النبی ﷺ یمص اصبعه.

(البخاری ۱:۴۸۹)

ترجمہ: گویا میں اب بھی آپ ﷺ کو منہ میں اُنگلی ڈالے دیکھ رہا ہوں۔

ہر ہر ادائے یار میں اٹکی ہے میری جاں:

حضرت حارث بن غطیفؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت سی باتیں یاد ہیں بہت ساری بھول گیا ہوں مگر ایک مرتبہ:

📖 **لم انس انی را تیت رسول اللہ ﷺ واضعًا یدہ الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ.** (اسد الغابۃ ۱:۴۱۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھے دیکھا اُس (منظرِ حسین) کو آج تک نہیں بھول پایا۔

بس اس کے بعد بھوک رہی مجھ کو نہ ہی پیاس:

امام قاسم بن ثابت ''الدلائل'' میں حضرت حنشؓ سے روایت کرتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی جسے قبول کرتے ہوئے میں مسلمان ہو گیا۔

📖 **فسقانی فضلۃ سویق فما زلت اجد ریھا اذا عطشت اشبعتھا اذا جعت.**
(سبل الہدیٰ والرشاد ۱۰:۴۱)

ترجمہ: مجھے آپ ﷺ نے اپنے بچے ہوئے ستو پلائے اب بھی جب مجھے پیاس لگتی ہے میں ان کے تصور سے سیرابی پاتا ہوں اور بھوک لگتی ہے تو خود کو سیر شدہ پاتا ہوں۔

بس ایک گھونٹ نے مجھے سیراب کر دیا:

اسی طرح کا واقعہ امام طبرانی نے حضرت ابو عقیل الدیلیؓ کے بارے میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا تو!

📖 **سقانی رسول اللہ ﷺ شربۃ سویق شرب رسول اللہ اولھا و شربت اخرھا فما زلت اجد بلتھا علی نوادی اذ اظمئت وبردھا اذا اضحیت.**

(المجمع، ۹:۴۰۰)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ستو پلائے پہلے آپ ﷺ نے خود پئے پھر مجھے دیئے۔ جب پیاس لگتی ہے تو سینے میں انکی تراوت محسوس کرتا ہوں جب گرمی محسوس ہوتی ہے تو ان (کے تصور) سے لب وجگر میں ٹھنڈک پاتا ہوں۔

دیکھو کیا کیا رنگ جمائے ان کے پیار کی برکھا نے:

حضرت عبداللہ بن بلال انصاریؓ سے منقول ہے کہ مجھے میرے والد گرامی رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کیلئے دُعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھ کر دُعا فرمائی۔

فما انسی وضع رسول اللہ ﷺ یدہ علی رأسی حتی وجدت بردھا.

(سیدنا محمد رسول اللہ: ۳۷۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ میں نے (اپنے سینے میں) اسکی ٹھنڈک محسوس کی میں آج تک یہ انداز کریمانہ فراموش نہیں کرسکا۔

کیسے بھولوں ترے انداز مسیحائی کے:

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مکہ میں سخت بیمار ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کیلئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری ایک بیٹی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے مال میں سے دوتہائی کی وصیت کروں اور ایک تہائی بیٹی کیلئے رہنے دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کیا نصف کرلوں۔ فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا ایک تہائی صدقہ اور دو تہائی بیٹی کیلئے رکھ لیتا ہوں۔ فرمایا ہاں۔ تہائی میں وصیت کرو۔ تہائی کافی ہے۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے میری پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھا پھر اسے میرے چہرے اور بطن پر پھیرا اور یہ دعا دی۔ اے اللہ سعد کو شفا دے اور اسکی ہجرت کو کامل فرما۔

📖 فما زلت اجد بردیده علی کبدی فیما یخال الیٰ حتی الساعة.

(البخاری کتاب الوصایا)

ترجمہ: میں آج تک جس لمحے بھی اُس شفقتِ کریمانہ کو یاد کرتا ہوں اپنے سینے میں دست اقدس کی ٹھنڈک پاتا ہوں۔

وہ خوش نصیب تھے وہ بخت کے سکندر تھے:

حضرت عمرو بن ابی عمرو المزنی سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میری عمر پانچ سال تھی۔ قربانی والے دن میرے والد مجھے منیٰ میں اس مقام پر لے گئے جہاں رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر جلوہ افروز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے میں نے پوچھا یہ مبارک شخصیت کون ہیں اُنہوں نے بتایا یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ میں سن کر آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی مبارک پنڈلی کو پکڑ لیا اسے تبرکاً چھوا اسکے بعد اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے مبارک تلووں سے مس کیا۔

📖 فکانی اجد بردها علی کفی. (سیدنا محمد رسول اللہ ۳۸۶)

ترجمہ: اب بھی میں اپنے ہاتھوں میں مبارک تلووں کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

دل کی بستی پہ جو برسی ہے گھٹا رحمت کی:

حضرت شریح بن ہانیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا آپ ﷺ عشاء کی نماز مؤخر کر کے ادا فرماتے اور فرض نماز کے بعد گھر میں چار یا چھ رکعت ادا فرماتے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ فرماتی ہیں:

📖 وما رایته تیغی علی الارض بشئی قط الا انی اذکر ان یوم مطر الیقینا تحة بتًا فکانی انظر الی فرق فیه ینبع منه الما. (مسند احمد ۷:۸۷)

ترجمہ: زمین پر کبھی بھی نماز کیلئے کوئی چیز نہ بچھاتے ایک مرتبہ بارش ہو رہی تھی میں نے آپ ﷺ کیلئے بوریا بچھا دیا جو پھٹا ہوا تھا۔ اس بورے کی پھٹی ہوئی جگہ سے پانی بہتا (چشمِ تصور میں) اب بھی دیکھ رہی ہوں۔

قُفلِ جنت تیرے بخت رسا کا کیا کہنا:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میں جنت کا تالا کھولوں گا آپ ﷺ نے ساتھ ہی اپنے دست مبارک کو حرکت بھی دی۔

📖 **کانی انظر الٰی ید رسول اللہ ﷺ یحر کھا.** (سنن دارمی ۱:۳۱)

ترجمہ: حضور ﷺ کا مبارک ہاتھوں کو حرکت دینے کا محبوبانہ انداز اب بھی میری نگاہوں میں ہے۔

جن کو نگاہِ مصطفٰے ﷺ نے تام کر دیا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کی اقتدا میں کئی مرتبہ نماز عیدالفطر ادا کی ہے۔ ہر مرتبہ آپ ﷺ نے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ ایک مرتبہ خطبہ کے بعد:

📖 **فنزل نبی اللہ ﷺ فکانی انظر الیہ حین یجلس الرجال بیدہٖ.**

(البخاری ۲:۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اب بھی وہ خوبصورت منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جب آپ ﷺ ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بیٹھ جانے کا حکم فرما رہے تھے۔

کر پیش بڑھ کے تو بھی تو کچھ چاہتوں کے پھول:

حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ حضور ﷺ سے صرف تین سال بڑے تھے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو میری والدہ کو اطلاع دی گئی کہ جناب آمنہؓ کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے وہ مجھے اپنے ہمراہ لیکر حضرت آمنہؓ کے گھر تشریف لے گئیں۔ جب ہم اپنے حجرے میں داخل ہوئے تو اس موقعہ پر میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔

فکانی انظر الیه یمصع رجلیه فی عرصة وجعل النسا یحدثنی و یقلن قبّل اخاک. (المستدرک، ۳:۳۶۳)

ترجمہ: وہ منظر گویا اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپ ﷺ اپنے پاؤں کو حرکت دے رہے ہیں (اس موقع پر) خواتین نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تمہارا ساتھی پیدا ہوا ہے۔ اسے (بڑھ کر) بوسہ دو۔

ہے لوحِ دل پہ نقش وہ ادائے دلبری:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

کان یسلم عن یمینه وعن شماله حتی اری بیاض وجهه فما نسیت بعد فیما نسیت السلام علیکم ورحمته اللّٰه. (مسند احمد، ۲:۱۱)

ترجمہ: حضور ﷺ دائیں اور بائیں اس طرح سلام پھیرتے کہ میں آپ ﷺ کے روشن چہرے کی زیارت کر لیتا اور اب تک میں آپ ﷺ کا السلام علیکم ورحمتہ اللہ فرمانا نہیں بھول پایا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے مروی ہے کہ جعرانہ کے مقام پر حضور ﷺ غزوۂ حنین سے حاصل شدہ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں کا خوب اژدہام تھا۔ اس موقع

پر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس قوم کے پاس بھیجا۔ اُنہوں نے اسے مارا اور زخمی کر دیا اور وہ اسکے باوجود اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہتا ہے اے میرے رب میری قوم کو معاف فرما دے یہ مجھے نہیں جانتی۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں:

📖 **کانی انظر الی رسول اللّٰہ ﷺ یمسح الدم عن جبھتہ.** (مسند احمدؒ ۲:۴۱)

ترجمہ: میں اب بھی (چشمِ تصور میں) حضور ﷺ کا اپنی پیشانی سے خون صاف کرنا دیکھ رہا ہوں۔

بس ایک چہرۂ تاباں نظر میں ہے اب تک:

حضرت عبداللہ بن مسعود حضور ﷺ کے نماز کے موقع پر اسلام پھیرنے کی حسیں یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

📖 **کانما انظر الٰی بیاض خد رسول اللّٰہ ﷺ لتسلیمۃ الیسریٰ.** (مسند احمدؒ ۲:۵۴)

ترجمہ: بائیں طرف سلام پھیرتے وقت آپ ﷺ کے رخسار کی سفیدی اب بھی میری نگاہوں میں ہے۔

آج تک تازہ ہے وہ کیف و سرور ولذت:

حضرت عبداللہ بن بلالؓ کہا کرتے:

📖 **ما انسی حین ذھب ابی الٰی النبی ﷺ فقال یا رسول اللّٰہ ادع اللّٰہ لہ وبارک علیہ قال فما انسٰی بردید رسول اللّٰہ ﷺ علی یا فوخی.** (اسد الغابہؒ ۳:۳۰۲)

ترجمہ: مجھے وہ لمحات نہیں بھولتے جب میرے والد گرامی مجھے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اسکے لئے برکت کی دعا فرمایئے اور نہ ہی مجھے آپ ﷺ کے ہاتھوں کی وہ ٹھنڈک اب تک بھولی ہے جو آپ ﷺ نے میرے سر پر رکھے تھے۔

گرچہ نو عمر تھا لیکن نہیں بھولا اب تک :

حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاریؓ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اس وقت میری عمر قریباً پانچ سال تھی۔ میں بھی آپ ﷺ کا استقبال کرنے والے دیگر انصاری بچوں میں شامل تھا۔

📖 **کانی انظر الیه حین هبط من الثنیة علی البعیر والناس حوله .**

ترجمہ: وہ منظر اب بھی میری نگاہوں میں ہے کہ آپ ﷺ ثنیہ کی گھاٹیوں سے تشریف لا رہے ہیں اور ارد گرد آپ ﷺ کے صحابہ ہیں۔

تیری لحد میں لائے ہیں تشریف مصطفیٰ ﷺ :

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔ چچا نے پرورش کی انہیں حضور ﷺ کے ساتھ اُنس ہوگیا کافر چچا کو معلوم ہوا تو اس نے کہا اگر تم نے محمد ﷺ کا راستہ اختیار کرلیا تو میں تجھ سے ہر شے چھین لوں گا۔ اُنہوں نے اعلان کردیا کہ میں محمد ﷺ کے دامن سے وابستگی اختیار کر چکا ہوں۔ تجھ سے جو ہوسکتا ہے کرلے۔ چچا نے اپنی دی ہوئی ہر شے واپس لے لی۔ حتیٰ کہ کپڑے بھی اُتار لئے۔ اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے ایک کمبل دیا۔ اسکے دو حصے کئے ایک تہہ بند بنا لیا دوسرے کو اوپر اوڑھ لیا۔ اسی حالت میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کیا عبدالعزیٰ۔ فرمایا آج کے بعد تمہارا نام عبداللہ ذوالبجادین ہے۔

📖 **فالزم بابی فلزم باب رسول اللہ ﷺ.**

ترجمہ: آج سے تم ہمارے پاس رہا کرو گے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے درِ اقدس پر بیٹھے رہا کرتے۔

ان کا وصال غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا۔ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ انہیں قبر میں

اُتارنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

📖 **اوفیا منی اخا کما فاخذه من قبل القبلة حتی اسدهٔ فی لحدهٖ.**

ترجمہ: اپنے بھائی کو میرے قریب لاؤ آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف سے انہیں ہاتھوں میں لیا اور لحد میں رکھا۔

پھر آپ ﷺ لحد سے باہر تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر یہ دعا دی:

📖 **اللهم انی امسیت عنه راضیًا فارض عنه.**

ترجمہ: اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اسے راضی ہو جا۔

ایسے میں اے قضا تو کہاں جا کے مرگئی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس خوش نصیب صحابیؓ کی روئیداد بیان کرنے کے بعد ہمیشہ دو باتیں فرمایا کرتے:

📖 **لیتنی کنت صاحب الحفرة.**

ترجمہ: کاش کہ میں اس دن صاحبِ قبر ہوتا۔

دوسری روایت کے مطابق اپنی حسرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرتے:

📖 **فو الله لو دوت انی مکانه ولقد اسلمت قبله بخمس عشرة سنة لکانی اری رسول الله ﷺ وهو فی قبر عبد الله ذی البجادین.** (اسد الغابۃ ۳:۲۲۸)

ترجمہ: اللہ کی قسم کاش ان کی جگہ میں ہوتا۔ حالانکہ میں ان سے پندرہ سال پہلے اسلام لایا ہوں۔ آج بھی وہ (روح پرور) منظر میرے سامنے ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ذوالبجادین کی قبر میں (اُترے ہوئے) ہیں۔

............👍............

پانچواں باب

نظامِ ربوبیت کے حوالے سے تصورِ محبت کی تصورِ اطاعت پر فوقیت و برتری

اس باب میں ہم نصابِ ایمان میں حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ کی جداگانہ دینی حیثیت الگ الگ اور مستقل حیثیت و اہمیت' دونوں کے باہمی تعلق اور پھر تصورِ محبت کی تصور اطاعت پر فوقیت و اولیت کو خالق و مالکِ کائنات کے جاری کردہ نظامِ ربوبیت کے حوالے سے ایک نہایت ہی فکر انگیز اور اچھوتے انداز میں پیش کریں گے۔ یادرہے کہ اس ایمان افروز تصور کے منجانبِ اللہ میرے قلب پر القا ہونے سے ہی ذہن اس کتاب کی تصنیف پر متوجہ ہوا اور بایں سلسلہ پہلے اسی باب کے ابتدائی مندرجات قلمبند ہوئے اور بعدازاں عقدے کھلتے گئے اور مختلف ابواب حیطۂ تحریر میں آتے گئے اور رفتہ رفتہ یہ تصنیف معرضِ وجود میں آ گئی' ماتوفیقی الا باللہ۔

عالمِ خلق و عالمِ امر...... دونوں خلاقِ عالم کی شانِ تخلیق کے مظہر ہیں:

اس عالم کا وجود اور اس کی آبادی و رونق صرف دو چیزوں سے ہے ایک اللہ کا کلام دوسرے اس کا کام یعنی تخلیق۔ اس کی شانِ تخلیق سے کائناتِ عالم کا حسی نظام بنا ہے جسے عالمِ خلق کہتے ہیں عالمِ خلق کو عالمِ جسمانیات یا عالمِ ظاہری بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور اسی ربِ کائنات کی شانِ کلام سے جہانِ کائنات کا باطنی وتشریعی نظام استوار ہوا ہے جسے عالمِ امر کا نام دیا جاتا ہے۔ اس عالم کو عالمِ روحانیت یا عالمِ باطنی بھی کہا گیا ہے۔ عالمِ خلق ہو یا عالمِ امر دونوں میں اسی کی ذات وصفات کے جلوے اور شانِ علم وعمل کی کارفرمائی ہے۔ الا لهُ خلق و لهُ الامر.

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہرچہ دیدم در جہاں غیرِ تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

بالفاظ دیگر عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں میں اسی کے جاری کردہ نظامِ ربوبیت کے جلوے اور اسی کے نافذ کردہ ضوابط کارفرما ہیں اور اسی نظام کے تحت ہر دو عوالم میں ہر شے مرحلہ وار ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی اپنے نکتۂ کمال کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بقول اقبالؒ:

آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں
یہ کائنات کہ شاید ہے ناتمام ابھی

عالمِ خلق و عالمِ امر دونوں میں ایک ہی نظامِ ربوبیت کارفرما ہے:

عالمِ خلق اور عالمِ امر یعنی دونوں عالموں میں چونکہ ایک ہی مدبر و کارساز ہستی کا جاری کردہ نظامِ ربوبیت کارفرما ہے اسلئے عالمِ خلق یعنی کائنات رنگ و بو میں ربوبیت و تربیت کے جو ضابطے اور قوانین نافذ ہیں وہی ضابطے اور قوانین عالمِ امر یعنی کائناتِ تشریع و ہدایت میں بھی جاری ہیں۔ جس جس انداز اور جن جن اصولوں اور ضابطوں کے تحت اسکا نظامِ ربوبیت عالمِ خلق میں مخلوق کی ضروریات و مقتضیات اور اس کے احوال و آثار کے مطابق اسے لحہ بہ لحہ سامانِ افزائش اور ارتقاء فراہم کر رہا ہے اسی اسی انداز اور انہی انہی اصولوں کے تحت اس کا نظامِ ربوبیت عالمِ امر میں بھی تشریع و ہدایت کی ضروریات و مقتضیات اور اس کے احوال و آثار کے مطابق لحظہ بہ لحظہ سامانِ ربوبیت و افزائش فراہم کر رہا ہے۔

عالمِ خلق و عالمِ امر میں نظامِ ربوبیت کے دو بنیادی عناصر:

آب و حرارت اور محبت و اطاعت رسول ﷺ:

چنانچہ جس طرح عالمِ خلق میں رب العالمین کا نافذ کردہ نظامِ ربوبیت ظاہری مظاہر حدت و

برودت یعنی حرارت اور پانی کے ذریعے ہر سو اپنی ربوبیت کے جلوے بکھیر رہا ہے اور جمادات و حیوانات اور نباتات کے ہمہ رنگ جلووں خوش رنگ پھولوں، شیریں لذت پھلوں اور گوناگوں مظاہرِ حسن سے دلہنِ کائنات کی مانگ بھر رہا ہے بالکل اسی طرح عالمِ امر یعنی عالمِ باطن اور کائناتِ ایمان میں بھی اس کا نظامِ ربوبیت تشریعی و معنوی اور باطنی و روحانی مظاہر حدت و برودت یعنی حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعت و اتباعِ رسول کے ذریعے ہر سُو رشد و ہدایت کے پھول اور روحانیت و صالحیت کے موتی بکھیر رہا ہے اور لحظہ بہ لحظہ ہمہ لذت ایمانیات، خوش رنگ عبادات روح پرور اعمال و اخلاق اور ہمہ ذوق روحانی و باطنی کیفیات سے کائناتِ باطن کا دامن مالا مال کر رہا ہے۔

دونوں عوالم میں اِن عناصرِ ربوبیت کا امتزاج اور ان کی بیک وقت اور متناسب فراہمی ضروری ہے:

گویا جس طرح عالمِ خلق میں مادے اور اس کے ہمہ رنگ و ہمہ صفت آثار و مظاہر کا نمو حرارت اور پانی سے ہے اور انہی دو عناصر کے امتزاج اور دونوں کی بیک وقت اور متناسب فراہمی سے عالمِ رنگ و بو میں خلق کا وجود اس کی نشوونما اور ترقی و ارتقاء کی بہار وابستہ ہے بالکل اسی طرح عالمِ باطن میں رشد و ہدایت اور ایمان و عمل کے ہمہ نوع آثار و مظاہر کا نمو اور ارتقاء حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ سے ہے اور انہی دو عناصر یعنی حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ کے حسین امتزاج اور دونوں کی بیک وقت اور متناسب کارفرمائی سے کائناتِ ایمان کا وجود اسکی بقاو نشوونما اور گلشن رشد و ہدایت کی بہار وابستہ ہے۔

دونوں عوالم میں ہر دو مظاہرِ ربوبیت باہم لازم و ملزوم ہیں:

پھر جس طرح خلق کی نشوونما میں حرارت و پانی لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کے متناسب

امتزاج اور حکیمانہ کارفرمائی سے ہی عالمِ خلق آگے بڑھتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک معدوم یا غیر متناسب و بے ربط ہو جائے تو عالمِ خلق میں ارتقاء و نشوونما کا نظام تلپٹ ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح دنیائے ایمان و ہدایت کے ارتقاء میں حُبِ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کے متناسب امتزاج اور حکیمانہ کارفرمائی سے ہی شجرِ ایمان و ہدایت اور گلشنِ صالحیت وحق پرستی پنپتا اور سنورتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک معدوم یا غیر متناسب ہو جائے تو دنیائے ایمانیات درہم برہم ہو جاتی ہے۔

یہ عناصر لازم و ملزوم ہونے کے باوجود باہم یکدگر نہیں بلکہ الگ الگ اور مستقل وجود رکھتے ہیں:

یہاں ایک اور ایمان افروز اور روح پرور نقطہ پیشِ نظر رہے کہ جس طرح پانی اور حرارت دو الگ الگ اور مستقل وجود ہیں اور ایک کو دوسرے کا عین بدل یا باہم یکدگر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بالکل اسی طرح حُبِ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ کو بھی ایک دوسرے کا عین اور باہم یک دگر قرار نہیں دیا جاسکتا یہاں ایک انتہائی ایمان افروز نکتہ پیشِ نظر رہے کہ کائناتِ ایمانی میں رُوحانی وتشریعی مذکورہ دونوں ضرورتوں کے الگ الگ ہونے کے باوجود ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے جو ذاتِ رسالتماب ﷺ ہی ہے گویا ادھر رسول ہی رسول ہے اور اس کی محبت اور اسی کی اطاعت تمام دینی و ایمانی ضروریات کی کفایت کر رہی ہے اور اسے ہی کائناتِ ایمان و عمل کی تمام ضرورتوں کا کفیل بنایا گیا ہے۔ سبحان اللہ اسی ایک ذات کی محبت و اطاعت کا سکہ کائناتِ ایمانی میں چل رہا ہے۔ گویا جہانِ رشدِ ہدایت میں ہر سو آپ ﷺ ہی کے وجودِ اقدس کے فیضانِ نور کی خیرات بٹ رہی ہے۔

دنیائے ایمان میں حُبِّ رسول و اطاعت رسول کا الگ الگ تشخص، جداگانہ مقام اور تفوق و تأخر مادی عناصرِ ربوبیت کی جداگانہ حیثیت اور ان کے باہمی احوال و تعلق کی روشنی میں:

چنانچہ جب یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ عالمِ خلق یعنی کائناتِ رنگ و بو اور عالمِ امر یعنی کائنات ایمانی دونوں عوالم میں ایک ہی مدبر و کارساز علیم و حکیم اور خبیر و قدیر ہستی کا وضع کردہ نظامِ ربوبیت ایک ہی انداز اور ایک ہی جیسے ضابطوں کے تحت جاری و ساری ہے اور عالمِ خلق میں مادے کا وجود اسکی نشوونما اور ہمہ رنگی و ارتقاء حدّت و برودت کے دو ظاہری مظاہر یعنی پانی اور حرارت کے ساتھ وابستہ ہے اور عالمِ امر میں ایمان کا وجود، رشد و ہدایت اور اسکی بقا و نشوونما حدت و برودت کے باطنی مظاہر یعنی حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر آیئے عالمِ خلق میں حرارت اور پانی کی الگ الگ حیثیت، جداگانہ ماہیت و اہمیت، جدا جدا افادیت، دونوں کے باہمی تعلق، رنگا رنگ احوال، گونا گوں آثار، ہمہ نوع مظاہر اور باہم تفوق و تاخر کی روشنی میں عالمِ ایمانیات میں حُبِّ رسول ﷺ اور اطاعتِ رسول ﷺ کی جدا جدا حیثیت، الگ الگ اہمیت، باہمی تعلق، لازم و ملزومیت رنگا رنگ احوال گونا گوں آثار ہمہ نوع مظاہر اور باہم تفوق و تاخر کو تمثیلی انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

آیئے آج فکر و نظر کے ایک نئے جہان میں قدم رکھیں:

میں اس تحریر کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کے حق شناس و حق نگر اور حق طلب اربابِ فکر و نظر کو کسی اور دنیا میں لے جانا چاہتا ہوں کسی اور عالم کی سیر کرانا چاہتا ہوں کسی اور جہان کے منظر دکھانا چاہتا ہوں۔ نئی فضاؤں میں لے جانا اور کچھ اَن دیکھی بلندیوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اہلِ محبت تو بہرحال اس کیف و سرور سے آشنا ہیں ہی لیکن میں ان احباب فکر و نظر پر بھی معرفت محمدی ﷺ کے

کچھ ایسے مطالع کھولنا چاہتا ہوں جو اطاعتِ نبوی ﷺ اور حُبِ نبوی ﷺ کو ایک ہی شے یا باہم یکدگر سمجھتے ہیں میری اُن سے گذارش ہے کہ آج تنگ نظری اور وساوسِ فکری کے غبار سے اپنے فکرونظر کے پروں کو جھاڑ لیں اور ایک نئی دنیا میں پرواز کے لئے تیار ہو جائیں۔ قلب ونظر کے دریچے کھول لیں اور معرفتِ مصطفوی ﷺ کی فضاؤں میں اُڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

کرگسی چھوڑ اونچی فضاؤں میں آ
نور برساتی فکری ہواؤں میں آ

عالمِ امر میں حُبِّ رسول کا سرچشمہ خود ذاتِ خداوندی ہے:

حُبِّ رسول ﷺ اصلاً خالق کا کام ہے:

عالمِ خلق میں پانی کا منبع و مستقر خطہ ارضی ہے جو عالمِ زیریں کی مخلوق ہے جبکہ حرارت وتپش اور روشنی کا سرچشمہ اور منبع و ماخذ سورج ہے جو عالمِ بالا سے متعلق ہے بالکل اسی طرح عالمِ باطن یعنی جہانِ تشریع و ہدایت میں اطاعت رسول کا تعلق انسان سے ہے جو اصلاً عالمِ زیریں کی مخلوق ہے جبکہ محبتِ رسول کا منبع و سرچشمہ عالم بالا ہے اور یہ تصور اوپر سے اُترا ہے حُبِ رسول ﷺ کا سرچشمہ اور منبع و ماخذ خود ذاتِ الوہیت مآب ہے۔ اسی نے عالمِ خلق و عالمِ امر کے نقشِ اوّلیں اور اپنی ربوبیت کے مظہر اوّل یعنی نورِ محمدی ﷺ کو خلعتِ وجود عطا کر کے سب سے پہلے اُسے اپنی محبت کا مرکز بنایا۔ پھر اس نورِ اقدس کے پرتو سے لوح وقلم، عرش و کرسی، ہفت سماوات اور جملہ عوالمِ کون ومکاں کو وجود بخشا۔ یہی نہیں بلکہ لوح وقلم، عرش و کرسی، فردوس و جنت اور ان میں موجود ہر ہر شے یعنی ابواب جنت، محلات وقصور، اشجار وانہار، حور وغلماں، اثمار وظروف اور کائناتِ امر کے ایک ایک وجود پر اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب ﷺ کا اسم گرامی رقم کر کے انوارِ محمدیہ سے دنیائے باطن کو جگمگایا اور کائنات امر کی مانگ بھری۔ اس پر بھی ربِ محمد کی محبت کی تسکین نہ ہوئی تو ''اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ معی'' کا قانون جاری

کر کے کائناتِ بالا و زیریں کے گوشے گوشے اور ذرّے ذرّے کو ذکرِ محبوب ﷺ میں نغمہ سرا کیا اور اس طرح عالمِ خلق و امر اور جہانِ کون و مکاں کو سراپا نعت بنا دیا۔ اپنے محبوب پر نہ صرف خود درود کی برکھا برسائی بلکہ افضل الخلق مخلوق یعنی انس و ملائکہ کو بھی اپنی ہمنوائی پر مامور کیا۔ اپنے محبوب ﷺ کو رحمت العالمینی کی خلعتِ فاخرہ پہنائی، ختمِ نبوت کے تخت و تاج کا مالک بنایا محبوب ﷺ کے ذکر کو اس کی خوشی کیلئے بلند کیا۔ یہ سب کچھ ربِ محمد نے کس لئے کیا۔ صرف اور صرف اپنی محبت کی تسکین کیلئے اور پھر روزِ محشر اپنے پیارے کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا تو صرف اور صرف اوّلین و آخریں پر اپنے محبوب کے مقام اور مرتبے کو اُجاگر کرنے کیلئے اور محبوب پر اپنے لطف و عطا کی انتہا کرتے ہوئے

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

محبت کس نے کی اطاعت کس نے کرنی ہے:

محبتِ رسول کی عمر کتنی ہے اور اطاعتِ رسول کی کتنی:

آیئے تصورِ اطاعت اور تصورِ محبت کے فرق و امتیاز اور تقدم و تاخر کو سمجھنے کیلئے چند قدم اور آگے بڑھیں محبت کس نے کی؟ اطاعت کس نے کرنی ہے؟ اطاعت کن کا کام ہوا؟ محبت اصلاً کس کا؟ محبت کب سے ہے اور اطاعت کب سے، محبت کی تاریخ کیا ہے اطاعت کی تاریخ کیا، تصورِ محبت کی عمر کتنی ہے اور تصورِ اطاعت کی کتنی؟ محبت خالق کا کام ہے۔ اطاعت مخلوق کا وظیفۂ عمل دونوں ایک ہی چیز کیسے ہو سکتی ہیں۔ ایک دوسرے کا بدل، عین یا باہم یکدگر کیسے قرار پا سکتی ہیں۔ نہ دونوں کی عمر ایک نہ دونوں کی تاریخ ایک۔ نہ دونوں کا محل ایک نہ دونوں کا ظرف ایک۔ ایک خالق کا کام دوسرا مخلوق کا۔ خدارا کچھ تو سوچئے۔

تصورِ اطاعت کو تصورِ محبت سے بھلا کیا نسبت:

جس طرح خالق کے ساتھ مخلوق کو کوئی نسبت نہیں اسی طرح تصورِ محبت سے تصورِ اطاعت کی کیا نسبت۔ محبت کا تعلق رحمان کے ساتھ ہے جبکہ اطاعت کا تعلق انسان کے ساتھ۔ محبت فلکی شے ہے اوپر سے آئی ہے اور اسکا سرچشمہ خود احکم الحاکمین ہے جبکہ اطاعت ارضی شے ہے اور اسکا تعلق ابنِ آدم کے ساتھ ہے حدیثِ قدسی ہے کنت کنزاً مخفیًا فاحببت ان اعرف فخلقت المخلوق ذاتِ خداوندی مخفی خزانہ تھا اُسے نے چاہا اسے نے پسند کیا یا اُسے اس بات سے محبت ہوئی "فاحببت" کہ پہچانا جائے سو اس نے اپنی شانِ تخلیق کے نقشِ اول یعنی نور محمدی ﷺ کو پیدا کیا۔ فاحببت کے الفاظ کیا بتا رہے ہیں۔ پہلا عنوان ہی محبت کے نام سے قائم ہوا۔ پہلا نغمہ ہی محبت کا چھیڑا گیا۔

بساطِ محبت پھیلتی گئی کائنات خلق و امر تخلیق ہوتی گئی:

نورِ محمدی سے ہی کائناتِ خلق و امر کی تخلیق ہوئی گویا رب تعالیٰ اپنی بساطِ محبت کو پھیلاتا گیا اور کائنات تخلیق ہوتی گئی، لوح وقلم، عرش و کرسی، سماوات وارضین جنت وفردوس اور جہان رنگ و بو کی ساری رعنائیاں اور بوقلمونیاں بساطِ محبت ہی کے مختلف دائرے اور ہمہ رنگ مظاہر ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب سے صرف محبت ہی نہیں کی بلکہ محبت کر کے دکھائی اور عالمِ خلق و عالم امر کی ہر ہر شے اور ہر ہر وجود پر اپنے محبوب کا نام لکھ کر گویا عالمِ خلق عالمِ امر کی ہر ہر شے اپنے محبوب کے نام کر دی۔

عالمِ خلق و عالمِ امر کی ہر شے محبوب کے نام:

لوح وقلم عرش و کرسی، جنت و فردوس اور جنت کی ہر ہر شے پر اپنے محبوب کا نام لکھ کر رب محمد

نے بتایا کہ میں نے پیدا ہی سب کچھ اپنے محبوب کے لئے کیا ہے۔ ہاں اس کے وسیلے اور صدقے سے تمہیں بھی ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کی توفیق مل سکتی ہے۔ جب کوئی انسان کسی کے نام کچھ کرتا ہے تو کاغذ کے ایک پرزے کی رُو سے کرتا ہے۔ کوئی کسی کے نام اراضی یا جائیداد منتقل کرتا ہے تو اس اراضی یا قطعۂ زمین پر کچھ نہیں لکھتا صرف ایک کاغذی دستاویز تیار ہوتی ہے جس سے وہ قطعہ اراضی کسی کے نام منتقل ہوجاتا ہے اور وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس رب تعالیٰ نے کائناتِ خلق وامر کا ایک ایک گوشہ یوں اپنے محبوب کے نام کیا کہ ہر ہر شے اور ہر ہر وجود پر اس کا نام رقم کردیا۔ اب اُسی کا نام جملہ مخلوق کے باطن کی زینت بن رہا ہے۔ اسی کا اسمِ گرامی ہر ہر شے کے سینۂ وجود پر چمک رہا ہے دیکھنے کیلئے نظر چاہیے۔ ؎

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

جنت کے طالب کبھی چشمِ تصور میں جنت پر نظر بھی ڈال لیا کریں:

جنت جنت کرنے والو، جنت کی طلب اور اسکی چاہت رکھنے والوں کو کبھی چشمِ تصور میں جنت کا نظارہ بھی کرنا چاہیے۔ خلد وفردوس کی سیر بھی کرنی چاہیے۔ ابوابِ جنت کا نظارہ اور تصور میں جامِ کوثر کو اپنے ہاتھ بھی لینا چاہیے۔ جنت جنت کرنے والو کبھی چشمِ تصور میں مے خانۂ جنت کی کسی صراحی پر بھی نظر ڈالو، کسی محل کی دید سے آنکھ بھی ٹھنڈی کرو جنت کے کسی شجر پر، کسی پتے پر، کسی پنکھڑی پر کسی غنچے پر کسی پھول یا کسی پھل پر بھی نظر ڈالو۔ جنتی نہروں کے پانی کے ایک ایک قطرے پر نظر ڈالو، جنتی حوروں کی پیشانی کو دیکھو، جنتی شہد اور دودھ کے قطرات کو دیکھو۔ طیورِ جنت کے پروں پر نظریں ٹھہراؤ، جنت وابوابِ جنت اور اسمیں موجود جس جس شے بھی نظر ڈالو گے ہر ہر شے پر اسم محمد ﷺ چمکتا دمکتا نظر آئے گا۔

کائناتِ امر و جہانِ خلق کے ہر ہر وجود کی اصل نورِ محمدی ﷺ اور ہر ہر شے کا حُسن و جمال

اسمِ محمدی ﷺ ہے، جنت کا گوشہ گوشہ ذرّہ ذرّہ اسمِ محمدی ﷺ کے نورانی جلوؤں سے اپنے سینۂ وجود کو مزین کئے ہوئے ہے۔ جنت جنت کی طلب کرنے والوں کو کبھی رب سے ایسی سماعت بھی طلب کرنی چاہیے جو انہیں ہر ہر شے اور ہر ہر مخلوقِ ہست و بود کے لبوں سے ذکرِ محمدی ﷺ کے زمزمے سنا دے۔ الغرض ربِ محمد نے انوارِ محمدی ﷺ سے کائنات کی مانگ بھری۔ وما ارسلنک الاّ رحمة اللعٰلمین کہہ کر رحمتِ مصطفوی ﷺ سے جہاں بالا و زیریں اور تمام عوالمِ خلق وامر کو لبریز کیا اور پھر انہیں ذکرِ محمدی میں رطب اللساں کر کے سراپا نعت بنا دیا۔ ربِ محمد ﷺ اپنے محبوب کی محبت میں کیا کیا نہیں کر رہا۔ ہم کمزور اُمتی بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ اپنے رب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نعت پڑھ لیں تو بدعت، میلاد شریف کے موقع پر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کر لیں تو بدعت، سرشاریٔ محبت میں مست ہو کر جلوس کی صورت باہر نکل پڑیں تو شخصیت پرستی اور جہالت آپ کی محبت میں آپ ﷺ کا اسم مبارک ادا کرتے یا سنتے ہوئے انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیں تو بدعت و ضلالت اور موردِ عذابِ جہنم، وفورِ عشق میں یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگا لیں تو مشرک خدارا کچھ تو ہوش کے ناخن لو۔ کیا اللہ کی سنت کی پیروی گمراہی ہے کیا ربِ محمد ﷺ کی ہمنوائی شرک ہے کیا اللہ کا ہمنوا و ہمقدم ہو جانا بدعت ہے۔ الغرض ایک طرف اطاعت ہے جو مخلوق کا عمل ہے دوسری طرف محبت ہے جو خالق کا عمل ہے۔ جو فرق خالق اور مخلوق میں ہے وہی فرق اطاعت اور محبت میں ہے۔

اطاعت ہو یا محبت دونوں کا بھرم اور دونوں کا وجود ذاتِ محمدی ﷺ سے ہے:

یہاں ایک اور ایمان افروز نکتہ بھی تقابلِ محبت و اطاعت میں پیشِ نظر رہے۔ ایک طرف اطاعت ہے دوسری طرف محبت ہے۔ رسول دونوں میں مشترک ہے جو اطاعت اور محبت میں تعلق قائم کر رہا ہے ایک کو دوسرے سے متعلق کر رہا ہے دونوں کو باہم بغلگیر کر رہا ہے۔ مخلوق کے کام کو خالق

کے کام سے ملا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر مخلوق اور خالق کو آپس میں ملا کر ہم قدم وہمنوا بنا رہا ہے۔

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے واصل

خواص اس برزخِ اکبر کو ہے حرفِ مشدد کا

جس طرح مخلوق کو خالق سے کوئی نسبت نہیں اسی طرح اطاعت کو محبت سے کوئی نسبت نہیں۔ یہ تو رسول ﷺ کا کرم ہے کہ وہ اطاعت کو محبت سے ملا رہا ہے خود درمیان میں آ کر اطاعت کا بھرم بڑھا رہا ہے اسکا مان بڑھا رہا ہے۔

سبحان اللہ! تصورِ محبت کی تصورِ اطاعت پر فوقیت و برتری اور فضیلت و اہمیت ہر دو تصورات کے مبدا و ماخذ اور موضوع و مخاطب کے حوالے سے ایک حقیقتِ ثابتہ کے طور پر نکھر کر سامنے آ گئی۔ ربِ محمد ﷺ حق سمجھنے کی توفیق دے۔

ذخائر و منابعِ آب کے تعدد اور منبعِ حدت کی شانِ وحدت کی روشنی میں اطاعت ومحبت کے مظاہر پر استدلال:

آگے چلئے! جس طرح روئے زمین پر پانی کے اصل ماخذ و مظاہر سمندر ہیں جن میں تعدد اور باہم بُعد و امتیاز ہے اور ہر سمندر اپنے خواص، اپنے مزاج اور احوال و آثار کے اعتبار سے جداگانہ شان رکھتا ہے جبکہ خطۂ اراضی یعنی عالمِ رنگ و بو کیلئے حرارت وتپش اور روشنی کا ماخذِ اصلی یعنی سورج ایک ہی ہے اور وہ اول و آخر نشانِ وحدت ہے۔

اسی طرح کائناتِ ایمان و دنیائے رشد و ہدایت میں تصورِ اطاعت اجتہاد و تفقہ فی الدین کے سانچے میں ڈھل کر مختلف فقہی مذاہب و اجتہادی نقطہ ہائے نظر کو وجود بخشتا ہے۔ جن میں تعدد اور باہم بُعد و امتیاز ہے اور ہر فقہی مذہب اطاعت و اتباعِ رسول کے مظاہر میں اپنے فکری ذوق، تحقیقی مزاج، منفرد احوال و آثار، اپنے اجتہادی اصول و قواعد اور اُن کے اطلاق و نتائج کے اعتبار سے منفرد

اور جداگانہ وجود رکھتا اور افرادِ اُمت کو مختلف دائروں میں تقسیم کرتا ہے یہ تقسیم حق ہے اور اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا اولیں وفطری تقاضا بھی۔ یہ دین کا حُسن ہے لیکن بہر حال اس بنیاد پر اُمت تقسیم ہوتی ہے۔ فقاہت واجتہاد ایک بحرِ بیکراں ہے ایک علم وعرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔

فقہی اعتبار سے یہ تقسیم حق اور دین اسلام کا حُسن ہے:

ہماری اس گفتگو سے کوئی یہ مراد نہ لے لے کہ ہم اس تقسیم پر اعتراض کر رہے ہیں۔ شافعیت ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ حنبلیت ہماری روح کا سرور ہے۔ مالکیت ہمارے سر کا تاج اور حنفیت ہمارے قلب و باطن کا نور اور قابلِ فخر سرمایہ ہے لیکن بہر حال اس نسبت سے اُمت تقسیم ہوتی ہے جبکہ سرچشمہ حُبِ رسول ﷺ یعنی ذات الوہیت مآب نہ صرف خود وحدہٗ لاشریک ہے بلکہ تصورِ محبت میں اس کی شانِ وحدت کی جلوہ گری ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کا عنصر نہ صرف جسدِ ایمان میں ایک روح کی طرح موجزن ہے اور بصورت وحدت پورے دین کو محیط ہے بلکہ اس حوالے سے امت میں کسی قسم کی کوئی گروہ بندی یا تقسیم وتفریق بھی گوارا نہیں کرتا یہاں اوّل آخر وحدت ہی وحدت ہے یہی نہیں بلکہ یہ تصورِ اطاعت کے حوالے سے امت میں آنے والی تقسیم کو قائم رکھتے ہوئے امت کو وحدت میں ڈھالنے پر مامور ہے۔

پانی کے ذیلی ذخائر اور ذیلی فقیہانہ مذاہبِ فکر:

پھر جس طرح خطہ اراضی پر پانی کے بڑے بڑے مآخذ یعنی چار سمندروں کے علاوہ بھی کچھ چھوٹے چھوٹے سمندر یعنی بحیرہ جات اور پانی کے بعض ثانوی مآخذ چھوٹے چھوٹے دریا اور جھیلیں بھی موجود ہیں جبکہ سرچشمۂ حرارت یعنی سورج وحدت کا مظہر ہے یہاں وحدت ہی وحدت ہے اس طرح دنیائے ایمان و ہدایت میں اطاعت واتباع کے حوالے سے موجود مشخص و معین اور معروف راستوں یعنی مذاہب اربعہ کے علاوہ بھی بعض چھوٹے بڑے فقہی مکاتب، علمی وفکری زاویہ ہائے نظر

اور رنگارنگ مسالک موجود ہیں جبکہ تصورِ محبت میں اول و آخر وحدت ہی کی کارفرمائی ہے۔

پانی کا اپنا کوئی رنگ نہیں جبکہ سورج کی روشنی سات رنگوں کا حسین امتزاج ہے:

مذکورہ حوالے سے محبت و اطاعت کے تصور پر ایمان افروز استدلال:

پھر جس طرح پانی کا اپنا کوئی رنگ نہیں بلکہ جو رنگ یا شے اس میں ملا دی جائے اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے جبکہ حرارتِ شمسی یا نور کا نہ صرف اپنا ایک رنگ ہے بلکہ روشنی درحقیقت سات خوشنما رنگوں کا مجموعہ ہے اور انہی رنگوں کے پرتو اور کارفرمائی سے جہانِ رنگ و بو کی ساری رنگینیاں خوش نظر جلوہ سامانیاں اور رنگارنگ رعنائیاں ہیں۔ جاذبِ نظر پھولوں کے رنگ، خوش لذت پھلوں کے رنگ، اٹھکیلیاں کرتی تتلیوں کے رنگ، اچھلتی کودتی مچھلیوں کے رنگ، خوش نما پرندوں کے رنگ اور دنیائے آب و گل کی ساری کی ساری خوبصورتیاں اور مختلف رنگ حرارت آفتاب ہی کے دم قدم سے ہیں اور پھر بسا اوقات جب بارش کے بعد فضا میں موجود پانی کے قطرات پر منبعِ حرارت سورج اپنی روشنی ڈالتا ہے تو پانی کے قطرات Prism کا کردار ادا کرتے ہوئے نورِ آفتاب کو سات رنگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ قوسِ قزح معرض وجود میں آتی ہے اور فضائے بسیط کے گلے میں ست رنگی مالا ڈال دی جاتی ہے۔ گویا بارش کے قطرات جب مصفا مجلّٰہ شفاف اور پاکیزہ ترین حالت میں اپنا سینۂ وجود مخزنِ نور یعنی سورج کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور وہ اپنا فیضان ان قطروں پر ڈالتا ہے تو ایسا خوبصورت و مسحور کن منظر سامنے آ جاتا ہے جو انسان کو تصور ہی تصور میں جنتی ماحول میں داخل کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح اطاعت اپنا کوئی رنگ نہیں رکھتی، صدق و اخلاص للٰہیت و فنائیت، ریا و تکبر یا نمود و نمائش جس رنگ کا بھی حالِ نفس اس میں شامل ہوگا۔ مظہر اطاعت عمل وہی رنگ اختیار کر لے گا۔

حُبِّ رسول ﷺ کی شانِ مُطہریت و مُزکیت:

گویا حالِ نفس بسا اوقات مظہر اطاعت عمل کو گدلا بھی کر دیتا ہے۔ شیطانی وسوسہ اسے آلودہ بھی کر ڈالتا ہے ایسے میں محبت اپنی تمازت لے کر آگے بڑھتی ہے اور عمل کی گدلاہٹ دور کر کے قبولیت کے قابل بنا دیتی ہے گویا جس طرح پانی ہر رنگ کو قبول کرتا ہے اسی طرح مظہر اطاعت عمل بھی حالِ نفس سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے، اطاعت ہے لیکن اسمیں ریا کا امکان ہے، اتباع ہے لیکن عجب وتکبر سے گدلی بھی ہوسکتی ہے اس کے برعکس تصور محبت کا نہ صرف اپنا ایک خاص رنگ ہے جو رنگِ وارفتگی ہے بلکہ یہ رنگِ وارفتگی اپنے اندر خود سپردگی ودبستگی کے ہمہ نوع اور گوناں گوں رنگ بھی رکھتا ہے جس کے عکس و پرتو اور کارفرمائی سے جہانِ فکر و عمل میں نوری جلوہ سامانیاں اور دنیائے معرفت وحقیقت میں ہمہ نوع و ہمہ رنگ سحر آفرینیاں ہیں۔ قصہ مختصر اطاعت میں محبت کا رنگ اسے ست رنگی قوسِ قزح بنا دیتا ہے، محبت، تصورِ اطاعت کے مظہر عمل کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ نگاہِ یار میں قابلِ اعتنا بن جاتا ہے اور اسے محبوبیت وقبولیت کی سند مل جاتی ہے بالفاظ دیگر جس طرح پانی میں بسا اوقات آلودگی آ جاتی ہے کوئی آلائش شامل ہو جاتی ہے تو حرارتِ شمس آگے بڑھ کر اس کو پاک کر دیتی ہے اسکا تزکیہ کر دیتی ہے اس طرح مظہرِ اطاعت عمل میں بھی جب کوئی حالِ نفس شامل ہو کر اسے گدلا کر دیتا ہے تو تصورِ محبت مزکی و مربی بن کر اسکی آلائش دور کر دیتا ہے گویا جس طرح پانی قدم قدم پر حرارت کا محتاج ہے اسی طرح تصور اطاعت قدم قدم پر تصورِ محبت کا محتاج اور دریوزہ گر ہے الغرض جیسے پانی ہر وقت معرضِ خطر میں رہتا ہے کسی بھی وقت کوئی آلودگی یا آلائش اسے گدلا کر سکتی ہے۔ ایسے میں حرارت اس کی مشکل کشائی کرتی ہے اور اسے اپنی صحبت میں رکھ کر پاک و مصفا کر کے قابل استعمال بنا دیتی ہے بالکل اسی طرح مظہر اطاعت عمل کسی بھی وقت آلائشِ نفس سے گدلا ہوسکتا ہے ایسے میں محبت اسکی دستگیری کرتے ہوئے اُسے گدلاہٹ اور آلودگی سے پاک کر کے پایۂ قبول و اعتبار عطا کر دیتی ہے۔

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

آفتاب کے فیضانِ نور سے قوسِ قزح کی بہار اور انوارِ محبت کی کارفرمائی سے اُمت میں ہمہ رنگ روحانی مسالک کا ظہور:

پھر جس طرح سورج اپنا فیضِ نور بارش کے قطروں پر ڈال کر ست رنگی قوسِ قزح پیدا کردیتا ہے اسی طرح مظاہر اطاعت پر جب نور محبت اپنا پرتو ڈالتا تو روحانیت وللّٰہیت کی ایک آفاقی و ہمہ گیر اور ابدی قوسِ قزح معرضِ وجود میں آتی ہے امت کے مختلف ادوار وطبقات پر اس حوالے سے نظر ڈالی جائے تو ایک ایمان افروز اور وجد آور منظر سامنے آتا ہے دور صحابہ میں اسی فیضان (فیضانِ محبت وفنائیت) سے کہیں صدیقیت کا رنگ نظر آتا ہے تو کہیں فاروقیت کا کہیں عثمانیت کی چمک نظر آتی تو کہیں حیدریت کی دمک، کہیں حسینیت کا جلوہ نظر آتا ہے تو کہیں حسنیت کا ظہور کہیں سلمانیت کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے تو کہیں غفاریت کا' یہ سارے رنگ سارے جلوے اور یہ سارے مظاہرِ روحانیت واحسانیت صبغۃ اللہ ہی کے ہمہ رنگ پرتو ہی تو ہیں' جو حُبِّ رسول ﷺ کے راستے سانچہ ءاطاعت میں ڈھل کر دنیائے فکر وعمل اور کائناتِ صالحیت وروحانیت کو اپنے اپنے فیضان سے منور کرتے رہے ہیں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کے سارے رنگ حب رسول ہی کے ہمہ نوع وہمہ رنگ جلوے ہیں۔

دَورِ مابعد صحابہ میں حُبِّ رسول ﷺ کی جلوہ سامانیاں اور فیض رسانیاں:

اسی طرح امت مصطفوی ﷺ کے مابعد طبقات پر جب حُبِّ رسول وفنائیت فی الرسول کی قوسِ قزح تصوف وطریقت اور معرفت وحقیقت کی صورت میں اپنے جلوۂ حسن سے نقاب اُٹھاتی ہے تو یہاں دو چند ہوکر دو الگ الگ نورانی دھاروں میں تقسیم ہوجاتی ہے ایک طرف امامیت کا نوری

چشمہ اُبلتا ہے تو دوسری طرف ولایت کا۔ ایک طرف زینیت (حضرت زین العابدین) کا چشمہ ہے جس کے تسلسل میں دس علمی واجتہادی اور روحانی ونورانی سوتے پھوٹے اور دنیائے معرفت کو جگمگا گئے آخری سوتہ اپنے وقت پر پھوٹ کر اُمتِ مصطفوی کی فکری وروحانی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ اپنے نانا محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کی دستگیری کرتے ہوئے اس کا عز و وقار اور مقامِ امامت بحال کرائے گا۔ دوسری طرف روحانیت وولایت کا چشمہ گلستانِ تصوف آباد کر گیا جسکی اپنی بہار ہے کہیں قادریت کا رنگ ہے تو کہیں سہروردیت کا، کہیں نقشبندیت کا رنگ ہے تو کہیں چشتیت کا کہیں جنیدیت کی بہار ہے تو کہیں بسطامیت کی کہیں اویسیت کی شیفتگی ہے تو کہیں بصرہیت کا انکسار الغرض حق پرستی کے ذوق میں مظہرِ اطاعت اعمالِ عبادت جب حُبِ رسول یا فنائیت فی الرسول کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیتے ہیں جو درحقیقت اللہ ہی کا رنگ یعنی صبغۃ اللہ ہے تو ایک عجب منظر نامہ تخلیق ہوتا دکھائی دیتا ہے جس کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ ایک الگ جہان ہے اور یہ ایک ایسی بہار ہے جس سے گلستانِ اُمت مہک رہا ہے۔

بقول اقبال:

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

آب وحرارت کے ذائقوں سے دنیائے ایمان میں تحقیقی وعلمی، فکری و اجتہادی اور باطنی وروحانی ذائقوں پر استدلال:

پھر جس طرح پانی کہیں بے ذائقہ ہے اور کہیں ترش، کہیں شریں ہے تو کہیں کڑوا۔ کہیں تلخ ہے تو کہیں کسیلا، کہیں نمکین ہے تو کہیں تلخ جبکہ حرارت خود تو گرچہ بے ذائقہ ہے لیکن کائناتِ رنگ و بو میں سارے ذائقے، ساری لذتیں اور جملہ لطافتیں اسی کے دم قدم سے ہیں، رنگا رنگ پھولوں میں

گونا گوں خوشبوئیں، خوش رنگ پھلوں میں نوع بہ نوع لذتیں، عالمِ نباتات میں پھیلی ہوئی ہرسُوحسن کی بہاریں، دنیائے جمادات میں منتشر سحر آفرینیاں، عالمِ حیوانات میں بکھری ہمہ رنگ جلوہ سامانیاں اور خود دنیائے انسانیت میں موجود فکر وعمل کی نیرنگیاں اور جمالیاتی حشر سامانیاں یہ سب کچھ سورج ہی کی حرارت وتمازت کا فیضان ہی تو ہے اسی طرح تصورِ اطاعت اپنے مظاہر کے اعتبار سے (نفسی احوال کے پیش نظر) کہیں کسیلا ہے تو کہیں ترش۔ کہیں شیریں ہے تو کہیں بے ذائقہ کہیں نمکین ہے تو کہیں تلخ اور پھر تصورِ اطاعت کے فیضان سے قائم ہونے والے فقہی مذاہب و مکاتب و مسالک کے مختلف الذائقہ مزاج، گونا گوں تحقیقی و علمی اذواق و اجتہادی اصول اور انکے مقلدین کی مختلف الذائقہ طبیعتیں حتیٰ کہ ان کے رجحانات ومیلانات سب کے سب پانی کے ہمہ نوع ذائقوں کی طرح گونا گوں ومتفرق ہیں۔ یہاں فتوے ہیں مجادلے ہیں مناظرے اور نزاعات ہیں جو بسا اوقات مداخلتِ ابلیس کی وجہ سے شر وفساد اور جدال وقتال تک پہنچ جاتے ہیں جبکہ تصور محبت نہ صرف سراسر مٹھاس اور سراپا لذت و حلاوت ہے بلکہ جہانِ علم ومعرفت اور فکر وعمل کی ساری لذتیں، دنیائے رشد و ہدایت کی جملہ حلاوتیں گلستانِ عمل کی ساری خوشبوئیں اور دنیائے معرفت وحقیقت کی ساری جلوہ سامانیاں ایمان کے خمیر میں موجود اسی محبت کا پرتو اور اسی خرمنِ محبت کی خیرات ہیں۔

اطاعت واتباع کو کوئی نہ کوئی محرکِ عمل درکار ہے:

یہاں ایک اور ایمان افروز نکتہ پیش نظر رہے۔ اطاعت کا حسن اور اس کا کمال اتباع ہے جس کا معنی پیروی ہے۔ پیروی تو کسی کی کی جاتی ہے گویا یہ لفظ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ہی دوسرے کا محتاج ہے اسے تو کسی کا ساتھ چاہئے، کسی کی رہنمائی چاہیے۔ یہ لفظ تو اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہی کسی کا طالب ہے کسی کا متقاضی ہے۔ وہ کون ہے جس کا یہ طالب ہے جسکا یہ متقاضی ہے وہ محبت ہی تو ہے جس کا یہ طالب ہے، وہ محبت ہی تو ہے جس کا یہ متقاضی ہے۔ اسے محبت کی رہنمائی چاہیے، محبت کی انگیخت، اس کی رفاقت اور دستگیری چاہیے۔

بقول اقبالؒ:

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

پانی کی بے صورتی اور حرارت و نور کی شانِ صورت گری سے شاندار استدلال:

پھر جس طرح پانی کوئی خاص شکل نہیں رکھتا، جس برتن یا ظرف میں ڈالا جائے اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور خود ایک مخصوص سانچے میں ڈھل کر اپنا فیضِ برودت عطا کرتا ہے جبکہ حرارت و تپش نہ صرف اپنے وجود میں شکل و صورت کے تصور سے نا آشنا ہے بلکہ کسی بھی مخصوص، ہیئت یا سانچے میں ڈھلے بغیر ہر شے کو مربیانہ شان کے ساتھ فیضِ تمازت عطا کرتی ہے بالکل اسی طرح تصور اطاعت گرچہ خود تو کوئی مخصوص شکل و صورت نہیں رکھتا لیکن اسے اتباعِ سنت کے مخصوص پیمانے میں ڈھلنا پڑتا ہے تب جا کر اسے قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ تصور محبت کسی مخصوص پیمانے یا معین سانچے کا محتاج نہیں۔ یہ نور شکل و صورت کے تصور سے نا آشنا ہوتے ہوئے بھی ہر صورت اطاعت اور ہیئتِ اتباع میں مانندِ روح رچ بس کر عمل کو معراج اور قبولیت کی سند عطا کرتا ہے۔

پانی کے موسمی اثرات کے تابع اور حرارت شمس کے موسموں کے مربی و صورت گر ہونے سے مقصود پر استدلال:

پھر جس طرح پانی موسمی اثرات کے تابع ہے اور موسموں کے تغیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جبکہ حرارتِ شمس بجائے خود موسموں کی صورت گر اور خطہ ارضی پر موسموں کی بساط الٹنے پلٹنے کی متصرفانہ شان رکھتی ہے بالکل اسی طرح مظہر اطاعت اتباعی اعمال بھی موسمیات نفس یعنی نفسی احوال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ نفس میں کسل ہوگا تو عمل میں سستی، باطن میں غفلت ہوگی تو مظہرِ

اطاعت میں کاہلی، نفس میں کبر ہوگا تو عمل میں خود پسندی، باطن میں تمرد ہوگا تو عمل میں انحراف، نفس میں فرحت ہوگی تو عمل میں بشاشت، باطن میں سکون ہوگا تو عمل میں طمانیت، نفس میں عجز ہوگا تو عمل میں رنگِ مسکنت، نفس میں تواضع ہوگی تو عمل میں انکساری دوسری طرف جیسے پہلے عرض کیا گیا محبت احوالِ نفس یا باطنی موسموں کی تابع نہیں بلکہ ان سارے احوال کی صورت گر اور ان کی بساط الٹنے پلٹنے کی متصرفانہ شان رکھتی ہے اور اپنی تمازت و تپش کے ذریعے نفس و باطن کے سارے رذائل پھونک کر مظاہرِ اطاعت یعنی اتباعی اعمال میں رنگِ اخلاص بھر دیتی ہے اور نفس کو لوامیت کے درجے سے اٹھا کر بتدریج ملہمیت، مطمئنیت اور راضیت و مرضیت کی رفعتیں عطا کرتی چلی جاتی ہے۔ محبت نفس میں انقلاب بپا کر دیتی ہے۔ وہی نفس جس کے موسم اور جس کے احوال مظاہرِ اطاعت اعمال کو گدلا کر رہے تھے اب اسی کو اٹھا کر یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّه کی رفعت عطا کر دیتی ہے گویا محبت نفس کو روح کا ہم مسلک و ہم مزاج اور ہمسفر و ہمنشیں بنا دینے کی شان رکھتی ہے۔

یہ قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کرنے کی متصرفانہ شان رکھتی ہے۔ فرشی مخلوق کو عرشی ذوق عطا کر کے اسے اپنا آقا و مولا کے قریب کر دیتی ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰه فاتبعونی یحببکم اللّٰه کے فلسفہ پر غور کریں اتباع، مظہر اطاعت عمل کا نام ہے اور اس اتباع پر دونوں طرف محبت کا پہرہ ہے۔ تحبون اللّٰه اور یحببکم اللّٰه کے درمیان اتباع ہے جس کا حُسن رسالتماب ﷺ کی محبت اور معراج و کمال عشقِ مصطفوی ہے۔ گویا یہ ایک محبتوں کا سودا ہے، جسکی قیمت حضور ﷺ کی اتباع ہے دینے والا محبت دے رہا ہے۔ پانے والا محبت پا رہا ہے۔ اتباع دونوں کا میل کرا رہی ہے۔ الغرض محبت اطاعت کی مربی ہے۔ اسکی مرشد اور اس کے لئے مزکی کا درجہ رکھتی ہے جہاں کہیں اطاعت میں کوئی رنگِ نفس در آیا، اسے شیطانی خیالات نے آلود کیا۔ اُسے نفسی وسوسوں نے گدلا کیا اُسے کسی بھی طرح سے متاثر کیا وہیں محبت آگے بڑھی، مرشد کا کردار ادا کیا۔ اس کا تزکیہ کیا اور بارگاہ خداوندی میں پیش

ہونے کے قابل بنا دیا۔

حضور ﷺ مربیٔ اُمت ہیں جبکہ حضور ﷺ کی محبت مربیٔ اطاعت واتباع ہے:

بالفاظِ دیگر جس طرح حضور ﷺ خود اپنی امت کا تزکیہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی محبت بھی اتباعی اعمال کا تزکیہ کرتی ہے۔ حضور مربی ومزکی ہوئے امت کے لئے اور آپ کی محبت مزکی ومربی ٹھہری اعمالِ امت کی۔ سبحان اللہ فیض سارا حضور ﷺ کا ہے، کرم سارا آپ ہی کا ہے۔ آپ خود ہوں یا آپ کی محبت دونوں کا کام ایک ہے۔ وظیفۂ عمل ایک ہی ہے۔ رسول وحُبِ رسول ﷺ امت کی تمام ایمانی ودینی ضروریات اور مقتضیات دین کی کفایت کررہے ہیں۔

آب وحرارت کی ایک اور خاصیت سے مسئلہ محبت واطاعت پر استدلال:

پھر جس طرح پانی ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہے اور فطرۃً نچلی سے نچلی سطح تک اُتر کر اپنی نمی اور فیضِ برودت پہنچانے پر مامور ہے جبکہ حرارت اور روشنی بلا امتیاز ہر سمت میں سفر کرتی ہے اور اپنی تمازت وتپش کا فیض ہر سو پہنچانے پر مامور ہے بالکل اسی طرح تصور اطاعت عبارت ہی نشیب اور جھکاؤ سے ہے۔ انسان اطاعت کے ذریعے عبودیت میں جس قدر کامل وتام ہوتا چلا جاتا ہے بارگہ خداوندی میں اسی قدر جھکتا چلا جاتا ہے جبکہ تصورِ محبت مائل بہ رفعت ایک ہمہ جہتی تصور ہے جسکے سوتے بِلا امتیاز ہر سمت پھوٹتے ہیں۔ تصورِ محبت بارگہِ الوہیت مآب میں جھکے بندے کو شانِ محبوبیت عطا کرتا اور اسے ہر آن نئی رفعتوں اور نئی بلندیوں سے ہمکنار کرتا چلا جاتا ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے ایک ارشادگرامی کی رُو سے عرش وفرش کی ہر مخلوق کے دل میں درجۂ محبوبیت پر فائز ہونے والے بندے کی محبت کا نقش جما دیا جاتا ہے۔

پانی اور روشنی کی رفتار کے حوالے سے تصوراتِ محبت و اطاعت پر روح پرور بحث:

پھر جس طرح پانی کی اپنی کوئی رفتار نہیں بلکہ مختلف ارضی و موسمیاتی یا جغرافیائی و میکانیاتی عوامل کے ذریعے حرکت کرتا ہے جبکہ حرارت و نور آفتاب کی اپنی ایک رفتار ہے اور رفتار بھی ایسی کہ جس سے بڑھ کر عالمِ امکاں میں کسی رفتار کا تصور ممکن نہیں بالکل اسی طرح اتباع و اطاعت کا تصور ایک حقیقتِ جامدہ ہے جو اپنے اندر اصلاً کوئی بنائے جواز نہیں رکھتا اور پانی کی طرح اپنی حرکت پذیری کیلئے کسی نہ کسی بیرونی عامل یا محرک کا محتاج ہے کبھی اس کا محرک جذبۂ خوف ہوتا ہے تو کبھی عنصرِ مفاد، کبھی پہلوئے اضطرار تو کبھی کسی کی ماتحتی کبھی کسی کی خوشنودی و رضا تو کبھی کوئی لالچ جبکہ تصور محبت نہ صرف اپنی کارفرمائی میں کسی خارجی محرک کا محتاج نہیں۔ حرارت و نور کی طرح تیز رفتار بلکہ اس سے بھی لاکھوں گنا بڑھ کر ہے اور یہ نہ صرف اپنی رفتار کا کوئی ٹھکانہ نہیں رکھتا بلکہ آنِ واحد میں انسان کو بھی ناپیدہٴ کنار بلندیوں اور ناقابل تصور رفعتوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حرکتِ معکوس یعنی انسان کا منافیِ تعظیم و محبت عمل اُسے بذریعہ اتباع و اطاعت حاصل شدہ مقامات سے آنِ واحد میں تحت الثریٰ کی پستیوں تک بھی گرا دیتا ہے اور انسان اپنی عمر بھر کی طاعات و عبادات کی کمائی اور ذخیرۂ عمل سے پل بھر میں محروم ہو جاتا ہے۔

یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ (سورۂ حجرات)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ انہیں اس طرح

بلند آواز سے مخاطب کیا کرو جس طرح ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال خاکستر ہو جائیں اور تمہیں اس بات کا شعور بھی نہ ہو۔

حرارت پانی کے لئے مزکی ہے جبکہ محبت رسول ﷺ اطاعت نبوی پر مشتمل اعمال کے لئے مزکی کا درجہ رکھتی ہے:

پھر جس طرح پانی اگرچہ خود تو طاہر و مطہر ہے لیکن مختلف قسم کی آلائشیں اور آلودگیاں اسے ناپاک کر دیتی ہیں۔ اسے آلودہ کر کے متعفن اور ناقابلِ استعمال بنا ڈالتی ہیں جبکہ حرارت نہ صرف خود ہر طرح کی آلودگی اور آلائش کے تصور سے پاک ہے بلکہ پانی میں در آنے والی ہر طرح کی گندگی اور آلائش کی دافع بھی ہے بالکل اسی طرح مظاہر اطاعت و اتباع اعمال میں بسا اوقات نمود و نمائش، ریا و خودنمائی یا عجب و تفاخر کی آلودگی دَر آتی ہے جس سے وہ گدلا ہو کر پایۂ قبولیت سے گر جاتے ہیں جبکہ تصورِ محبت نہ صرف ہر طرح کی آلائش و آلودگی کے شائبے تک سے مبرا ہے بلکہ اپنی تمازتِ اخلاص اور حرارتِ صدق سے مظاہر اطاعت میں در آنے والی ہر آلائش و آلودگی کا دافع بھی ہے گویا جس طرح پانی اپنی ملاوٹ یا کثافت و آلائش سے پاک ہونے کے لئے حرارت کا محتاج ہے اسی طرح مظاہر اطاعت اعمال بھی اپنے اندر در آنے والی ہر طرح کی نفسی کثافتوں اور باطنی آلائشوں سے پاک ہونے اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ کے لائقِ اعتبار ہونے کیلئے تصورِ محبت یعنی حُبِ رسول ﷺ کی تمازتِ اخلاص و حرارتِ عشق کے محتاج ہیں۔

حرارت پانی میں موجود مختلف جراثیموں کیلئے دافع کا درجہ رکھتی ہے تو حُبِ رسول ﷺ بھی فکری و عملی مضرات کیلئے دافع ہے:

پھر جس طرح پانی میں طرح طرح کے جراثیم پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض انسانی

صحت کے لئے مضر ہوتے ہیں اور بعض مفید جبکہ حرارت و تمازت نہ صرف خود ہر قسم کے جراثیمی اثرات کے تصور سے پاک ہے بلکہ اس کا کام ہی جراثیم کشی اور پانی سمیت ہر شے کا جوہر اصلی نکھارنا ہے بالکل اسی طرح تصورِ اطاعت سے متعلق بحثوں میں بسا اوقات بے سود فکری موشگافیاں لاحاصل نکتہ آفرینیاں اور بے مقصد فلسفیانہ بحثیں بھی در آتی ہیں جن میں سے بعض صحتِ ایمان کیلئے مفید ہوتی ہیں اور بعض حد درجہ مضر اور پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے اظہار و بیان اور اصرار و تکرار کی صورت میں ایک دوسرے کی نفی و تردید بلکہ تذلیل و تکفیر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، فتووں، مناظروں اور مجادلوں کے بازار گرم ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ بسا اوقات قتل و غارت تک معاملہ پہنچ جاتا ہے جبکہ تصورِ محبت نہ صرف دور از کار تاویلوں، بے مقصد موشگافیوں، لاحاصل نکتہ آفرینیوں اور بے سود مناظروں کے تصور سے پاک ہے بلکہ بکھرے دانوں کو سمیٹتا، بچھڑے دلوں کو ملاتا اور بندوں کو خالص بندگی کی راہ پر ڈال کر ان میں عبودت کا جوہرِ خالص نکھارتا ہے۔

ے اے محبت زندہ باد اے محبت زندہ باد

پانی ایک مادی وجود ہے جبکہ حرارت و نور ایک غیر مرئی چیز ہے:

اس حوالے سے حُبِّ رسول ﷺ و اطاعت رسول ﷺ کا فکر انگیز موازنہ:

پھر جس طرح پانی ایک مادی وجود ہے جو دکھائی بھی دیتا ہے اور اسے چھوا یا چکھا جاسکتا ہے جبکہ حرارت ایک غیر مرئی شے ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے دیکھا یا چھوا نہیں جاسکتا بالکل اسی طرح اطاعت کا تعلق انسانی شخصیت کے عالمِ مادی کے ساتھ ہے۔ مظاہر اتباع انسان کے ظاہر پر وارد ہوتے ہیں جبکہ محبت ایک غیر مرئی حقیقت ہے اس کا مرکز انسان کا دل ہے کیفیاتِ محبت کو چھوا یا چکھا نہیں جاسکتا البتہ اس کے گوناگوں مظاہر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی لذت سے وہی دل محظوظ ہوتے ہیں جو اللہ کا خاص انتخاب ہوتے ہیں جو قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ کا مصداق ہوتے ہیں اور

جن پر معرفتِ ربِ محمد ﷺ و محمد ﷺ کے انوار اُترتے ہیں اور جو لوگ ظاہری فرشی ہونے کے باوجود عرشی مزاج و جنتی کردار ہوتے ہیں۔

؎ عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

پانی مختلف الحال بلکہ متضاد الحال ہو سکتا ہے جبکہ حرارت و نور اس سے مبرا ہے:

پھر جس طرح پانی ٹھنڈا بھی ہو سکتا ہے اور گرم بھی، میٹھا بھی ہو سکتا ہے اور کڑوا بھی، نمکین بھی ہو سکتا ہے اور کسیلا بھی، مفید بھی ہوتا ہے اور مضر بھی۔ گویا پانی میں بیک وقت متضاد اور متفرق احوال پائے جا سکتے ہیں جبکہ حرارت میں ایسا تضاد ناممکن ہے اس کا حال ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے یعنی تپش و تمازت میں کمی بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا متضاد الحال ہونا محال ہے بالکل اسی طرح مظاہر اطاعت کے بیان و اظہار میں بیک وقت ایکدوسرے سے مختلف اور بسا اوقات متضاد احوال بھی ممکن ہیں جیسے گوناگوں فقہی اختلافات، رنگارنگ اجتہادی رجحانات اور ہمہ نوع علمی اختراعات و تحقیقات جبکہ تصورِ محبت کے حوالے سے احوال و آثار میں کمی بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن ان کا یکسر متضاد الحال ہونا ممکن نہیں۔

پانی میں قانونِ انعطاف جاری ہے جبکہ حرارت و نور اس سے بالا ہے:

اس حوالے سے حُبّ رسول و اطاعت رسول پر ایک ایمان افروز بحث:

پھر جس طرح قانونِ انعطاف کے تحت پانی میں پڑی ہوئی چیز اپنی سطح سے کچھ اوپر اُٹھی ہوئی نظر آتی ہے، اُبھری اُبھری محسوس ہوتی ہے جبکہ روشنی ہر چیز کو اس کی اصلی سطح اور حقیقی حالت و جسامت میں دکھاتی ہے بالکل اسی طرح مظاہر اطاعت و اتباعی اعمال کے حوالے سے انسان عُجب و تفاخر اور خود پسندی کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ انسان کو اپنے اعمال بڑے بڑے، اہم اور اپنی اصلی سطح

سے اُٹھے اُٹھے معلوم ہوتے ہیں وہ عمل عمل کی رٹ لگاتا ہے جبکہ تصورِ محبت سے سرشار انسان عجز و انکسار کا پیکر ہوتا ہے۔تصورِ محبت اس کے ظاہر و باطن میں بے حیثیتی و بے بصاعتی اور کم مائیگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ انسان کو اپنے اعمال اپنی حقیقی سطح پر یعنی مالک حقیقی کے شایانِ شان نظر نہیں آتے۔ اسے اپنا عمل نہایت حقیر و قلیل اور بے حقیقت و بے وقعت دکھائی دیتا ہے جسکے نتیجے میں وہ اپنے آقا و مولا کی رضا اور اسکی رحمت کے حصول کیلئے مسلسل جھکتا ہی چلا جاتا ہے۔

داعیٔ اطاعت کی نظر ہمیشہ اپنے اعمال پر رہتی ہے:

اطاعت و اتباع کا داعی و علمبردار اپنے اعمال کو مخلوق کے حوالے سے دیکھتا ہے دوسروں سے موزانہ کرتا ہے، ماتھے کے محراب اور ایڑیوں کی رگڑ پر نظر رکھتا ہے اپنی عبادتیں، ریاضتیں، تبلیغیں اور دینی سرگرمیاں نظر میں رکھتا ہے کسی دوسرے کو کچھ سمجھنے پر تیار ہی نہیں ہوتا سب کو حقیر اور ان کے اعمال کو قلیل جانتا ہے اس طبقے کو اپنے اعمال دوسروں سے بہتر نظر آتے ہیں اسے اپنے اعمال اصل حیثیت سے اُٹھے اُٹھے نظر آتے ہیں اور وہ اس بنا پر دوسرے طبقات کو من الحیث مجموع حقیر جانتا ہے اور ان سے مسلسل بیزاری کا وطیرہ اپناتا ہے۔ جبکہ حُبِ رسول ﷺ سے سرشار انسان اپنے اعمال اپنی عبادات اور اپنی جملہ دینی و ایمانی کاوشوں اور روحانی سرگرمیوں اور خدمات کو خالق کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ جب وہ اس زوایہ نظر سے دیکھتا ہے تو اسے اپنے اعمال مولا کے شایان شان تو کیا پرکاہ سے بھی کم تر دکھائی دیتے ہیں۔ بہت ادنیٰ اور ہلکے دکھائی دیتے ہیں، بہت معمولی اور بے حیثیت دکھائی دیتے ہیں۔

داعیٔ محبت نہ اپنے اعمال پر اِتراتا ہے اور نہ دوسروں کو بے عمل ہونے کے طعنے دیتا ہے:

داعیِ محبت اپنے اعمال پر اتراتا نہیں، دوسروں کو بے عمل ہونے کے طعنے نہیں دیتا، دوسروں

کے معمولات کی تضحیک نہیں کرتا' دوسروں کے اشغال پر طنز و جہالت کے نشتر نہیں چلاتا' دوسروں پر فتوے نہیں داغتا بلکہ اپنے اعمال کو خالق کے حوالے سے دیکھتے ہوئے سراپا عجز بنتا چلا جاتا ہے۔ سرتاپا انکسار بنتا چلا جاتا ہے۔ ہمیشہ مسکنت کا پیکر بنا رب تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے پیوندِ خاک ہوتا چلا جاتا ہے' الغرض اطاعت کے داعی کی نظر مخلوق پر رہتی ہے جبکہ محبت کے حامل کی نظر خالق پر۔

القصہ داعیِ اطاعت عمل کے اعتبار سے دوسروں کو ہیچ سمجھتا ہے' عمل عمل کی رٹ ضرورت سے زیادہ لگاتے رہنا اور دوسروں کے اعمال پر طنز کرتے رہنا اس کا شعار بن جاتا ہے جبکہ حامل محبت بحمد اللہ تعالیٰ اعمال میں کسی سے کم نہ ہونے کے باوجود اعمال پر زیادہ تکیہ نہیں کرتا بلکہ اپنے آقا و مولا پر بھروسے کا خوگر بنتا چلا جاتا ہے۔

یہ اپنی اپنی قسمت ہے

پانی موسمی اثرات قبول کرتا ہے جبکہ حرارت موسم گر اور موسم نواز ہے:

پھر جس طرح موسمی تبدل اور موسمیاتی اثرات وتغیر کے تحت پانی میں وقتی تموج اور اشتعال و تلاطم اور مدو جذر نظر آتا ہے (جبکہ یہ تموج و اشتعال اور تلاطم و مدو جذر بھی سارا کچھ منبعِ حرارت یعنی سوج یا خلیفۂ شمس یعنی قمر ہی کا مرہونِ منت اور اسکی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے) بالکل اسی طرح مخصوص دنوں' خاص مہینوں مخصوص اوقاتِ روز وشب اور مختلف مواقع پر مظاہرِ اطاعت (اعمال) پر وقتی تموج اور مدوجزر دیکھنے میں آتا ہے جیسے رمضان المبارک میں نیکیوں کی بہار' حج کے مہینوں میں پوری امت پر طاری مظاہر عشق وارفتگی' حجاج کے لئے حج کی برکتیں اور سعادتیں اور حج پر نہ جاسکنے والوں کی اشکوں سے تر التجائیں اور دعائیں' شب برأت' شب عرفہ' شب لیلۃ القدر اور دیگر مواقع پر مظاہر اطاعت میں والہانہ اشتیاق اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بھی کچھ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اور اس کے ذریعۂ اظہار کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ تمام مظاہر بھی حقیقتاً اس محبت کے پرتو ہوتے ہیں جو وہ

بندوں کے باطن میں نسبتِ رسالت کا نور بسائے ہوتی ہے جیسے حج سراسر مظہر محبت و عشق ہے اللہ کے بندے محبت الٰہی میں سرشار مملوئے عشق و مستی ارکان بجالاتے ہیں۔ خصوصی ایام اور خاص راتوں میں بھی اہل ایمان اللہ اور اسکے رسول کی محبت میں سرشار بارگاہ خداوندی سجدہ ریزیاں کرتے، نفلی روزے رکھتے، صدقہ و خیرات کرتے اور اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں روتے گڑگڑاتے نظر آتے ہیں۔ علی ہذا القیاس خاص مہینوں، خاص دنوں اور خاص راتوں میں جذب و مستی کی فراوانیاں، نیکی کی بہاریں اور اعمالِ صالحہ میں مدوجذر کے سارے مظاہر حقیقتاً اسی محبت کے آئینہ دار ہوتے ہیں جو دین و ایمان کی اصل اور تمام تر ایمانی لذتوں اور اعمال صالحہ و حسن صالحیت کی روح اور ان کا منبع و سرچشمہ ہے۔

مظاہر محبت میں وقتی ہنگامی یا مواقعاتی مدوجذر نہیں ہوتا۔ عشق و محبتِ رسول ﷺ سے سرشار لوگوں کے لئے ہر دن عید کا دن اور ہر رات شب برأت ہوتی ہے اپنی محبت و فنائیت کا اظہار کرنے کیلئے انہیں کسی خاص دن، خاص رات یا کسی خاص مہینے کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ عشاق جہاں چاہتے ہیں اپنے دل کی محفل سجا لیتے اپنے من کی دنیا اپنے محبوب کے ذکر سے آباد کر لیتے ہیں۔ اپنے محبوب آقا ﷺ کی یاد سے آنکھوں کو تر کر لیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے ذکر سے قلب و باطن کی دنیا آباد کر لیتے ہیں۔ ایامِ حج کے علاوہ پورا سال عشاق کے قافلوں کی والہانہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حاضریاں، وارفتگانہ روز و شب طواف والہانہ عمرے اور در حبیب ﷺ پر عشاق کی سارا سال دیوانہ وار حاضریاں اشکوں میں ڈوبی التجائیں آثار و منسوباتِ نبوی ﷺ پر قربان ہو جانے کے ایمان پرور مظاہر کو نہ کسی رات کا انتظار ہوتا ہے نہ کسی دن کا نہ کسی مہینے کا نہ کسی خاص موقع کا۔

مظاہرِ عشق و مستی کا نکتۂ عروج:

یہ وارفتگیاں اور کیفیتیں پورا سال بلا انقطاع روز و شب جاری رہتی ہیں اور مظاہر عشق و مستی کا نکتہ عروج وہ دن ہوتا ہے جو سب عیدوں کی عید ہے۔ وہ لمحات ہوتے ہیں جو سال بھر کی عبادتوں

ریاضیوں اور بندگیوں کا حاصل ہیں وہ گھڑیاں ہوتی ہیں جب عرش فرش اور جو کچھ انکے مابین ہے سارا کا سارا سراپا نعت بن کر ربِ محمد ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوا اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کرتا ہے' بشریت سے روحانیت گلے ملتی نظر آتی ہے۔ ناسوتیت ملکیت سے بغل گیر ہوتی دِکھائی دیتی ہے اور خالق ومخلوق کا وظیفہ ایک ہوجاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

محبت امام ہے جبکہ اطاعت مقتدی:

غرضیکہ اطاعتیں اتباعیں ریاضتیں اور عبادتیں سب کی سب محبت کی امامت میں ربِ محمد کی بارگاہ میں محمد وحبِ محمد ﷺ کے وسیلے سے پیش ہوکر سندِ قبولیت حاصل کرتی ہیں محبت امام ہے' اطاعت و اتباع اسکی مقتدی۔ کہاں امام کہاں مقتدی' محبت مرشد ہے اطاعت مرید۔ کہاں مرشد کہاں مرید۔ محبت مزکی و مربی ہے اطاعت طالب و امیدوارِ تزکیہ' اطاعت محبت کے بغیر کچھ نہیں اتباع محبت کی شیفتگی کے بغیر حرکتِ محض ہے۔ اطاعت و اتباع کا مول اسی وقت پڑتا ہے جب وہ حُبِ رسول ﷺ کے ظرف میں سمائے ہوئے ہو۔ محبت کے غلاف میں لپٹی ہو۔ محبت کی اقتداء میں ہو ورنہ ریاء محض ہے بن خوشبو کے گلِ بوسیدہ ہے' ایسا پھل ہے جس میں چھلکا تو ہے گودا نہیں۔ اطاعت و اتباع وہیں لائق اعتنا ٹھہرتی ہے جبکہ اس کا خمیر محبتِ رسول ﷺ سے اُٹھا ہو۔

خمیرِ محبت سے اُٹھی ہوئی اطاعت کے ثمرات واعزازات:

خمیرِ محبت سے اٹھنے والی اطاعت کے حاملین میں ہی کوئی ابوبکر صدیق بنتا ہے تو کوئی فاروق اعظم' کوئی ذوالنورین بنتا ہے تو کوئی حیدر کرار۔ کوئی ابنِ مسعود بنتا ہے تو کوئی امیر حمزہ' کوئی ابوہریرہ بنتا ہے تو کوئی عبداللہ بن عمر کوئی خالد بن ولید بنتا ہے تو کوئی ابنِ زبیر' کوئی زین

العابدین بنتا ہے تو کوئی غوث اعظم کوئی جعفر صادق بنتا ہے تو کوئی داتا گنج بخش، کوئی ابوحنیفہ بنتا ہے تو کوئی امام احمد، کوئی امام شافعی بنتا ہے تو کوئی امام مالک، کوئی جنید بغدادی بنتا ہے تو کوئی بشر حافی، کوئی امام باقر بنتا ہے تو کوئی امام حسن عسکری، کوئی سری سقطی بنتا ہے تو کوئی حسن بصری، کوئی فضیل بن ایاز تو کوئی ابن ادہم کوئی اویس قرنی بنتا ہے تو کوئی بہلول دانا، کوئی بختیار کاکی بنتا ہے تو کوئی خواجہ غریب نواز، کوئی غزالی بنتا ہے تو کوئی رازی، کوئی ابن عربی بنتا ہے تو کوئی قاضی ایاز، کوئی جامی بنتا ہے تو کوئی رومی، کوئی سعدی بنتا ہے تو کوئی اقبال کوئی شیخ احمد سرہندی بنتا ہے تو کوئی شاہ ولی اللہ دہلوی، کوئی شاہ عبدالعزیز دہلوی بنتا ہے تو کوئی امام احمد رضا، کوئی بہاؤ الدین ذکریا بنتا ہے تو کوئی خواجہ فرید گنج شکر، کوئی سلطان العارفین سلطان باہو بنتا ہے تو کوئی میاں محمد۔

قافلۂ محبت کا پہلا سالار صدیق اکبرؓ:

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اہلِ محبت اُس قافلے میں شامل ہیں جسکا آخری سرا امام احمد رضا خان بریلوی ہے اور پہلا سرا صدیق اکبرؓ جو عشاقِ مصطفوی ﷺ کے قافلہ کا سالار ہے۔ محبینِ محمد ﷺ کا مقتدا و امام اور عشق و محبتِ رسول کے بارانِ رحمت کا پہلا قطرہ۔ خدا تا قیامت ہمیں اسی زمرۂ عشاق میں شامل رکھے اور ہمارے قلب و باطن تا قیامت عشقِ مصطفوی ﷺ سے منور و تاباں اور جگمگاتے رہیں۔ یونہی تو خاتم النبیین ﷺ نے اپنے صحابہ سے نہیں کہا تھا:

📖 **اَدِّبُوا اَولادکم حب نبیکم.**

ترجمہ: اپنی اولادوں کو حُبِ نبی کا درس دو۔

یہی درس بحمد اللہ تعالیٰ نسلاً بعد نسلاً امت مسلمہ کے ہر دور میں جاری و ساری ہے اور اسی پر ہمارا اور ہماری آئندہ نسلوں کا خاتمہ ہوگا انشاء اللہ العزیز۔

اقبال نے اسی رمزِ عشق کی ترجمانی کرتے ہوئے تو کہا تھا:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

اور اس امر میں کوئی شک بھی ہے کہ حق تعالیٰ کا سارا کا سارا کلام بقول اقبال یہی مژدہ سنا رہا ہے:

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عالمِ زیریں میں سورج اول الخلق، عالمِ امر میں حُبِّ رسول اول الخلق:

پھر جہانِ رنگ بو میں جس طرح سورج اول الخلق ہے اور دیگر سیارگان اس کے بعد اسکے فیضان سے یا بقول جدید سائنس اسی سے الگ ہوئے ہیں۔ پانی جس کا منبع و مستقر خطۂ اراضی ہے وہ بھی لاکھوں کروڑوں برس پہلے اس سے جدا ہو کر ایک مستقل وجود کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آیا بالکل اسی طرح عالمِ امر میں حُبِّ رسول اول الخق اور اول الوجود ہے جسکا منبع و سرچشمہ ذاتِ الوہیت مآب ہے جسکا تذکرہ ہم اوائل باب میں تفصیلاً بیان کر چکے جبکہ اطاعت و اتباع مقاصدِ تخلیق کی تکمیل کے لئے ایک ایسا پروگرام اور ذیلی شعبہ ہے جسکا سرچشمہ اور منبع و ماخذ بھی محبتِ رسول ﷺ ہی ہے۔

طلوع کے بعد سورج کا درجۂ ظہور دوسری طرف حُبِّ رسول ﷺ کا درجۂ ظہور:

پھر جس طرح سورج کے وجود کے بعد دوسرا درجہ ظہور کا ہے کہ وہ طلوع ہو کر دنیا کو حرارت و تمازت اور روشنی دے اور عالمِ رنگ و بو کو منور و حیات آفریں بنا دے بالکل اسی طرح حُبِّ

رسول ﷺ کا طلوع تو حریم کبریا میں ہو چکا اب اس کا ظہور اول اس وقت ہوا جب عالمِ ارواح میں تمام ارواح سے رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ موقع ہذا پر انبیاء و رسل کی ارواح اور دیگر تمام روحوں نے بہ زبانِ حال اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے حبِ مصطفوی ﷺ میں سرشار آپ ﷺ ہی کی اتباع و اقتداء میں رب کی ربوبیت کا اظہار کیا تھا۔ پھر عالمِ امر میں سب انبیاء و رسل کی ارواح سے جو عہد لیا گیا اسکا بنیادی نکتہ بھی حضور ﷺ پر ایمان آپ کی محبت اور نصرت ہی تھا جسکی تکمیل و تعمیل کے طور پر عالمِ خلق میں تمام انبیاء و رسل حبِ مصطفوی میں سرشار اپنے اپنے زمانے میں اپنی اُمتوں کو حبِ مصطفوی کا درس دیتے ہوئے محبوبِ خدا کی آمد کی نویدیں سناتے اور انہیں اس کے شایانِ شان استقبال اور خدمت و نصرت کا درس دیتے رہے۔ آدم سے عیسیٰ تک کا پورا زمانہ حبِ مصطفوی کے ظہور کا دَورِ ثانی ٹھہرا۔

اُفق صحابیت پر حبِّ رسول کے سورج کی جلوہ گری اور مابعد طبقات پر مسلسل فیض رسانی کے سلسلے:

حبِ رسول کا یہی سورج اپنے انوار بانٹتا جب اگلے مرحلہ میں اُفقِ صحابیت پر ظہور پذیر ہوا تو اپنی تمازت سے عشقِ مصطفوی کے ایسے ایسے جہان بسا گیا کہ ہر ہر صحابی اپنی جگہ ہدایت کا روشن ستارہ اور اصحابی کالنجوم کا مصداق بن گیا۔ حبِ رسول ﷺ کا یہی سورج اپنے اگلے ادوار میں اُمت پر تابعیت و تبع تابعیت اور امامت و خلافت کے انوار بکھیرتا گیا۔ مابعد کے ادوار میں حبِ رسول کا یہی سورج عشق و مستی کے نئے نئے جہان تخلیق کرتا رہا یہاں تک کہ آدم و ابن آدم کے دشمنِ اولیں ابلیس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

لیکن بھلا یہ ممکن کب تھا کہ ابلیس ربِ محمد ﷺ کے مقابل آ کر اس روحِ محمد ﷺ کو نکال سکتا جو محبت رسول کی صورت میں اُمتِ مسلمہ کے نہاں خانۂ دل میں روشن تھی۔ وہ اس شمعِ حق کو بجھا سکتا جسے خود روشن ہی خداوند تعالیٰ نے کیا تھا' اسے روشن رکھے ہوئے ہے اور تا قیامت روشن رکھے گا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سورج کا تصرف اور حکومت و اقتدار اور حُبِّ رسول کی حکمرانی و فیض رسانی:

پھر جس طرح سورج کا تصرف اور اقتدار و حکمرانی چہار جانب کروڑوں میل تک پھیلی ہوئی ہے' چمک دمک تاثیر و تصرف روشنی و نور اور اسکے فیضِ تمازت و حدت کا کوئی ٹھکانہ نہیں جبکہ پانی کا تصرف خطہ اراضی پر ہی ہے اور وہ بھی نہایت محدود سطح پر۔ بالکل اسی طرح حُبِّ رسول ایک ایسا آفتاب عالمتاب ہے جسکے تصرف و اختیار اور اقتدار و حکمرانی کی کوئی حد نہیں۔ یہ خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ اور قدر مشترک ہے کیونکہ یہ بیک وقت خالق و مخلوق کا عمل ہے۔ اسی سے جہان رشد و ہدایت روشن دنیائے ایمان و اسلام منور اور جہان علم و عمل کی ساری تابانیاں ہیں۔ ہر سُو اسی کی حکمرانی ہے۔ عقائد ہوں یا ایمانیات اعمال ہوں یا عبادات' روحانیات ہوں یا اخلاقیات ہر جہان میں اسکا سکہ چلتا ہے اور ہر ہر عمل اطاعت و مظہر اتباع میں اسی سے حُسن ہے۔ یہی ہر اطاعت کا سنگھار اور ہر عملِ اتباع کا وقار ہے۔ یہ نہیں تو پہاڑوں جیسا کوہ قامت جہانِ عمل محض مٹی کا ڈھیر ہے **ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعضٍ ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون.**

عالمِ رنگ و بو میں سورج کی جلوہ سامانیاں اور کائناتِ ایمان میں حُبِّ رسول کی بزم آرائیاں:

پھر جس طرح سورج سے عالم رنگ و بو میں سارا حسن و جمال رونق آرائیاں جلوہ سامانیاں

حرکت وتحرک ارتقا و بقا اور حیات ظاہری کی نشو ونما کے سامان ہیں اور وہ کائنات ہست و بود کیلئے بمنزلہ روح کے ہے عالم ناسوت میں جمادات ونباتات اور سب جانداروں کیلئے اسکا فیض تمازت وحدتِ حیات بمنزلہ جان کے ہے۔ اور اگر کائنات ہست و بود سے حرارتِ شمس اپنا رُخ موڑ لے تو سب کچھ فنا ہو جائے۔ جمادات محض پتھریلے وجود بن کر رہ جائیں نباتات گل سڑ جائیں۔ حیوانات لقمہ اجل بن جائیں کائنات ہستی ویران ہو جائے اور تو اور انسان برفیلے مجسمے بن کر رہ جائیں، گلشن ہستی ویران ہو جائے، گلزارِ زیست کالعدم ہو جائے۔ پوری دنیا جم کر برف بن جائے اور تو اور پانی کا پانی ہونا بھی تمازتِ آفتاب کے رحم وکرم پر ہے۔ یہ اگر پانی سے اپنا رخ موڑ لے تو وہ سمندروں کے سمندر برفانی پہاڑ بن جائیں۔ اور حیاتِ مادی منجمد ہو کر روزِ محشر کا انتظار کرنے لگے کہ سورج سوا نیزے پر آ کر اسے پگھلا دے۔

بالکل اسی طرح دنیائے ایمانیات و کائناتِ رشد و ہدایت سے روحِ محمدی کھینچ لی جائے یا حُبِ رسول اپنا رخ موڑ لے تو کائناتِ ایمانی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ ایمانیات و عقائد محض فلسفیانہ موشگافیاں اور بے مقصد نکتہ آرائیاں بن کر رہ جائیں عبادات و اعمال صالحہ محض بے جان رسوم اور بے نتیجہ اٹھک بیٹھک کی مشقوں میں تبدیل ہو کر رہ جائیں۔ تبلیغیں محض تفریحی سفر اور تحقیقیں محض صفحاتِ کتب سیاہ کرنے کے مترادف قرار پائیں، جہاد محض قتل و غارت اور اجتہادات محض ذہنی و فکری قلابازیوں کے سوا کچھ نہ رہیں۔ الغرض حُبِ رسول کے عنصر سے محرم ہو کر ایمان و ایمانیات اور رشد و ہدایت کی کل کائنات اجڑ کر وجودِ بے سود کے سوا کچھ نہ رہے۔ ؎

خیمہ افلاک کا ایستادہ اِسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اِسی نام سے ہے

پانی اور سورج کی فیض رسانیوں کا ایک اور پہلو:

پھر جس طرح پانی منبعِ حیات ہونے کے باوجود بسا اوقات دنیائے حیات کی کائنات تہ و

بالا بھی کر دیتا ہے بارشیں جو اللہ کی رحمت کہلاتی ہیں بسا اوقات حد سے بڑھ کر انسان کیلئے زحمت بھی بن جاتی ہیں دریا ہر طرف سرسبزی اور شادابی کی علامت سمجھے جاتے ہیں بسا اوقات شہروں کے شہر اجاڑنے کے مظاہر بن جاتے ہیں۔ قیامت خیز سیلابی ریلے ہزاروں جانوں کا خراج لیتے ہوئے سمندروں میں جا گرتے ہیں لاکھوں ایکڑ پر موجود فصلیں اپنا نام و نشان تک کھو بیٹھتی ہیں۔ لاکھوں انسان اپنے گھر بار چھوڑ کر تصویر بے بسی بنے امدادی کیمپوں اور خیمہ بستیوں میں کئی کئی ماہ تک قیام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سمندر جو آبی سفر کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں اور ہزاروں بحری جہازوں اور چھوٹی بڑی کشتیوں کو اپنے دوش پر سوار کئے ابنِ آدم کی خدمت پر مامور ہیں۔ بسا اوقات مشتعل ہو کر ایسا تلاطم برپا کرتے ہیں کہ حیات انسانی منہ تکتی رہ جاتی ہے۔ سمندری طوفان ساحلی علاقوں کو لقمہ اجل بنانے لگتے ہیں۔ مشتعل سونامی ریلے شہروں کے شہر نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں جبکہ مظہر حدت و تمازت سورج سارا سال موسموں کی بساط لپیٹتا۔ ماہ و سال کی تشکیل کرتا ابن آدم کو ہر موسم اور ہر قسم کے حالات میں توانائی و تپش اور روشنی فراہم کرتا اُسے زندہ و متحرک اور فعال رکھتا ہے مختلف موسموں میں اس کی حدت و تمازت کم و بیش تو ہوتی رہتی ہے لیکن اسکی نور بخش شعائیں اور حیات آور تپش و تمازت نے کبھی کوئی ہمہ گیر نقصان ابن آدم کو نہیں دیا۔

مذکورہ حوالے سے حُبِّ رسول ﷺ واطاعت رسول ﷺ پر ایک نظر:

بالکل اسی طرح مظاہر اطاعت معمولات اور ان کے خمیر میں چھپی فکری و اعتقادی بحثیں بسا اوقات مختلف طبقاتِ امت میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت و بیزاری کی دیواریں کھڑی کر دیتی ہیں۔ ہم ہی سچے ہیں اور جو کچھ ہم سمجھتے یا کرتے ہیں وہی درست اور حق ہے جیسے ذہنی تحفظات بسا اوقات اختلاف رائے سے بڑھ کر مخالفت محض بن جاتے ہیں بسا اوقات دینِ کل جاننے کا زعمِ باطل فتوے بازیوں اور بڑھتے بڑھتے قتل و غارت اور کفر و تکفیر کی حدود کو چھونے لگتا ہے۔ یہ شیعہ سنی کے

جھگڑے، دیو بندی بریلوی کے تنازعات، مقلد و غیر مقلد ہونے کی بحثیں، بدعتی و مشرک ہونے کے فتوے اور اپنے تئیں فرقہ ناجیہ ہونے کے زعم سب کیا ہیں۔ فکری و اعتقادی اور علمی و نظریاتی اختلافات اور تعصب و تنگ نظری کا شاخسانہ ہی تو ہیں۔ اس کے برعکس حُبِّ رسول ﷺ چونکہ سراپا وفا، سراپا تقدس، سراپا رحمت و رأفت، اول آخر مہر و محبت، سراپا ایثار و قربانی، سراپا ہمدردی و فیض رسانی اور ایک ایسا نورانی و آفاقی جذبہ ہے جو افرادِ اُمت کو تسبیح کے دانوں کی طرح شیرازہ بند کرتا ہے۔ بکھروں کو سمیٹتا اور تفرقات میں پڑے لوگوں کو متحد کرتا ہے۔

لہٰذا کبھی حُبِّ رسول کے تصور پر کوئی تنازعہ کھڑا نہیں ہوتا۔ امت کا ہر گروہ اور ہر طبقۂ فکر و نظر حُبِّ رسول ﷺ کا نہ صرف قائل ہے بلکہ اپنے اپنے انداز میں اپنی اپنی فہم کے مطابق تصورِ محبت کو خراجِ عقیدت دینے کا داعی و دعویدار ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس نور آفریں و حیات پرور اور ایمان افروز و صالحیت بخش جذبے میں کسی سے کم نہیں۔ سبحان اللہ

؎ دیکھو جسے بھی اُلفت شاہ کا اسیر ہے

یہ الگ بات ہے کہ ہر طبقہ اپنے اپنے ذوقِ تحقیق کے مطابق اسکا اظہار کرتا ہے۔

سورج کی روشنی میں جاری قانون انعکاس اور حُبِّ رسول کے تصور میں انعکاسی جلوہ آرائیاں:

پھر جس طرح منبعِ حدت و حرارت یعنی سورج کی روشنی میں قانون انعکاس کی کارفرمائی ہے اور یہ نور کسی شفاف سطح یا آئینے پر عکس زیبا ڈال کر منعکس ہوتے ہوئے ایسے مقامات کو بھی منور و تاباں کرسکتا ہے جہاں براہِ راست سورج کی کرنیں نہیں پڑ رہی ہوتیں بالکل اسی طرح حُبِّ رسالتمآب ﷺ کی کرنیں جب کسی کے آئینہ دل پر پڑتی ہیں کسی شفاف و لطیف باطن پر اپنا فیض نور ڈالتی ہیں تو صرف یہی نہیں کہ وہ سطحِ قلب روشن رہتی ہے بلکہ وہاں سے منعکس ہوکر ہر جہت نور

کے جلوے بکھیر دیتی ہیں۔ ہزاروں دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں روحیں نشۂ توحید سے سرشار ہو جاتی ہیں، لاتعداد نفوسِ امارہ نفوسِ قدسیہ میں بدل جاتے ہیں ہر سو علم و معرفت کی روشنی اور لذتِ بندگی سے سرشاری کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ صوفیاء کون تھے۔ اسی حُبِّ رسول ﷺ سے مستنیر قلوب کے حاملین خوش بخت ہی تو تھے۔ ان کے صاف و شفاف سینوں اور منور و تاباں باطنوں پر جب حُبِّ نبی ﷺ کی شعائیں پڑیں، حُبِّ رسول کے انوار اُترے تو اُنہوں نے باطنی و روحانی اور ابدی وملکوتی قانونِ انعکاس کے تحت اپنے قلب و باطن پر پڑتی ہوئی حُبِّ رسول کی کرنوں کو لاکھوں دلوں تک پہنچا دیا۔ ہزاروں مردہ دل زندہ ہو گئے، ہزاروں تاریک قلب جلوۂ حُبِّ رسول سے چمک اٹھے، ہر دل ایک چراغ بنتا گیا اور اس طرح چراغوں سے چراغ روشن ہوتے گئے اور ہر سو علم و معرفت، روحانیت وملکیت اور حُسنِ عمل کا چاندنا ہوا جس سے مردہ انسانیت کو نورِ حیات ملا اور ادوار کے ادوار روشن وضوگیر ہو گئے۔ سبحان اللہ

حضور ﷺ والشّمس، اصحابِ حضور وَضُحٰها:

حُبِّ رسول سے جہانِ فکر و نظر اور دنیائے علم و عمل کے منور ہونے کا آغاز طبقۂ صحابہ سے ہوا جو براہ راست منبعِ نور و ہدایت ذات سرکار رسالتماب ﷺ سے مستنیر ہوئے۔ ارشاد فرمایا گیا:

📖 **والشمس و ضحٰها.**

ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اسکی روشنی کی۔

میرا ذوق استنباط کہتا ہے کہ یہاں شمس سے مراد سراپا نور ذاتِ رسالتماب ﷺ ہے اور اسکی روشنی سے مراد طبقۂ صحابہ ہے جو براہ راست اور بلا واسطہ نور محمدی سے مستنیر ہو کر آسمانِ ہدایت کی روشن ستارے بن گئے یہی طبقہ ''اصحابی کالنجوم'' کا مصداق بنا، نورِ محمدی سے مستنیر و روشن ان ستاروں کا اصل نور عشق رسالتماب ﷺ ہی تو تھا جن کے ایمان پرور مظاہر سے تاریخ کے صفحات

آج تک جگمگا رہے ہیں۔

سورج خاتم الانوار جبکہ حبِّ رسول خاتم المہمات دین ہے:

پھر جس طرح قرآن گواہ ہے ربِ قرآن نے جابجا سورج کی قسم تو کھائی ہے لیکن سرچشمۂ حیات ہونے کے باوجود کہیں پانی کی قسم نہیں کھائی۔ پانی کے احوال و آثار فوائد و ثمرات اور نظام حیات میں اسکی اہمیت و ناگزیریت پر تو جابجا کلام کیا ہے لیکن کہیں اسکی قسم نہیں کھائی۔

قرآن نے سورج کے امتیازات و خصائص آثار و احوال طلوع و غروب کے مراحل اسکے ظہور و غیوب کے درجات کا ذکر بتفصیل کیا ہے کیونکہ عالم و رنگ و بو میں جاری نظام شمسی کا نکتہ اولیں یہی ہے۔ عالمِ مادی میں اول التخلیق اور خاتم الانوار یہی ہے جو اہمیت اور اولیت و ناگزیریت سورج کو عالمِ رنگ و بو یعنی عالمِ خلق میں حاصل ہے وہی اہمیت حضور ﷺ کی محبت کو دنیائے ایمان و جہانِ روحانیت میں حاصل ہے۔ جس کا تذکرہ ہم گذشتہ صفحات پر مختلف حوالوں سے کر چکے ہیں۔ حضور ﷺ کی محبت روح دین جان ایمان محور ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ جہاں اول الضروریاتِ دین ہے وہی خاتم المہماتِ دین بھی ہے' دین اور حیاتِ دینی میں ہر سو اسی کی حکمرانی ہے اسی سے علم و عمل اور معرفت و عرفان کا چاندنا اور روحانیت و صالحیت کی بہاریں ہیں۔ ربِ محمد ﷺ حق تک رسائی کی توفیق دے۔

پانی کی سدرۃ المنتہیٰ اور کم مائیگی و بے بضاعتی:

یہاں تک تو ہم عالمِ خلق و عالمِ امر میں ظاہری مظاہر ربوبیت یعنی آب و حرارت اور باطنی مظاہر برودت و حرارت یعنی اطاعت رسول و حُبِّ رسول ﷺ کے باہم تقابل اور تقدم و تاخر کے حوالے سے گفتگو کر رہے تھے لیکن یہاں پہنچ کر میرا ذوق تحقیق میرے کانوں میں یہ سرگوشی کرتا ہے کہ عالمِ خلق میں برودت کا مظہر یعنی پانی اب مظہرِ حدت و نور یعنی سورج کے ساتھ چلنے سے قاصر ہے یوں

لگتا ہے اس کی حیثیت، ماہیت و اہمیت افادہ و ناگزیریت احوال و آثار اور ہمہ نوع مظاہر کی اب سدرۃ المنتہیٰ آ گئی ہے۔ سراپا برودت ہونے کے باوجود اس کے پر یہاں جلنے لگے ہیں اس لئے پانی کی اس کم مائیگی و بے بضاعتی اور معذرت کو قبول کرتے ہوئے اسے یہیں چھوڑ کر ہم عالمِ رنگ و بو میں کارفرما مظہرِ حدت و تمازت یعنی سورج کی انگلی تھام کر مسافتِ تحقیق طے کرتے ہیں۔

یعنی اب ہم اسی مظہر تپش و نور یعنی سورج کے طلوع و غروب جملہ مراحل عروج و زوال سمیت دیگر مظاہرِ فیض اور آثار و احوال کے حوالے سے عالمِ امر میں حُبِّ رسول ﷺ کے آسمان ایمان و ہدایت پر مقامِ یکتا کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ درحقیقت اب ہم دنیائے ایمان کی ان روح پرور، وجد آور اور ایمان افروز وادیوں میں داخل ہو رہے ہیں جن کی اپنی الگ ہی بہار ہے۔ ایک ایسے جہان میں قدم رکھ رہے ہیں جس کا اپنا منفرد کیف اور ایک جداگانہ سرور ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

سورج تمام حیاتیاتی ضرورتوں کا کفیل ...... حُبِّ رسول تمام ایمانیاتی ضرورتوں کی کفیل:

خطہ ارضی پر حیوانی و انسانی زندگی اسی تمازت و حدتِ آفتاب کے دم قدم سے ہے۔ طلوعِ آفتاب کے وقت ہر ذی حیات ایک نئی امنگ اور جدید ترنگ لئے اپنے دن کا آغاز کرتا ہے حتیٰ کہ ایک جاں بلب مریض تک کی طبیعت میں امید کی کرن اور امنگ حیات دوڑتی نظر آتی ہے اس کے برعکس غروب آفتاب کے وقت حیوانی و انسانی حیات سمیت نباتات تک میں تھکن اور پژمردگی کے سائے نظر آنے لگتے ہیں بوقت غروب تمازتِ آفتاب کے رخ موڑ لینے سے دنیائے رنگ و بو پر ظلمتِ شب چھا جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ذی حیات تمام مخلوق عارضی موت یعنی نیند کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر ظلمتِ شب کی گود میں محوِ خواب رہنے والی مخلوق جونہی سورج طلوع ہونے کے آثار دیکھتی ہے تب ہی مردہ وجودوں میں حیات و حرکت کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں مختلف شعبہ ہائے حیات میں

سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مسلم معاشروں میں ہر سو اذانوں کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ عشاقِ الٰہی دن کا آغاز ذکر خداوندی سے کرنے کیلئے راحت کدوں کو چھوڑ کر جنتی باغات یعنی مساجد کی طرف بے تابانہ قدم اٹھاتے ہیں۔ چڑیاں چہچہانے لگتی ہیں۔ بلبلیں اپنے سریلے نغمے چھیڑ کر آمدِ صبح کی بلائیں لینے لگتی ہیں۔ مرغے اذانیں دینے لگتے ہیں اور نوع بہ نوع حیوانات اپنے بدن کو جھاڑ کر خدمت آدم کیلئے اپنے آپ کو تیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بچے آنکھیں ملتے ہوئے سکول جانے کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں مرد و زن چھوٹے بڑے کاروبار حیات میں اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کمر ہمت باندھے نظر آتے ہیں بالکل اسی طرح کائناتِ ایمان و جہان ایمانیات میں ہر سو حُبِ رسول ﷺ کی تمازت وحدت موجزن ہے۔ اسی عنصر محبت کے کارفرمائی اور اثر و نفوذ سے جہان رشد و ہدایت میں ہر سو علم و اخلاق احوال و مقامات معرفت و حقیقت اور باطنی واردات کی بوقلمونیاں اور ہمہ رنگ جلوہ سامانیاں ہیں جس قدر کوئی نور محبت کے قریب ہے اسی قدر اسے فیضانِ حیات آفریں سے مستیز و منور زندہ و متحرک اور حیات پرور ہے۔ اگر دنیائے ایمان میں حُبِ نبی کی تمازت باقی نہ رہے تو تمام اعمالِ عبادت اپنا روحانی کمال کھو کر بے جان رسوم کے مردے لاشے بن کر رہ جائیں۔ حُبِ رسول کی ہی بدولت ایمانی معاشروں میں قدم قدم مہر و محبت امن و سلامتی اور ایثار و ہمدردی کے حیات آفریں مظاہر ہیں۔ اگر سینوں میں عشقِ رسالت کی تمازت باقی نہ رہے تو اللہ اللہ کے نغمے اور روحانی و باطنی کیفیات کے سوتے خشک پڑ جائیں۔ باطن میں حُبِ مصطفوی کی حدت نہ ہو تو ہوائے نفس کی تخریبی کارروائیاں انفس و آفاق کے سکون و طمانیت کو تہہ و بالا کر دیں۔ خرمنِ امن و آشتی بھسم ہو جائے اور ہر سو بدنظمی و بداعمالی کی خزاں حُسنِ کردار و عملِ صالحہ کے گلستاں کی بہاریں نیست کر دے بالفاظ دیگر جس طرح عالمِ مادی میں سورج دنیائے رنگ و بو کی ساری ضرورتوں کا کفیل ہے اسی طرح دنیائے ایمان و جہان ہدایت میں حُبِ نبوی ﷺ تمام دینی و ایمانی اور روحانی و باطنی ضروریات کی کفیل ہے۔

گردشِ آفتاب سے گردشِ حبِ رسالت پر وجد آفریں استدلال:

پھر جس طرح جہانِ مادی کا آفتاب اپنے مدار میں ایک محور کے گرد گھوم رہا ہے جو علمِ ہیئت و فلکیات کی رو سے معین و مشخص اور معلوم ہے اور ایک مظہر حسی کی حیثیت سے ثابت و مسلم ہے اسی طرح جہانِ ایمان و روحانیت کا سورج یعنی عشق رسول اپنے مدارِ معرفت میں ذاتِ مصطفوی ﷺ کے محور کے گرد حرکت پذیر ہے جسے نور باطن و جوہر معرفت کی روشنی میں من کی آنکھ سے دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ گویا جس طرح مادی سورج کا اپنا ایک فلک ہے جس میں وہ **کُلٌّ فی فلکٍ یسبحون** کے قانون کے تحت تیر رہا ہے اسی طرح عالمِ باطن کا آفتابِ عالمتاب یعنی جذبۂ حبِ رسول آسمانِ روحانیت اور فلکِ معرفت و حقیقت پر تیرتا ہوا دنیائے ایمان و جہانِ ہدایت کو منور کر رہا ہے۔ پھر جس طرح آفتاب کے اپنے بروج اور اپنی منزلیں ہیں جنہیں طے کرتا وہ اپنی حرکت مستدیر جاری رکھے ہوئے ہے ہر سو حدت و تمازت کی خیرات بلا امتیاز بانٹ رہا ہے۔ بالکل اسی طرح آفتاب باطنی یعنی حبِ رسول کا عنصر دین و دینیات اور ایمان و ایمانیت کے جہان میں اپنی حرکت مستدیر جاری رکھے ہوئے ادوارِ امت کو روشن و منور کر رہا ہے۔ جو دورِ امت مرکز و محورِ محبت یعنی ذات مصطفوی کے جتنا قریب ہے اتنا ہی منور و تاباں اور روشن و ضوفشاں ہے جیسے فرمایا۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم' ثم الذین یلونهم. (زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے اور پھر ان کا جو اس سے متصل ہے۔)

طبقۂ صحابہ حبِ رسالتماب کے انوار سے براہِ راست مستنیر ہو کر معراج انسانی پر فائز ہو گیا۔ طبقۂ تابعین بواسطہ صحابیت اپنے دامن میں انوار کی خیرات لے کر معزز و محترم ٹھہرا اور پھر طبقۂ تبع تابعین ہر دو درمیانی وساطت کے وسیلے سے اپنے حصے کی ایمانی چمک دمک اور تابانی لے گیا پھر دیگر طبقات مابعد ادوار میں سرچشمہ رُشد و ہدایت سے انوار و تجلیات کی خیرات لیتے رہے اور یہ سلسلۂ کرم

ہر دور میں بلا امتیاز زمان و مکاں لحہ بہ لحہ آگے بڑھتے ہوئے امت مصطفوی کی دینی و ایمانی اور باطنی و روحانی ضروریات کی کفایت و کفالت کرتا ہوا آج تک پہنچا اور تا قیامت اسی طرح جاری و ساری رہے گا اور ہر دور میں امت مسلمہ کے فکری و اعتقادی اور عملی و معمولاتی معاملات میں کسی بھی قسم کے بگاڑ انحراف یا گدلاہٹ و آلائش کا تدارک کرتے ہوئے اُسے فکری خالصیت کی راہِ مستقیم پر گامزن اور عملی صالحیت پر باقی و برقرار رکھے گا۔

حُبِ رسالت کی صبح صادق مختلف طبقات اُمت میں:

ذرا آگے چلئے اور یہ روح پرور منظر بھی دیکھئے کہ آسمانِ ایمانیات کے آفتابِ عالمتاب یعنی نسبتِ مصطفوی و حُبِ نبوی کی کارفرمائی سے امت مسلمہ کے طبقۂ اولین یعنی جماعت صحابہ روزِ روشن کا مصداق بنی تو اس طبقۂ عظیمہ میں صدیقِ اکبر بمنزلہ صبحِ صادق ہوئے۔ دور تابعین اس نور سے منور ہوا تو امام زین العابدین اس دورِ منور کی صبحِ صادق ٹھہرے اور پھر دورِ تبع تابعین میں یہ آفتابِ عالتماب جلوہ گر ہوا تو امام جعفر صادق اس دور کی صبحِ صادق قرار پائے اور پھر ہر دور میں انہیں ہستیوں کے بکھرے ہوئے انوار نے روحانیت و صالیت و لائیت و کرامت اور اجتہاد و تفقہ فی الدین کے اَن گنت سورج روشن کیے جو تا قیامت امتِ مسلمہ کے ہر طبقۂ فکر کے قلب و باطن اور فکر و نظر کو خیراتِ نور و ہدایت دیتے رہیں گے۔

آفتابِ مادی کی صبح صادق اور آفتابِ ایمانی یعنی حُبِ رسول کی صبح پر مختلف المزاج روحوں کا ردِّ عمل:

پھر جس طرح صبحِ صادق کے وقت اکثر لوگ نیند میں غرق ہوتے ہیں اور دماغوں پر غفلت وخواب کا گہرا غلبہ ہونے کے سبب کچھ غفلت شعار لوگ طلوع آفتاب پر بھی بیدار نہیں ہوتے اور ان

کی آنکھ اُس وقت کھلتی ہے جب آفتاب کی تمازت بدنوں کو گرمانے لگتی ہے ایسے لوگ صبحِ صادق کے انوار اور اس میں موجود برکات وثمرات سے محروم رہتے ہیں اور بوجھل روح کے ساتھ اوقات کار کا آغاز کرتے ہیں صبحِ صادق کی برکات سے بہرہ ور وہی ہوتے ہیں جو اس ارادے سے سوئے تھے کہ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی اُٹھ جائیں گے اور اپنے دن کا آغاز اپنے رب کے دربار میں حاضری سے کریں گے گویا وہ لوگ قلبِ بیدار لیکر خوابِ قالب کی گود میں گئے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہوتے۔ یہ خاص روحیں ہوتی ہیں جو ذوقِ بیداری سے آشنا برکاتِ صبحِ صادق سے مستفید ہونے کیلئے سوتے ہی جاگنے کی نیت سے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب آفتاب ہدایت طلوع ہوا اور اس نے صبح صادق کے ذریعے اپنی آمد کا اعلان کیا تو اس وقت پوری دنیا غفلت وتاریکی کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایمانی صبحِ صادق کی پکار پر وہی روحیں بیدار ہوئیں جو عہدِ الستی کا خمار لئے ذوقِ بیداری سے سرشار محوِ خواب ومشغولِ استراحت تھیں۔ یہ روحیں عام روحیں نہ تھیں، یہ انسان عام انسان نہیں تھے۔ عہدالستی کا شعور لئے یہ روحیں، گو محواستراحت تھیں لیکن جونہی آفتابِ نبوت کا طلوع ہوا۔ توحید کا نغمہ چھڑا نسبتِ رسالت کا نور پھیلا، حُبِّ مصطفوی کی خوشبو عالمِ امر سے عالمِ خلق میں پھیلی تو یہ روحیں جو عہدالستی کا خمار لئے ذوقِ بیداری کے انوار لئے اور قلب و باطن میں حُبِّ یار لئے محو استراحت تھیں فی الفور بیدار ہوگئیں۔ انہیں میں کوئی صدق اکبر بنا کوئی عمر فاروق ہوا، کوئی حیدر کرار اور کوئی عثمانِ ذوالنورین ہوا۔ کوئی حمزہ بنا تو کوئی بلالِ حبشی، کوئی ابوذر غفاری بنا تو کوئی سلمان فارسی، کوئی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ ہوئیں تو کوئی فاطمہ بنت اسد، کوئی ام امارہ بنیں تو کوئی امِ ایمن غرضیکہ بیدار روحیں اپنا اپنا نصیب پاگئیں، آفتابِ رسالت سے نگاہیں چرانے والے، چہرہ چھپانے والے اور پھر پھونکوں سے اس نور کو بجھانے کی سعیٔ نامراد کرنے والوں میں کوئی ابوجہل ہوا تو کوئی ابولہب کوئی عتبہ تو کوئی ولید یہ اپنے اپنے نصیب کی بات تھی۔ پھر جس طرح عالمِ خلق میں آفتاب کے طلوع کے بعد تمام ستارے منظرِ فلک سے غائب ہو جاتے ہیں موجود ہوتے ہوئے بھی گویا کالعدم

ہوجاتے ہیں۔ روشنی رکھنے کے باوجود خود ہی نظر نہیں آتے۔ بھلا کسی اور کو روشن کیسے کریں گے اسی طرح عالمِ ایمانیات و روحانیات میں حُبِّ رسول ﷺ کے سورج کے آسمانِ ہدایت پر طلوع ہوتے ہی، تمام محبتوں کے نجوم ماند پڑ گئے، ساری چاہتوں کے ستارے کالعدم ہو کر رہ گئے۔

اصحابِ نبی کوئی عام انسان نہ تھے...... منتخب لوگ تھے:

جن جن پاکیزہ قلوب اور جن جن خوش بخت روحوں کو ایمان کی روشنی نصیب ہوئی حُبِّ رسالتمآب ﷺ کا نور نصیب ہوا اُن اُن قلوب سے غیر کی محبت رختِ سفر باندھنے لگی۔ ان ان روحوں سے ہر ہر رشتے اور ہر ہر تعلق کی محبت ماند پڑنے لگی۔ حُبِّ رسول ہی اب ان کی امام و مقتدا اور ساری محبتوں اور چاہتوں کا مرکز و محور بن گئی۔ حُبِّ رسول ﷺ میں اہل ایمان نہ صرف ہر غیر کی محبت سے دستکش ہو گئے بلکہ حُبِّ ایمان و عشق رحمان اور حُبِّ رسول ﷺ میں ہر طرح کی سختیاں اور مصائب اپنے جسم و جاں پر جھیلنے کو تیار ہو گئے۔ اوائلِ دور میں صحابہ نے جو حُبِّ رسول سے سرشار تھے اپنے جسم لہولہان کروالئے بدن نیزوں سے چھدوالئے لیکن حُبِّ رسول کی مستی سے دستکش ہونے کو تیار نہ ہوئے، ہجرت حبشہ کرنے والے کون تھے جنہوں نے محض نسبتِ ایمان و رحمان اور عشقِ محبوب رحمان کے نشے میں گھربار، روزگار ہر رشتہ دار اور اہل و عیال کو خیر باد کہہ دیا، اسی نشہ عشق میں مکہ سے ہجرت کر کے اہل ایمان یثرب جا بسے جو بعدِ ہجرت نبوی مدینۃ النبی قرار پایا۔ جنگ بدر اور جنگ احد اور دیگر معرکوں میں صحابہ اپنے آباء اپنی اولاد، اپنے کنبے اور اپنے ہی قبیلوں کے لوگوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔

یہ سب کیا تھا...... حُبِّ رسول ﷺ کا نشہ تھا:

یہ سب کیا تھا۔ حُبِّ خدا و حبیب خدا کا نشہ تھا جو انہیں ہر غیر کی محبت کے مقابل لے آیا تھا۔ باپ بیٹے کے مقابل ہو گیا۔ بیٹا باپ کے روبرو آ گیا، بھائی بھائی کے سامنے آ گیا، حُبِّ رسول ﷺ

کا سینے میں چراغ روشن ہوا تو تمام دیگر محبتوں کے چراغ بجھ گئے۔ حُبِّ رسول کا سورج دنیائے باطن میں طلوع ہوا تو دنیوی محبتوں کے سارے ستارے غائب ہوگئے۔ ماں باپ اولاد و ازواج اور دیگر رشتوں کی محبتوں کے نجوم کالعدم ہو کر رہ گئے اور اہل ایمان کے دل میں اپنے باپوں اپنی ماؤں، اپنی بیویوں اپنے بیٹے بیٹیوں اور دیگر رشتہ داروں کی محبت رہی بھی تو محبت رسول ﷺ کے تابع ہو کر حُبِّ نبی کی باندی اور کنیز بن کر۔ غزوۂ احد کا وہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ ایک صحابیہ کو خبر ملتی ہے کہ اسکا باپ شہید ہوگیا لیکن اسے فکر ہے تو اس بات کی کہ رسول خدا کیسے ہیں مجھے ان کی خبر دو۔ اسے اطلاع پہنچتی ہے کہ اسکا خاوند شہید ہوگیا لیکن اسے فکر ہے تو اس بات کی کہ محبوب خدا کہاں اور کیسے ہیں۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ اس کا بیٹا اور اس کا بھائی شہید ہوگئے لیکن اسے فکر یہ دامن گیر ہے کہ حبیب خدا کہاں اور کس حال میں ہے جب اُسے بتایا جاتا ہے کہ حبیبِ خدا تیرے اور پوری امت کے محبوب ﷺ زندہ اور بخیر و عافیت ہیں تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور خدا کا شکر کرتی ہے کہ اس کے نبی اور آقا و مولا زندہ ہیں، اپنے آقا و مولا اور محبوب و مربی کے ساتھ والہانہ عشق و محبت کی ایسی مثال دنیائے انسانیت کہیں پیش کر سکتی ہے نہیں نہیں ہرگز نہیں یہ کمال محبت کرنے والے کا نہیں تھا بلکہ اس فیضانِ ایمان کا تھا جس کا خمیر حُبِّ رسول سے اُٹھا تھا۔

آفتابِ مادی کا وجود و خلقت، نورِ محمدی و حُبِّ محمد کا وجود و خلقت:

پھر جس طرح آفتابِ مادی کے سلسلے میں پہلے اسکا اپنا وجود اور خلقت ہے جس سے اسے اپنے سے متعلق مقاصد کی تکمیل کا موقع ملتا ہے اگر وہ نہ پیدا کیا جاتا تو عالمِ مادی میں روشنی کا وجود نہ ہوتا اور کوئی بھی دنیا کو نہ پہچانتا گویا اس کے نہ آنے کی صورت میں صرف یہی نہیں کہ وہ خود نہ پہچانا جاتا بلکہ کوئی دوسری چیز بھی نہ پہچانی جاتی بالکل اسی طرح حُبِّ نبی کے جذبۂ عالمتاب کا وجود کب ہوتا اگر نورِ نبی پیدا ہی نہ کیا جاتا سو ربِ محمد ﷺ نے سب سے پہلے نورِ محمد کو پیدا کیا۔ نورِ

محمدی پیدا ہوا ساتھ ہی حُبِ محمدی کا نور چمکا' خالقِ نورِ محمدی نے نورِ محمدی کو اپنی محبتوں کا مرکز بنایا'
اپنی چاہتوں کا محور بنایا۔ بلاشرکت غیرے حُبِ محمدی کا حق ادا کیا اور نہ جانے کتنے عرصہ تک' اُسے
دیکھتا رہا اُسے چاہتا رہا' اُس سے پیار کرتا رہا' پھر نورِ محمدی سے عالمِ امر کو پیدا کیا' عالمِ خلق کو وجود
بخشا۔ عالمِ خلق و عالمِ امر کے ہر ہر وجود میں نورِ محمدی چمکتا رہا اور ربِ محمد اس کے جلووں کی دید
سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا رہا۔

نورِ محمدی کیلئے مختلف ادوار میں خراجہائے عقیدت اور سلامیاں:

زمانوں بعد نورِ محمدی ﷺ کی پیشانیٔ آدم میں جلوہ گری ہوئی تو اس نور نے عالمِ ملکیت سے
محبت کا خراج لیا۔ یہی نورِ محمد ﷺ نسل در نسل اولاد آدم میں پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں میں
منتقل ہوتا' سزاوارِ عزت وتکریم بنتا' مرکزِ محبت و چاہت بنتا والدین مصطفیٰ کی امانت میں آیا اور جب
محسنۂ عالمِ ایمان' اہلِ ایمان کی محبتوں اور عقیدتوں کی لاکھوں بار حقدار بی بی آمنہ کی گود میں آیا تو
کائنات ہست و بود کی محبت کا سزاوار ٹھہرا' کائنات باطنی میں گویا ہلچل مچ گئی' اس موقع پر مختلف عجائب
وغراب اور خوارق کا نمودار ہونا تعظیم ومحبتِ مصطفوی ہی میں تو تھا۔ جبریئلِ امین کا دو جھنڈے لیکر اُترنا
مختلف مقامات پر گاڑنا عالمِ کائنات کا منور ہونا اور کعبۃ اللہ کا سلام پیش کرنا یہ سب مظاہر استقبالِ
محمدی ﷺ ہی تو تھے اور پھر شرک وشرکیات کے مظاہر کا زمیں بوس ہونا شیطان کا اوندھے گر جانا اور
عالمِ ابلیسیت میں ایک دوسری طرح ہلچل مچ جانا کیا محض اتفاقات تھے' کوئی کور ذوق وکج فہم ہی ایسا
تصور کرسکتا ہے۔ آفتابِ ہدایت کے طلوعِ مادی یعنی ولادت شریفہ کے وقت پوری کائنات نے اپنی
خوشی ومسرت کا اظہار کیا وقت گزرتا گیا' یہ نورانی وجود حالت بشری میں پورے چالیس سال تک اہل
مکہ سے محبت وعقیدت کا خراج لیتا رہا' اس کے عظمت کردار کے سبب اپنے پرائے سب اس کے
گرویدہ رہے۔

بعثتِ محمدی ﷺ اور بعثتِ حبِ محمدی ﷺ ساتھ ساتھ:

اور پھر اسی آفتابِ نبوت نے جب اپنی بعثت کا اعلان کیا مطلع ہدایت پر اپنا نور بکھیرا، تو جہاں نبوتِ محمدی کی بعثت ہوئی ساتھ ہی حبِ مصطفوی کا سورج بھی طلوع ہوگیا گویا حبِ مصطفوی کی بعثت ہوئی نبی و حبِ نبوی بیک وقت مبعوث ہوئے۔ امت مسلمہ کے مومنینِ اولیں کے قافلہ سالار ابوبکر نے جس انداز سے دعوت حق قبول کی۔ وہ منظر ذرا سامنے لایئے ابوبکر نے آگے بڑھ کر محبوب خدا کو گلے لگایا۔ آپ کا ماتھا چوما اور پھر کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جونہی ایمان کا نور ابوبکر کے سینے میں اُترا۔ ایمان کا چشمہ پھوٹا اس نے اپنے اظہار و اعلان کیلئے محبت کی راہ اپنائی۔ بوسہ لیا بغلگیر ہوئے اور بعدازاں آپ کی نبوت کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا، دل میں حبِ رسول مچلی، باہیں آگے بڑھیں بغلگیر ہوئیں وفورِ محبت میں لبوں نے پہلے حبیبِ خدا کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر اقرارِ رسالت کا اعلان کیا۔ گویا ازل سے پیاسے صدیقی ہونٹوں نے وفور محبت میں پہلے اپنی پیاس بجھائی پھر نبوت و مقامِ محمدی کا اقرار کیا۔

حضور ﷺ کی بعثت مکہ میں حبِ حضور ﷺ کی بعثت قلبِ صدیقی میں:

بالفاظ دیگر نبی و حبِ نبی بیک وقت مبعوث ہوئے حضور ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی جبکہ حضور کی محبت کی بعثت مکۂ محبت یعنی قلب صدیقی میں ہوئی۔ جوں جوں حضور کی نبوت کا دائرہ پھیلتا گیا توں توں حبِ مصطفوی کا دائرہ بھی پھیلتا گیا۔ جوں جوں کوئی خوش نصیب دائرہ اسلام میں داخل ہوتا گیا توں توں اس کے قلب و باطن میں فیوضاتِ صدیقی کا چراغ یعنی حبِ رسول کا چراغ روشن ہوتا گیا۔ جوں جوں کسی کا باطن مزکی امت کی کاوشوں سے پاک وصاف ہوتا گیا توں توں اس کے قلب و باطن کو فیوضاتِ صدیقی کا نور محبتِ رسول کی صورت منور کرتا گیا۔

اُسوۂ محمدی اور اُسوۂ محبتی قدم بہ قدم:

حضور ﷺ کی نبوت سے عالمِ انسانیت کو رشد و ہدایت کی راہ دکھائی گئی تو ساتھ ہی ساتھ قلبِ صدیقی سے پھوٹنے والی حُبِّ مصطفوی کی شعاؤں کے ذریعے اہلِ ایماں کو محبت رسول میں فنائیت کی راہ کھائی گئی، حضور اہلِ ایمان کا تزکیہ کرتے ہوئے انہیں اسوۂ حسنہ دیتے گئے تو ابوبکر حُبِّ مصطفوی ﷺ کے اظہار کا نقشِ اولیں بنے اہل ایمان کو اسوۂ محبتی دیتے گئے۔ اُسوۂ محمدی ﷺ اہل ایمان کیلئے ہر ہر دنیوی و اخروی سعادت کا سامان بنتا گیا تو ابوبکر کا اسوۂ محبتی آنے والے ہر ہر دَور میں امتِ مسلمہ کیلئے محبتِ مصطفوی کا معیار بنتا گیا۔ قصہ مختصر نبی و حُبِّ نبوی امتِ مسلمہ کی تاریخ کے پہلے دن سے آج تک اور آج سے تا قیامت اس امت کی ہر ہر دینی و ایمانی اور ظاہری و باطنی ضرورت کی تکمیل کرتے رہیں گے۔

حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں تو صدیق اکبر خاتم العاشقین وصدیقین:

اگر اجازت ہو تو ایک جملہ کہتا چلوں جس طرح حضور اول الخق اور خاتم النبیین ہیں، اسی طرح امت میں ابوبکر اول المحبین و خاتم العاشقین ہے اور حُبِّ نبوی کا حیات آفریں سوتہ جس نے ہر دَور میں امت کو سیراب وشاداب رکھا ہے اس کا سرچشمہ ابوبکر ہے قلبِ ابوبکر ہے۔

یہ حُبِّ نبوی کے سارے مظاہر اور سارے نظارے جو امت مسلمہ میں ہر سو ہر زماں نظر آتے رہے اور نظر آتے رہیں گے یہ دراصل اِسی چشمۂ محبتِ نبوی کی خیرات ہے جو قلبِ ابوبکر میں دعوتِ حق قبول کرتے ہوئے پھوٹا تھا۔ القصہ جملہ تعلیماتِ اسلام حضور کا ورثہ ہیں تو حُبِّ محمدی ابوبکر کا ورثہ پورا دین حضور ﷺ کی عطا ہے تو دین کی جان حُبِّ محمدی ابوبکر کے در کی خیرات۔ دنیائے رشد و ہدایت میں ہر سو حضور کی نبوت کا نور ہے تو عالمِ باطن میں ہر سو حُبِّ محمدی میں سرشار ابوبکر کی صحابیت و فنائیت کا نور ہے یونہی تو خاتم النبیین ﷺ نے نہیں فرمایا تھا

کہ جو کچھ رب تعالیٰ نے مجھے عطا کیا میں نے وہ سارا کچھ ابوبکر کی حسبِ استطاعت اسے عطا کردیا' روایات میں آتا ہے کہ اپنے اس عاشق کو ظاہری و باطنی طور پر مربیٔ امت نے کچھ اس طرح رنگ دیا تھا کہ ہجرت کے موقع پر سرکار و یارِ سرکار میں پہچان مشکل ہوگئی تھی ظاہراً و باطناً دونوں وجود گویا ایک ہوگئے تھے' آقا و غلام میں تفریق کرنے کیلئے غلام نے اپنی چادر آقا پر ڈال دی تاکہ آقا و غلام الگ الگ پہچان میں آسکیں۔

ربِ تعالیٰ کی شانِ کریمی ملاحظہ کیجئے ایک طرف آفتاب نبوت طلوع ہوتا ہے تو دوسری طرف آفتابِ حبِ رسالت طلوع ہوتا ہے ایک طرف خاتم النبیین کی جلوہ گری ہوتی ہے تو اسی کے فیضان سے خاتم العاشقین کی جلوہ گری ہوتی ہے۔

سینۂ محمدی انوارِ نبوت قبول کرتا ہے سینۂ صدیقی انوارِ حبِ رسول قبول کرتا ہے:

الغرض سینۂ محمدی انوارِ نبوت وصول کرتا ہے تو سینۂ صدیقی انوار حبِ رسالت وصول کرتا ہے۔ ایک طرف سینۂ مصطفوی وحیِ الٰہی کا مہبط بنتا ہے تو ایک طرف سینۂ صدیقی مہبط حبِ رسول بن کر رب محمد سے حبِ مصطفوی کی خیرات لیتا ہے' ایک طرف نبوت اُتر رہی ہے تو دوسری طرف محبت۔ دونوں کا منبع و سرچشمہ ایک ہے یعنی ربِ محمد ہے ایک طرف وحی نازل ہورہی ہے تو ایک طرف حبِ رسول ﷺ جو دراصل رب العالمین ہی کی صفت ہے اور دونوں اسی کا خاصہ ہیں۔ عالمِ خلق کے منفرد وجود یعنی سینۂ صدیقی پر حبِ رسول کے انوار برس رہے ہے۔ ایک طرف وظیفۂ نبوت ادا کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف وظیفۂ محبت نبی ادا ہورہا ہے۔ دونوں سورج ساتھ ساتھ چل رہے۔ ایک رشد و ہدایت بانٹ رہا ہے اور دوسرا محبت۔ ایک طرف آفتابِ نبوت کوہ فاران کی چوٹیوں پر طلوع ہورہا ہے اور دوسری طرف آفتاب حبِ مصطفوی امتِ مسلمہ کے مطلع ایمان پر طلوع کررہا ہے۔ ایک طرف غارِ حرا میں ذمہ داریٔ نبوت خاتم النبیین کے کندھوں پر ڈالی جارہی ہے تو دوسری طرف غارِ ثور میں کشتۂ

حُبِ نبوی وظیفۂ محبت ادا کرتے ہوئے اپنے محبوب پر جان نچھاور کرنے پر کمر بستہ ہے‘ ایک طرف امتِ مصطفوی کی بنیاد رکھی جارہی تو دوسری طرف زمرۂ عاشقین کا باب کھولا جارہا ہے۔

میرا ذوق ایمان تو یہ کہتا ہے کہ اعلانِ نبوت سے لیکر سرکار دو عالم کے وصال مبارک تک کی آپ کی پوری عمر مبارک میں کشتۂ حُبِ مصطفوی ابوبکر حُبِ رسول کا معیارِ اتم بن کر قدم قدم پر حُبِ محمدی کے چراغ جلاتا رہا۔

الغرض امت میں ایک طرف سرکار کی رسالت کا فیضان جاری ہے تو دوسری طرف یار غار کے عشق و محبت کا فیضان جاری و ساری ہے۔ حضور تا قیامت اہل ایمان کے قلب و باطن کو نورِ نبوت و ہدایت سے منور کررہے ہیں تو دوسری طرف تا قیامت خاتم العاشقین کا فیضانِ محبت بصورت اُسوۂ صدیقی امتِ مسلمہ کے قلب و باطن کو حُبِ نبوی سے مالا مال کررہا ہے۔

ایمان و جانِ ایمان ہمقدم و ہمسفر ہیں:

ایمان و جان ایمان (یعنی محبت مصطفوی) دونوں ہمقدم ہوکر چل رہے ہیں۔ ایمان خاتم النبیین کی انگلی تھامے چلا جارہا ہے اور جانِ ایمان یعنی حُبِ نبی سالارِ عشقِ مصطفوی ابوبکر کی انگلی تھامے امت مسلمہ کو سوئے جنت لے جارہی ہے۔ ایمان سے عمل کی بہار وابستہ ہے تو جانِ ایمان (محبت نبوی) ہر عمل کا سنگھار ہے۔ ایمان و ایمانیات سے گلشنِ اسلام مہک رہا ہے جبکہ جان ایمان یعنی حُبِ نبوی سے ہر ہر گلِ اسلام تازہ و پر بہار ہے۔

ایمان سے شریعت فیض پارہی ہے جبکہ جانِ ایمان سے طریقت سرچشمۂ ایمان یعنی ذاتِ رسالتماب سے پورا کا پورا دین سیراب ہورہا ہے تو سرچشمۂ محبت یعنی صدیق اکبر کے اسوۂ عشق سے دین کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشے میں خواہ وہ ایمانیات ہوں یا عبادات‘ معاملات ہوں یا روحانیت ہر ہر شے میں عشقِ نبوی کی تمازت سے اجتہاد و فقاہت‘ حکمت و دانائی اور روحانیت و تصوف میں گرم

بازاری ہے۔

نبوت بھی خدا کی طرف سے آئی ہے حُبِّ محمدی ﷺ بھی اسی کی طرف سے :

بات بہت آگے نکل رہی ہے۔ جسے سمیٹنا شاید میرے بس میں نہ رہے لیکن ایک بات نتیجتاً ضرور کہہ دیتا ہوں کہ نبوت بھی خدا کی طرف سے آئی ہے اور حبِ محمدی بھی اسی کی طرف سے۔ رسول و محبت رسول دونوں عالمِ امر سے آئے ہیں۔ ایک کا مہبط سینۂ مصطفوی ہے تو دوسری کا مہبط سینۂ صدیق، دین مصطفےٰ ﷺ سے ملے گا۔ حُبِّ مصطفوی ابوبکر سے ملے گی۔ نہ اِس کے بغیر کوئی چارہ ہے اور اُس کے بغیر۔ اسی لئے تو قرآن نے بھی کہہ دیا:

والذی جاء بالصدقِ وصدق بہٖ اولٰئک ھم المتقون.

وہ جو صدق لے کر آیا اور وہ جس نے صدق کی تصدیق کی یہی تو متقین ہیں۔

رحمت الٰہی کا حسی وجود حضور ﷺ ہیں جبکہ حُبِّ رسول کا حسی وجود ابوبکر صدیق:

پوری کی پوری کائنات جس طرح رحمتِ مصطفوی سے لبریز ہے۔ بعینہٖ حُبِّ مصطفوی سے بھی لبریز ہے۔ رحمتِ ربُ العلمین کا حسی وجود ذاتِ مصطفوی ﷺ ہے جبکہ حُبِّ مصطفوی کا حسی وجود ابوبکر صدیق، خلیفۂ اول بلافصل، صدیق اکبر ذاتِ محمدی ﷺ رب العالمین کی شانِ ربوبیت کا شاہکار اور نکتۂ کمال ہے تو ابوبکر مصطفوی فیضانِ تربیت کا نکتۂ کمال اور جملہ عنایاتِ مصطفوی کا پیکرِ اتم ہے۔ ابوبکر ذات وصفات رسالتماب کا مظہر اتم اور کشتہ حُبِّ نبوی بن کر معیارِ عقیدت و محبت کا روشن مینار ہے۔

خاتم النبییّن کا ارشاد ہے

📖 **انا قاسمٌ و اللہ یُوتی.**

ترجمہ: میں تو ہر (دنیوی واخروی) نعمت کا تقسیم کرنے والا ہوں اور عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

میرا ذوق ایمان کہتا ہے کہ امت کیلئے تا قیامت حُبِّ نبوی کا منبع و سرچشمہ اور تقسیم کار ابوبکر

ہے۔ یہ جو ہر طرف امت میں حبِّ نبوی کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ امت کا ہر ہر فرد حبِّ نبوی میں سرشار ہے یہ سب کچھ درِ صدیقی کی خیرات ہے۔ پھر جو رب تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ اپنے محبوب کے سر پر خاتمیت کا تاج سجائے۔ اسے خاتم النبیین کا مرتبہ عطا کر کے درِ نبوت و رسالت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دے تو اس حوالے سے بھی ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے فیضان کو اس مقام تک پہنچا دیا جائے آپ کے پیش کئے ہوئے دین اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو وہ عروج و کاملیت عطا کر دی جائے کہ کوئی بھی بعد میں منصۂ شہود پر آنے والا نظریہ یا علمی و فکری ارتقاء اپنی تمام تر وسعتوں ہمہ گیریوں اور نوع بہ نوع افادیتوں کے باوجود فیضانِ نبوت محمدی کے آگے دم نہ مار سکے۔ فیضانِ رسالت مصطفوی ﷺ سے آنکھیں نہ ملا سکے کسی بھی دور میں جلوۂ دانشِ غیر اہل ایمان کی آنکھ کو خیرہ نہ کر سکے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

مشیت ایزدی کیا تھی اور اس کی تکمیل کیسے ہوئی:

اس لیے یہ بھی ضروری تھا کہ امت مسلمہ کی قلبی و باطنی سطح پر بھی نسبتِ مصطفوی کی پختگی کا ایسا اہتمام کر دیا جائے۔ امت کے ہر ہر فرد کے دل میں آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ ایسا تعلقِ حُبی قائم کر دیا جائے کہ پھر کوئی نظریہ، کوئی فلسفہ، کوئی علم، کوئی تحقیق، کوئی ترقی، کوئی تخلیق، کوئی ثمرِ دانش کوئی ایجاد یا کوئی سائنسی معجزہ حُبِّ رسول کی موجودگی میں اہل ایمان کے دل و دماغ میں جگہ نہ بنا سکے۔ یہ ختم نبوت کا ایک اوّلیں تقاضا تھا کہ ہر ہر دل کو حُبِّ نبوی سے اس طرح سرشار کر دیا جائے کہ اسے کوئی آپ کے علاوہ نظر ہی نہ آئے۔ سو جہاں رب تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین کے ذریعے اپنا آخری و حتمی اور کامل و اکمل دین نازل کیا آخری صحیفۂ ہدایت قرآن اتارا آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور

آپ کی تعلیمات کو کاملیت تامہ دیتے ہوئے تا قیامت حجت بنایا۔ ساتھ ہی ساتھ باطنی و معنوی دنیا میں حُبِ رسول کو نازل کیا۔ سینۂ صدیقی پر انوار محبت کو اتارا اور اُسے مہبط حُبِ محمدی ﷺ بنایا دونوں فیضان ہمسفر و ہمقدم ہو کر چلتے رہے، نبوت حضور کی انگلی تھامے چلتی رہی اور محبتِ نبوی ابوبکر کی انگلی پکڑے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور یہ دونوں الوہی نعمتیں قدم بہ قدم ہر دور میں امت مسلمہ کی علمی و فکری، عملی و دینی ظاہری و باطنی حاجات و ضروریات کی تکمیل کا سامان کرتی رہیں۔

اہلِ ایمان کے ایمان پر حُبِ رسول ﷺ کی پہریداری اور مقامِ صدیق:

فیضانِ ایمان پر فیضانِ محبت کا قدم قدم پہرا رہا تاکہ کوئی غیر اہل ایمان کے قلب و باطن میں داخل ہو کر غارتگری نہ کر سکے، گلشن ایمان کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ جس طرح صدیق اکبر قدم قدم سرکار کے خادم و پہریدار بن کر سائے کی مانند غار و بازار، سفر و حضر، جلوت و خلوت اور ہجرت و جہاد میں آپ کے ساتھ رہے اسی طرح حُبِ رسول کا چشمہ جو سینۂ صدیقی سے پھوٹا تھا، آپ ﷺ کے پیش کردہ دین آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کی جملہ تعلیمات حتیٰ کہ آپ کی شانِ خاتمیت کے ساتھ مرحلہ بہ مرحلہ خادم و پہریدار بنا رفیقِ سفر رہا۔ خاتم النبیین و خاتم العاشقین اور نبوت و محبت کی یہ رفاقت صرف دنیا میں ہی قائم نہ رہی بلکہ یارِ غار یارِ مزار بھی بنا، آفتاب رسالت کی خدمت میں آفتاب محبت آج بھی عالمِ برزخ میں پیش ہے۔ اور یوم حشر بھی جب سب سے پہلے آفتابِ نبوت جلوہ گر ہوگا اُسے خراجِ محبت پیش کرنے کیلئے آفتابِ محبت کا بھی طلوع ہوگا۔ کشتۂ عشقِ مصطفوی ابوبکر کو خدمتِ نبوی کا جو اعزاز اس دنیا میں حاصل رہا۔ دنیائے آخرت میں بھی حاصل رہے گا۔ جنت میں دیدار ربانی کی تاب بھلا کس کو ہوگی؟ میرا ذوق ایمان کہتا ہے کہ جلوۂ ربانی سینۂ مصطفوی سے منعکس ہوتا قلبِ صدیقی پر پڑے گا اور اُسی کی انعکاسی شعاؤں کے جلوؤں سے امتِ محمدی حسب ایمان و استطاعت دیدارِ ربانی سے محظوظ و مستفیض ہوگی۔ واللہ اعلم

سورج سے فیضیابی کے مدارج اور رسول وحُبِّ رسول ﷺ کی تنویر سے فیضیابی کے مدارج:

پھر جس طرح آفتاب مادی کی تنویر اور اس کے نور سے کائناتِ رنگ و بو میں تاثیر و اثر آفرینی اور اس کے فیضان و تربیت کی کوئی ایک صورت نہیں کوئی مخصوص ہیئت یا وضع نہیں کوئی ایک مزاج یا کیفیت نہیں۔ کبھی طلوع ہے کبھی غروب، کبھی عروج ہے کبھی زوال اور طلوع و غروب اور عروج و زوال اور قرب و بعد کی مناسبت سے حدت و تپش اور تمازت و روشنی بھی متنوع ہے بالکل اسی طرح عالمِ امر میں منبع حرارت و تمازت یعنی آفتابِ محبت کی تاثیر و اثر آفرینی اور اسکے فیضان و تربیت اور اندازِ بخشش و عنائت کی بھی کوئی مخصوص ہیئت یا صورت نہیں اس میں طلوع و غروب، عروج و زوال اور قرب و بعد کے حوالے سے تاثیر و اثر آفرینی متفاوت و متنوع ہے۔ جو کوئی اہلِ ایمان آفتابِ رسالت و آفتاب حبِ رسالت کے جتنا قریب ہے اتنا ہی منور اور مستفیض ہے۔

مثلاً سورج کے طلوع سے جو چیز سب سے زیادہ اسکے قریب ہوتی ہے اسکے انوار سے منور اور حدت و تمازت سے سب سے پہلے مستفیض ہوتی ہے وہ فضا ہے جو اپنی ذات میں شفاف و لطیف ہے اور سب سے بڑھ کر فیضِ آفتاب وصول کرتی ہے۔ وہ اس قدر منور ہوتی ہے کہ چمک اٹھنے کے باوجود کسی کو نظر نہیں آتی بلکہ آفتاب ہی کی شعائیں نظر آتی ہیں۔ سورج ہی سورج نظر آتا ہے اور کروڑوں میل کی فضا جو دراصل سورج اور زمین کے درمیان ہے دکھائی نہیں دیتی۔

صحابہ نے حبِ رسالت میں اپنا وجود گم کر دیا تھا:

بالکل اسی طرح آفتابِ نبوت و حُبِ نبوت سے استفادہ کی شان بھی یہی ہے۔ ان کے فیضان اور عالمگیر آثار سے متاثر تو کل کائنات انسانی ہوئی لیکن سب سے زیادہ اثر اس طبقہ انسانی نے لیا جو اس کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ یہ طبقہ صحابہ کرام کا طبقہ ہے جو فضا کی مانند ہے اور خلقی طور پر

اس قدر شفاف ہے کہ جو محض نورِ آفتاب دکھا دینے ہی کی نہیں بلکہ بقول قاری محمد طیب عینِ آفتاب کو من وعن دکھلانے کی کامل استطاعت رکھتا ہے۔ صحابہ عام لوگ نہ تھے بلکہ چنے ہوئے لوگ۔ منتخب روحیں تھیں۔

وہ انتخاب ربانی تھے ان کے قلوب فضا کی مانند شفاف تھے جس طرح آفتاب کی روشنی میں فضا کروڑوں میل کی وسعت لئے کالعدم نظر آتی ہے اور سورج ہی سورج دکھائی دیتا ہے اسی طرح فیض و انوار نبوت وحبِ رسالت کی ترسیل میں صحابہؓ بھی اپنی ذات سے کالعدم اور اپنی حیثیت سے گم ہو چکے تھے بقول قاری محمد طیب صحابہ اپنی خداداد فطری استعدادوں کی بنا پر اس قدر پاک قلوب عمیق العلم، قلیل التکلف اور بے غل وغش بنا دیئے گئے تھے کہ گویا ان میں خود ان کی اپنی کوئی ذاتی خصوصیت باقی نہیں رہ گئی تھی، وہ صرف سنن نبوی کے نمونے اور سیرتِ مصطفیٰ کے مجسمے بن گئے تھے۔

شانِ صحابیت اور صحابہؓ کا اُمت مسلمہ میں منفرد اعزاز:

پھر جیسے فضا تک کوئی گندگی نہیں پہنچتی اور پہنچانے کی کوشش بھی کی جائے تو لوٹ کر پہنچانے والے ہی پر گرتی ہے فضا اس سے گندی نہیں ہوتی ایسے ہی حضرات صحابہ کا طبقہ جو کہ روحانی فضا کی مانند ہے۔ امت کی تنقیدوں سے بالاتر ہے اگر ان کی شان میں کوئی بدقسمت سب وشتم گستاخی و بے ادبی یا کسی قسم کی جسارت کرتا بھی ہے تو مقامِ صحابیت اس سے بلند ہے۔ وہ گندگی خود اپنے عامل پر ہی آن گرتی ہے صحابہ زمینی کدورتوں سے بالاتر آفتاب نبوت ومحبت کے نور میں فانی تھے اور نبوت وحبِ نبوی کے نور کی نمائش گاہ بن کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ ان میں اپنی خصوصیت بجز قبول حق کے اور کوئی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ لوگ خاتم النبیین کے قریب تر بھی تھے اور اقرب تر بھی۔ اس طبقہ نے سیرتِ نبوت سے متصل رہ کر اسکی شعاعوں کا نور قبول کیا۔ یہ من الحیث الطبقہ روشن و منور تھے۔ یہ لوگ حبِ نبوی میں رنگے آفتاب رسالت سے براہِ راست منور ہوئے ذوقِ فقیری کے ساتھ

ساتھ رسمِ جہانگیری بھی نبھاتے رہے۔ ان کے قدم دنیا میں تھے نظر آخرت پر، ہاتھ کار میں تھا تو دل یار میں۔ ان حضرات نے صرف اپنے رب کی رضا کے لئے طبعی مرغوبات کو شرعی مطلوبات پر قربان کر دیا تھا اور اخلاص فی الدین میں اس مقام تک پہنچ گئے تھے کہ بتقاضائے بشریت اگر کوئی خطا ہو بھی جاتی تو فوراً توبہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو اس خطا کی آلائش سے پاک کر لیتے تھے بلکہ حبِ نبوی اور توبۃ النصوح کے ذریعے سے رب تعالیٰ سے اپنی خطائیں نیکیوں میں تبدیل کرا لیتے تھے یہ جو قرآن نے کہا: **مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا یُبَدِّلَ اللّٰهُ السَّیِّاٰتِ الحَسَنَات.** تو یہ اصلاً کن کے لئے تھا۔

یہ کریمانہ الوہی ضابطہ اصلاً کن کے لئے نازل ہوا تھا:

یہ کریمانہ ضابطہ کن کے حق میں نازل ہوا تھا اس ضابطۂ نادرہ کے اولیں مخاطب و مصداق کون تھے، صحابہ ہی تو تھے۔ جن کو نسبت نبوی و حُبِّ مصطفوی نے اخلاص فی الدین کے اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ رب کو یہ گوارا ہی نہ تھا کہ لمحہ بھر کے لئے بھی کسی خطا کی آلودگی ان کے دامن کردار پر رہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان پر یہ ضابطۂ کریمانہ جاری فرمایا اور پھر انہی پاک قلوب اور طاہر الباطن ہستیوں کے وسیلے سے تا قیامت امتِ مسلمہ کے لئے عظیم مظہرِ تبشیر نبوت بنا۔

صحابہؓ...... نبوتِ محمدی ﷺ کا ظلِ کامل تھے:

پس صحابہ اصلاً نبوت کا ظلِ کامل تھے۔ حُبِ نبوی کا کشتہ تھے اس لئے من حیث الطبقہ اگر کسی کو پسندیدہ و محبوب قرار دیا گیا ہے تو وہ یہی لوگ تھے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کا مصداق یہی طبقہ خوش نصیب تھا اور پھر یہی تو وہ لوگ تھے جن کے بارے میں کہا گیا **اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ** یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے۔ میرا ذوق ایمان یہ کہتا ہے کہ ترجمہ کچھ یوں کیا جائے۔ یہی تو وہ

لوگ ہیں جن کا رب نے تقویٰ کے نصاب میں امتحان لے لیا ہے۔ سندِ تقویٰ ان کے حق میں جاری ہو چکی ہے اور انہی لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہاں ایک اور بھی لطیف نکتہ بیان کرتا ہوں کہ صحابیت اُمّ مسلمہ کے لئے عظیم ترین اعزاز ہے اور یہ نسبت ان خوش نصیبوں کو حضور ﷺ کے قدموں کے طفیل ملی۔ مابعد کے جملہ طبقات امت کو جو شرف یا مقامِ فضیلت حاصل ہو سکتا ہے وہ ولایت ہے جو رب محمد ﷺ کی نسبت سے ملتی ہے یعنی اولیاء اللہ' اللہ کے دوست۔

حضور ﷺ کی صحابیت اور اللہ رب العزت کی ولایت؟:

شرف وفضیلت میں اوّلیں طبقہ ٔ امت یعنی صحابیت ارفع ہے طبقہ ٔ ولایت سے طبقہ ٔ صحابہ وہ طبقہ ہے جو حُبِّ اللہ' حُبِّ نبی اور حبِ ایمان سے مالا مال وسرشار تھا یہ جو صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے آخر اس کی وجہ کیا تھی حُبِّ اللہ' حُبِّ نبی اور حبِ ایمان ہی تو تھی۔ سرکار مکہ میں موجود تھے' احکام یہاں اُتر رہے تھے' ہدایات یہاں مل رہی تھیں' وحی یہاں اتر رہی تھی' صحابہ کس لئے ہجرتیں کر رہے تھے صرف اور صرف اللہ اور اسکے رسول کی محبت میں ایمان کی محبت میں۔ صحابہ نے ہجرت کی صورت میں کتنی بڑی قربانی دی۔ اس کا اندازہ آج ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ صرف ایمان کی محبت تھی' حُبِّ اللہ اور حُبِّ رسول کی تمازت تھی جس کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے محبوب سرور دو عالم ﷺ سے دوری اور آپ کے دیدار فرحت آثار وفیضِ تربیت سے دوری تک قبول کر لیا ان کی یہی ایک خواہش تھی یہی ایک ترجیح کہ ہمارا ایمان محفوظ ہو جائے اور رشتہ ٔ محبت نبھ جائے الغرض حضور ﷺ خود اور آپ ﷺ کی محبت کی تمازت صحابہ کی تربیت کرتی رہی۔ حبشہ میں خود حضور ﷺ تو ان کے ساتھ نہ تھے۔ حضور ﷺ کی محبت ان کی دستگیری کرتی رہی۔ ان کے ایمان کی حفاظت کرتی رہی۔ انہیں ربِ محمد ﷺ کا مقرب بناتی رہی۔

رسول وحُبّ رسول ﷺ صحابہ کے ہادی و تربیت کنندہ تھے:

جہاں حضور موجود نہ تھے۔ حُبِّ رسول صحابہ کی تربیت کرتی تھی۔ حضور کی غیر موجودگی میں

حُبِ محمدی ﷺ آپ ﷺ کی قائمقام بن کر صحابہ کے ایمان کی حفاظت کرتی رہی۔ حضرت عثمان نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ وہ خاتم النبیین ﷺ کے سفیر بن کر اہل مکہ کے ساتھ مذاکرات کرنے گئے ہوئے تھے آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنے سے انکار کردیا۔ یہ سب کیا تھا حُبِ الٰہی و دینداری پر حُبِ رسول ﷺ کا پہرہ تھا۔ حضور ﷺ کی محبت ان کے فکر و عمل کی امام بنی انہیں یہ راہ سُجھارہی تھی، حضور ﷺ سے وفاداری ان کی نصرت و دستگیری کررہی تھی۔ عثمان غنی کے جہانِ ایمان میں حُبِ محمدی کا سکہ چل رہا تھا۔ اسی طرح بئرِ معونہ و رجیع کے واقعات کسے یاد نہیں، حضور ﷺ کے دیوانے اور آپ کی محبت میں سرشار صحابہ کس طرح اپنی جانیں لٹارہے تھے۔ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ نے محبت نبوی میں سرشار ہو کر ابوسفیان کی رعونت کو کس طرح پامال کیا تھا۔ جب ابوسفیان نے ان سے سوال کیا کہ بتا اگر تمہیں پھانسی گھاٹ سے اُتار کر تیری جگہ تیرے نبی کو کھڑا کردیا جائے تو تیرا کیا خیال ہے پروانۂ عشق نبوی کا جواب تھا کہ بدبخت میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرسکتا کہ میرے آقا و مولا رسولِ خدا کو ادنیٰ سا کانٹا بھی چبھے اور میں ان کے بدلے رہائی پاؤں۔ ان کے قدموں پر میری سو جانیں قربان ہیں۔ تو اپنا کام کر اس طرح کی لغویات سے باز آ۔

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

آفتابِ مادی اور آفتابِ حُبِ رسالت سے قبولِ فیض کے درجات و مراتب:

پھر جس طرح فضا سے گزر کر سورج کی شعائیں جب زمین پر پڑتی ہیں تو مختلف مقامات پر پڑتی ہیں۔ پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں، شہروں، دریاؤں، سمندروں، حیوانات و جمادات اور نباتات و جسمیات پر غرضیکہ زمین کے کونے کونے پر پڑتی ہیں اور ہر جگہ اسکے فیضِ حدت و تمازت اور روشنی کا جداگانہ رنگ ہوتا ہے بالکل اسی طرح آفتابِ نبوت و شمسِ محبت کا فیض جب مختلف طبقات پر پڑتا ہے تو قرب و جوار کے حوالے سے مختلف طبقاتِ اُمت اس سے اثر قبول کرتے ہیں اسی سے درجہ بدرجہ علم

واجتہاد اور معرفت و روحانیت کے جہان روشن ہوتے ہیں علم و تحقیق اور تفقہ فی الدین کے چراغ جلتے ہیں۔ صالحیت و تقویٰ کے ایوان سجتے ہیں غرضیکہ جو جو طبقہ جتنا طبقۂ صحابہ کے قریب ہوتا ہے اتنی ہی منور و تاباں اور ضوگیر ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضور ﷺ خدا اور صحابہ کے درمیان واسطہ ...... صحابہ حضور ﷺ اور دیگر طبقات اُمت کے درمیان واسطہ:

یہ جو میں نے کہا کہ جو طبقۂ امت' طبقۂ صحابہ کے جتنا قریب ہے اتنا ہی روشن و ہدایت یافتہ ہے۔ یہ محض صحابہ سے حسن عقیدت کے طور پر نہیں کیا بلکہ حق یہی ہے۔ جس طرح خاتم النبییّن کے واسطے سے صحابہ کو وحی الٰہی کے انوار ملے' حضور ﷺ خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ٹھہرے۔ حضور کا واسطہ نہ ہوتا تو مخلوق فیضان الوہیت قبول نہ کر سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قصہ کسے یاد نہیں۔ حضور کے واسطے سے تجلیات الٰہی صحابہ کو ملیں اور طبقۂ صحابہ میں یہ استعداد و صلاحیت رکھی گئی کہ وہ آپ ﷺ اور آپ کی دیگر امت کے درمیان وسیلہ بن سکیں۔ یہ صحابہ ہی تھے جو انوارِ نبوت و فیضانِ رسالت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے حضور کا فیضان انہی صحابہ کے ذریعہ آگے امت کو منتقل ہوا۔ اُمت اور والیِ اُمت کے درمیان اصحابِ النبی نہ ہوتے تو امت سراپا نور رب کے محبوب و خلیفہ اعظم یعنی خاتم النبیین ﷺ سے فیض نبوت وصول نہ کر سکتی جس طرح حضور خالق و مخلوق میں وسیلہ بنے اسی طرح صحابہ حضور اور دیگر طبقاتِ امت کے درمیان واسطہ بنے۔ جس طرح بقول قرآن' اگر اُسے پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے' جلال خداوندی سے پاش پاش ہو جاتے لہٰذا نزول قرآن کیلئے جس طرح سینۂ مصطفوی کو استعداد و صلاحیت عطا کی گئی اسی طرح آپ کے فیضان سے قرآن کے نورِ جلال کو آئندہ طبقاتِ امت میں بانٹنے کیلئے طبقۂ صحابہ کو چنا گیا۔ جماعت صحابہ کو اس استعداد و صلاحیت سے نوازا گیا۔

اس لئے بعد میں آنے والا کوئی طبقہ امت اگر یہ کہے کہ ہم بھی صحابہ جیسے ہیں وہ بھی ہم جیسے لوگ تھے سراسر کج فہمی و نادانی ہے۔ جب آج کے امتی یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ بھی ہماری طرح عام انسان ہی تھے تو مجھے ان بدنصیبوں کے نصیب پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضور ہماری طرح بشر ہی تو تھے۔

پھر جس طرح سورج کی روشنی سے کوئی جتنا ہی راہِ فرار اپنائے وہ خود اس کا تعاقب کرتی ہے اور بالآخر اپنا آپ منوا کے چھوڑتی ہے بالکل اسی طرح آفتابِ نبوت کی روشنی سے بھی کوئی جتنا بھاگے وہ اسکا تعاقب کرتی ہے اور کسی نہ کسی طرح خود کو منوا ہی لیتی ہے۔ یہ جو غیر مسلم اساطین اور رہنمایانِ انسانیت خاتم النبیین کے گن گاتے نظر آتے ہیں اور یہ طبقہ حضور خاتم النبیین کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے ہوئے برملا آپ کے محاسن اور عالمِ انسانیت پر آپ کے احسانات کا اعتراف کرتا نظر آتا ہے۔ یہ اعترافِ حقیقت نہیں تو اور کیا ہے۔

آفتاب مادی و آفتاب نبوت کی روشنی صرف عالم مادی ہی میں انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ عالمِ برزخ میں بھی اسے مستفید کرتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور منکر و نکیر سوال و جواب کرنے کیلئے آتے ہیں تو اس وقت مردے کو سورج غروب ہوتا ہوا دکھایا جاتا ہے اور ساتھ ہی مطلع برزخ پر آفتاب رسالت بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔

مردے سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، پھر سوال ہوتا ہے تیرا دین کیا تھا، تیسرے سوال میں انداز بالکل بدل جاتا ہے مردے کو سرکار دو عالم ﷺ کا دیدار کرایا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے:

📖 **ما کنت تقول فی حق هذا الرجل.**

ترجمہ: بول اس عظیم ہستی کے بارے میں دنیا میں کیا کہا کرتا تھا۔

گویا مردے سے امتحانِ محبت لیا جاتا ہے۔ یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تیرا نبی یا رسول کون ہے تو

نے اس کی اطاعت کی یا نہ کی بلکہ آپ ﷺ کے دیدار سے مردے کو مشرف کر کے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس ہستی کے بارے میں تیرا عقیدہ کیا تھا کیا کیا کہا کرتا تھا۔ جس شخص کے دل میں حُبِّ رسالت موجزن ہوتی ہے۔ جو شخص آپ ﷺ کا سچا غلام اور متبع ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کو فوراً پہچان لیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ رب کے خلیفۂ اعظم، سیّد المرسلین رب کے محبوب اور میرے آقا ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہی کیوں نہ پوچھ لیا گیا کہ تیرا نبی یا رسول کون ہے بلکہ آپ ﷺ کا دیدار کرا کے ایک خاص سوال پوچھا گیا۔

ذوقِ ایمان کی گواہی:

میرا ذوقِ ایمان کہتا ہے کہ غمگسارِ اُمت ﷺ نے گویا اپنے رب سے یہ خواہش کی ہوگی کہ مولا میری بابت سوال اس طرح نہ کیا جائے جس طرح دیگر سوال ہیں بلکہ مجھے بذات خود قبر میں جلوہ گر ہو کر اپنے امتی کی دستگیری کی اجازت دی جائے۔ زندگی بھر جو میرا سچا عاشق مجھ سے محبت کرتا رہا، میرے دیدار کی تمنا کرتا رہا۔ میری محبت میں دیوانہ رہا۔ حشر سے پہلے ہی اُسے میرے دیدار کا موقع عطا کیا جائے میں اُسے اپنے ساتھ کی ہوئی محبت کا اجر عالمِ برزخ ہی میں عطا کرنا چاہتا ہوں۔ امتحانِ محبت میں پاس ہونے کی سند قیامت سے پہلے ہی اُسے دے دینا چاہتا ہوں تاکہ تاحشر ہر خوف و غم سے آزاد ہو کر سکون کی نیند سوئے اور میری دید سے سرشار ہو کر جنتی باغ میں آرام کرے۔ سبحان اللہ محبتِ نبی کو نبی کی طرف سے کیسا صلہ مل رہا ہے۔ کیسا انعام مل رہا ہے قبر ہی میں حق محبت ادا کرنے کا اجر دیا جا رہا ہے۔

آفتاب کی دیگر ستاروں پر فضیلت و انفرادیت اور آفتابِ حُبِّ رسول ﷺ کی فضیلتوں اور جلوہ آفرینیوں کا عالم:

پھر جس طرح سارے ستاروں میں سورج ہی سب سے زیادہ معروف و پرنور ستارہ

کائناتِ ارض وسماء کا ہر ہر وجود اور ہر ہر شے آپ ﷺ کے تصدق سے وجود میں آئی ہے اور ہر شے گویا آپ ﷺ ہی کے لئے ہے۔ ایک غیر مسلم کے قلب و دماغ میں علم الاعداد کی رو سے ایسا فارمولا متشکل ہو جانا کیا اس امر کی دلیل نہیں کہ اس کے دل میں حُبِ رسول ﷺ کا چراغ روشن تھا اور اسے بایں سلسلہ عالمِ امر سے کوئی رہنمائی ملی۔ بابا گورونانک کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ مخفیاً اللہ و رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے اس لئے ان کی وفات پر یہ مسئلہ اٹھا کہ ان کا جنازہ و تدفین کی جائے یا ان کا سکھ مذہب کی رو سے معاملہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

ابن آدم کے ہر ہر فرد کی روح اور گہرائی قلب میں نسبتِ مصطفوی کی چنگاری اصلاً موجود ہے۔ جو خلقاً اس کے اندر ودیعت شدہ ہے جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان **کل مولودٍ یولد علی الفطرہ** آشکار کر رہا ہے۔ ہر نومولود فطرتِ انسانی پر پیدا ہوتا ہے اور فطرتِ انسانی ماسوا اس کے کیا ہے کہ ہر ہر انسان کے باطن میں عہد الستی کا شعور اور اپنی اصل یعنی نور محمدی ﷺ کی چنگاری موجود ہے۔ ہر انسان سچائی کی تلاش میں ہے۔ اس کی فطرت اسے محوِ جستجو رکھے ہوئے ہیں۔

ہم اہلِ ایمان کی کمزوری اور کج فہمی و کور عملی:

یہ تو ہم اہل ایمان کی کمزوری اور بے حسی و غفلت ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات اس دَور کے تقاضوں کے مطابق پیش نہیں کر رہے، ہم فطرت انسانی کے دروازے پر صحیح طور پر دستک نہیں دے رہے۔ غیر مسلم دنیا تک اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا رہے۔ انہیں حکمت و محبت سے دعوت ایمان نہیں دے رہے بلکہ بعض مسلمان طبقات تو اپنی نادانی اور انتہا پسندی کے بنا پر الٹا اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں آج بھی اگر طریقِ صوفیاء اپنایا جائے، خود اپنے قلب و باطن کو حُبِ رسول ﷺ کے چراغ سے منور کر کے غیر مسلموں تک بطریقِ محبت و ہمدردی اسلام کا پیغام پہنچایا جائے تو آج بھی لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف آسکتے ہیں۔ آج عالمگیر سطح پر ایک بے چینی ہے

ایک حیات کُش اضطراب سے دنیا کا امن تہہ و بالا ہے۔ انسانیت بزبان حال پکار رہی ہے کہ آج پھر کوئی اللہ والا' اللہ و رسول کی محبت میں سرشار دکھی و جاں بلب اور امن کی متلاشی انسانیت کو پیغام محبت دے' کوئی غوث اعظم اور داتا گنج بخش ہجویری کے رنگ میں سراپا محبت و خیر خواہی بن کر ابنِ آدم کے دل و دماغ پر دستک دے تو ہر سو امن کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ انسانیت امن و آشتی کے سائے میں آ کر اپنی فطرت کی پکار پر لبیک کہہ سکتی ہے۔

آفتاب مادی کی شانِ جامعیت اور آفتابِ حُبِّ نبوی کی شانِ جامعیت وکاملیت:

پھر آفتاب میں جہاں جامعیت کی شان موجود ہے اسمیں جہاں حدت و تمازت موجود ہے وہیں خنکی و برودت بھی' اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ جب سورج طلوع ہو کر اپنی منزلیں طے کرتا ہوا چلتا ہے تو گرمی برساتا ہے جس سے اشیاء تپ جاتی ہیں جبکہ چاند ٹھنڈک برساتا ہے۔ چاند کا نور اور اسکی ٹھنڈک اس کا ذاتی وصف نہیں بلکہ فیض سورج ہی کا ہے وہ سورج کے دم قدم سے روشن ہے گویا سورج حاکم ہے تو چاند اسکا نائب اور وزیر۔

اگر سورج سے گرمی نہ برسے تو مخلوق میں حرارت عزیزی نہ رہے جس سے دنیائے آب و گل میں ساری بہار ہے اسی طرح چاندی کی ٹھنڈک نہ برسے تو پھلوں میں رس' نلیوں میں گودا اور چھلکوں میں مغز نہ پیدا ہو۔ گویا سورج کی حدت اور چاند کی برودت سے ہی گلشنِ زیست میں بہار اور دنیائے رنگ و بو کی ساری رعنائیاں ہیں۔ سورج کے فیض کے بیک وقت دو رنگ ہیں۔ سورج جہاں ایک طرف سمندروں کو تپاتا ہے وہیں اس تپش سے بخارات اُٹھاتا ہے جو بادلوں کی صورت میں برستے ہیں اور ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی سورج ہی کا فیض ہے کہ گرمیوں کے موسم میں جب زمین پر آگ برس رہی ہوتی ہے۔ زمین سے پانی ٹھنڈا برآمد ہوتا ہے اور سردیوں کے موسم میں جبکہ سطح زمین

پر ہر شے ٹھٹھر رہی ہوتی ہے نلکوں سے پانی گرم نکلتا ہے جس کا مطلب ہوا کہ سورج بیک مختلف شانیں رکھتا ہے اور اپنی بظاہر متضاد شانوں کے ساتھ مخلوق کیلئے سامانِ زیست فراہم کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح حبِّ رسول ﷺ کا عنصر بھی جامع شؤن ہے۔ یہ تقدس مآب ایمان پرور اور حیات آفریں جذبہ بھی اپنے اندر حدت وتپش اور برودت وٹھنڈک کی شانیں رکھتا ہے۔ اسکے فیضان تربیت سے بھی دو طرح کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں جب اپنی شان برودت کے ساتھ یہ جذبہ منصۂ شہود پر آتا ہے تو ابوبکر بنتا ہے اور جب شان تمازت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو عمر بن خطاب کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ کتب تاریخ میں ایک واقعہ بڑا معروف ہے ایک منافق جب حضور ﷺ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر کے دربارِ صدیقی میں حاضر ہوا اور ان سے فیصلہ چاہا تو اُنہوں نے فرمایا کہ میرا فیصلہ وہی ہے جو آپ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ جب وہی شخص بارگاہِ فاروقی میں پہنچا تو آپ یہ کہتے ہوئے اندر گئے کہ ٹھہرو میں ابھی آ کر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں اندر گئے' تلوار لائے اور اسکا سر قلم کر دیا۔ آپ کا یہ عمل تمازتِ محبتِ رسول ﷺ کا مظہر تھا۔ اس طرح غزوہ بدر کے موقع پر جنگی قیدیوں کا معاملہ نبٹانے کے سلسلہ میں ہر دو عالی قدر حضرات نے جو رائے دی وہ بھی مظہرِ برودت ومظہرِ تمازت تھی دونوں حضرات کی تربیت خاتم النبیین نے کی تھی۔ حُبّ واطاعتِ الٰہی اور اطاعت واتباعِ مصطفوی کا نصاب دونوں نے ایک ہی پڑھا تھا۔ قرآن کے ساتھ تعلق دونوں کا یکساں تھا پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کے نقطہ نظر اور ذوقِ ایمان میں اتنا بڑا بلکہ متضاد ذوق بھر دیا تھا دونوں حضور ﷺ کے محبّ وعاشق تھے۔

ظرفِ صدیقی وظرفِ فاروقی میں حُبِّ رسول ﷺ کا جداگانہ رنگ:

محبت ایک ہی تھی' رسولِ خدا سے الفت دونوں کی تھی لیکن ظرفِ صدیقی میں اسکا رنگ اور تھا

اور ظرفِ فاروقی میں اس کا رنگ اس کے برعکس تھا۔ ایک طرف جمال ہی جمال تھا دوسری طرف جلال کا غلبہ۔ غرضیکہ اسی طرح کے سینکڑوں واقعات تاریخ کی رو سے پیش کئے جاسکتے ہیں کہ جلال و جمالِ محبت اور تمازت و برودتِ محبت قدم بہ قدم چلتی دکھائی دیتی ہیں، جمال ہو یا جلال، خنکی ہو یا حدت، ٹھنڈک ہو یا تپش ہر سو جلوہ گری محبت ہی کی ہے۔ راج حبِ رسول ﷺ ہی کا ہے۔ کار فرمائی اسی اعزاز بخش اور حیات پرور جذبے کی ہے۔

دونوں آفتابوں کی شانِ جامعیت کا ایک اور منظر:

پھر اسی شانِ جامعیت ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح آفتاب مادی کے دو رُخ ہیں ایک طرف تو وہ ہر آن مخلوق کو حدت و تمازت اور روشنی دینے پر مامور ہے اگر کرۂ ارض پر سورج کا فیضان بند ہو جائے تو نباتات و جمادات اور جملہ مخلوقات سب تہس نہس ہو جائیں۔ کرۂ ارض کے چپے چپے کو گرمانا، روشن کرنا، مریضوں کی طبیعتوں میں توانائی و حرارت اور زندگی کی امنگ بھرنا، تندرستوں میں حرارت غزیری ابھارنا، دنیوی کام کاج کی سرگرمیاں اور تکمیل معاش یہ سارے مظاہر سورج کی تمازت ہی سے ہیں اگر سورج کی تپش نہ ہو تو چقماق سے شرارہ بلند ہو نہ لوہے سے چنگاریاں، نہ پتھر سے آگ نکلے نہ پانی سے بجلی نہ سمندروں سے بخارات اٹھیں نہ بادل بارشیں برسائیں، نہ رطوباتِ فاسدہ خشک ہوں نہ مرطوب مزاجوں میں اعتدال غرضیکہ سورج کا ایک ایک لمحہ کائناتِ رنگ و بو کے لئے حیات آفریں اور فیض رساں و منفعت بخش ہے جسے ہم خدمتِ خلق کا عنوان دے سکتے ہیں۔

لیکن خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اگر اسکے دوسرے حال پر نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کی ارشاد کی رو سے اس کا کوئی لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں۔ گویا جہاں ایک طرف یہ حقوق اللہ ادا کر رہا ہے دوسری طرف حقوق العباد بھی کہ ساری مخلوق اللہ کی عبد ہے، جس طرح خالق کا حق ادا کر رہا ہے اسی طرح مخلوق کا حق بھی۔ بذریعہ عبادتِ الٰہی بارگاہِ الوہیت سے فیض لیکر اس کی مخلوق میں تقسیم کر رہا ہے

دنیائے رنگ و بو کو مزین کر رہا ہے بالکل یہی حیثیت حُبِّ رسول کی ہے۔ حُبِّ رسول ﷺ کا جذبہ بھی جامع احوال ہے۔ ایک طرف یہ خالق سے متعلق ہے تو دوسری طرف مخلوق سے، یہی حیات آفریں و ایمان پرور عنصر مخلوق کو خالق سے ملائے ہوئے ہے۔ حُبِّ رسول ﷺ میں خالق و مخلوق دونوں شریک ہیں، یہ دونوں کا مشترکہ وظیفۂ عمل اور میدانِ عمل ہے۔ ایک طرف سے محبت رسول اُتر رہی ہے دوسری طرف سے محبت رسول اوپر اٹھ رہی ہے ذاتِ مصطفوی پر دونوں کا ملاپ ہو رہا ہے، انسانی فعل، فعلِ الوہی کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنا مان بڑھا رہا ہے۔ مقامِ رسالت بہت بلند ہے یہ محبت کا فیضان ہی ہے کہ جو امت کو بلند پروازی عطا کر کے بارگہ نبوی تک رسائی دلاتا ہے۔

لامکانی محبت، مکانی محبت کا بھرم بڑھا رہی ہے:

فرشی محبت عرشی محبت سے بغلگیر ہو رہی ہے:

بالفاظِ دیگر لامکاں سے اتری ہوئی محبت مکانی محبت کی عزت بڑھا رہی ہے۔ عرشی محبت، فرشی محبت کا اعزاز بڑھا رہی ہے۔ یہ فرشی محبت عرشی محبت سے بوسیلۂ محمدی واصل ہوتی ہے تو کوئی ابوبکر بنتا ہے اور کوئی عمر بن خطاب کوئی عثمان بنتا ہے تو کوئی حیدر کرار کوئی سلمان فارسی بنتا ہے تو کوئی ابوذرِ غفاری۔ کوئی زین العابدین کا پیکر اختیار کرتا ہے تو کوئی جعفر صادق کا کوئی غوث الاعظم کا عنوان پاتا ہے تو کوئی داتا گنج بخش علی ہجویری کا کوئی امام اعظم کہلاتا ہے تو کوئی امام شافعی، کوئی امام مالک بنتا ہے تو کوئی احمد بن حنبل، کوئی جامی بنتا ہے تو کوئی رومی، کوئی سعدی کہلاتا ہے تو کوئی اقبال۔ الغرض فیضان سارا محبت رسول ہی کا ہے جو افراد امت کو اعزاز دے رہی ہے اُن کا مان بڑھا رہی ہے اور بندوں کو مالک سے واصل کر رہی ہے۔

دونوں آفتابوں کا بیک وقت مختلف اُفقوں پر طلوع اور فیض رسانی:

پھر جس طرح سورج زمین کے گرد گھومتے ہوئے اس کے مختلف خطوں پر بیک طلوع بھی

ہوتا ہے اور غروب بھی، کسی کیلئے غروب ہے تو کسی کے لئے طلوع۔ کسی علاقے میں طلوع ہو رہا ہے تو کسی میں غروب غرضیکہ ہر لمحہ ہر گھڑی اپنا فیضانِ جاری رکھے ہوئے ہے اور کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ جب اسکا فیضانِ تمازت مخلوق کیلئے جاری نہ ہو بعینہ حبِ رسول ﷺ کرۂ امت پر ہر لمحہ اپنا فیضانِ عشق اتار رہی ہے کوئی زمانہ کوئی دور کوئی خطہ کوئی طبقۂ امت ایسا نہیں جو اس سے مستفیض نہ ہو دورِ صحابیت ہو یا دورِ تابعیت، دورِ تبع تابعیت ہو یا بعد کا کوئی زمانہ فیضانِ محبت نبوی سے ہر آن ہر لمحہ اور ہر لحظہ دامنِ امت لبریز رہا ہے اور تا قیامت آفتابِ محبت اہلِ ایمان کو منور کرتا ہوا ان کی ساری دنیوی و اخروی، ظاہر و باطنی، علمی و فکری اور دینی و روحانی ضرورتوں کی تکمیل کرتا رہے گا۔

پوری تاریخ اسلام کا مطالعہ کر لیجئے ہر طبقہ امت میں وہی لوگ معزز و معتبر اور محبوب و محترم ٹھہرے جو حبِ نبوی ﷺ سے سرشار آپ کے عشق میں گرفتار اور آپ کے سچے متبع و وفادار تھے۔ یہ جنید بغدادی کون تھے، سری سقطی کون تھے۔ بشر حافی کون تھے۔ یہ حسن بصری اور رابعہ بصری کون تھے۔ یہ بہلول دانا اور ابراہیم بن ادھم کون تھے یہ خواجہ غریب نواز اور رحمٰن بابا کون تھے۔ یہ غزالی اور ابنِ عربی کون تھے۔ یہ رازی اور احمد سرہندی کون تھے۔ حبِ رسول میں سرشار و مستغرق اللہ کے برگزیدہ اور محبوب بندے تھے۔

آفتابِ مادی کی ناگزیریت و حاکمیت اور آفتاب حبِ رسول ﷺ کی ناگزیریت اور افادیت و حاکمیت:

پھر جیسے آسمانی ستارے جڑی بوٹیوں میں رس ضرور بھرتے ہیں۔ نلیوں میں گودا ضرور پیدا کر دیتے ہیں لیکن انہیں پکا نہیں سکتے پختگی صرف تمازت آفتاب ہی سے پیدا ہوتی ہے جس سے جڑی بوٹیوں کا رس کمال کو پہنچتا ہے اور ہڈی کی نلیوں میں گودا پختہ ہو کر بدن کی جان بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح حبِ رسول دین و ایمان کے ہر ہر شعبے میں متصرف و حکمران ہے۔ حبِ الٰہی ہو یا اطاعتِ

الٰہی، خشیت الٰہی کا جذبہ ہو یا اخلاص فی الدین، اطاعت رسول ہو یا اتباع رسول غرضیکہ دین پورا کا پورا حُبِّ رسول سے مزین اور موثر و تاثیر آفریں ہے۔ دین و دینیات، عقائد و ایمانیات، عبادات و معاملات اخلاقیات وروحانیت اجتہادیات ہو یا فقہیات غرضیکہ دین کے جملہ شعبوں میں نسبت ومحبت رسول کا راج ہے۔ اطاعتوں کے رس اس وقت تک شیریں نہیں ہوتے جب تک کہ حُبِّ رسول کی تمازت انہیں نہ پکائے۔ اتباعوں کے گودے اس وقت تک پختہ نہیں ہوتے جب تک کہ تمازت حُبِّ رسول سے فیض یاب نہ ہوں۔ دینداری کے جملہ مظاہر اس وقت تک زندہ وحیات بخش مظاہر نہیں بنتے جب تک کہ ان کی بنیادوں میں حُبِّ رسول کا عنصر موجود نہ ہو۔ دعوت الی اللہ و جہاد فی سبیل اللہ اس وقت تک نتیجہ خیز اور پُر اثر نہیں ہوتے جب تک کہ وہ مشرف بہ حُبِّ رسول نہ ہوں۔ روحانی بلندی کے وظائف اس وقت تک موثر نہیں ہوتے اور اپنا مقصود نہیں پا سکتے جب تک کہ حُبِّ رسول سے سرشار و مالا مال نہ ہوں، اجتہادات وتحقیقات اس وقت تک صراط مستقیم پر نہیں رہ سکتے جب تک کہ حُبِّ رسول ان کی انگلی پکڑے ہوئے نہ ہو۔

؎ تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

اسی طرح اقبال ہی نے کیا خوب کہا ہے:

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

غرضیکہ حُبِّ رسول ﷺ کی حکمرانی وکارفرمائی نہ صرف عالمِ امر کے گوشے گوشے میں ہے بلکہ عالمِ خلق کا ایک ایک ذرہ بھی اسی سے مستنیر ومنور اور ضیاء گیر ہے۔

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
بزمِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

حضور ختمی مرتبت دینِ کل ہیں، حضور دین ہیں اور عین دین ہیں، آپ ایمان ہیں جانِ ایمان ہیں، دین سارا کا سارا آپ کے گرد گھومتا ہے۔ آپ مجسم قرآن، مجسم رشد و ہدایت ہیں۔ نبوت

بھی ہیں اور نور نبوت بھی، ایمان بھی ہیں اور شانِ ایمان بھی، اسلام بھی ہیں اور روحِ اسلام بھی۔ عالمِ امر بھی آپ ہی سے ہے اور عالمِ خلق بھی آپ کے دم قدم سے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

حضور خاتم النبیینؐ جامع شئون ہیں:

حضور اول بھی ہیں اور آخر بھی، ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی، واصل بھی ہیں اور شامل بھی، غیب بھی ہیں اور حاضر بھی، علم بھی ہیں اور عالم بھی، نور بھی ہیں اور نورانیت بھی، بشر بھی ہیں اور کمالِ بشریت بھی، ذات وصفات الٰہیہ کے مَظہر بھی اور مُظہر بھی، کائنات بھی ہیں اور جانِ کائنات بھی، ناظر بھی ہیں اور منظور بھی، مُنور بھی ہیں اور مُنوِر بھی، فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی، عابد بھی ہیں اور جانِ عبادت بھی، زاہد بھی ہیں اور حُسن زہد بھی، متقی بھی ہیں اور معیار تقویٰ بھی، رحیم بھی ہیں اور سراپا رحمت بھی، کریم بھی ہیں اور سراپا کرم بھی، سخی بھی ہیں اور شانِ سخاوت بھی، وجیہہ بھی ہیں اور آنِ وجاہت بھی، صاحب عز و وقار بھی ہیں اور قاسمِ عز و وقار بھی، نعمت بھی ہیں اور معراجِ انعام بھی، قاسم بھی ہیں اور اتمامِ تقسیم بھی، فرشی بھی ہیں اور متمکنِ عرش بھی، رب کے محبّ بھی ہیں اور اسکے محبوب بھی، صاحب نظر بھی ہیں اور منظور بھی، عالمِ خلق و امر میں ظاہر بھی ہیں اور مستور بھی جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ میں نے حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے جہان میں قدم رکھنا چاہا تو دیکھا کہ میرے اور آپ کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ میں نے پہلے پردے کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تو ہاتف غیب سے آواز آئی کہ اگر تو نے اپنے اور حقیقتِ محمد کے درمیان موجود ستر پردوں میں سے پہلے پردے کی جانب بھی قدم بڑھانے کی کوشش کی تو جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ اسی لئے تو خاتم النبیینؐ نے ایک مرتبہ اپنے یارِ غار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آج کی عقلِ

بے عقل کو اس حقیقت کا ادنیٰ سا شعور بھی حاصل ہو جائے تو وہ ان وساوس سے آزاد ہو سکتی ہے جو معرفتِ مصطفوی میں اس کے لئے حجاب بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں ایسے محروم المعرفت لوگوں کے حق میں دعا ہی کرنی چاہئے کہ وہ بھی حقیقتِ مصطفوی کے سمندر میں سے ایک قطرۂ معرفت ہی کے حامل ہو سکیں۔

آفتاب مادی کی ہمہ گیریت و فیضانِ عمومی اور آفتاب حُبِّ رسول ﷺ کی ہمہ گیریت وحکمرانی کا دائرہ:

پھر جس طرح سورج کا فیضان کسی خاص فرد نوع یا جنس کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ فیضان عمومی رکھتا ہے اور اسکی حدت وتنویر ہمہ گیر ہے۔ حیوانات' نباتات اور جمادات سبھی اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اسکی تمازت وحدت اور روشنی سبھی کے لئے یکساں ہے البتہ قبولیت کے درجات مختلف ہیں۔ ہر شے کو فیضان اسکے اپنے حال کے مطابق نصیب ہوتا ہے۔ بعینہٖ آفتاب محبت کی تمازت اور روشنی کائنات کے ہر ہر فرد اور ہر ہر نوع وجنس کو فیضیاب کرتی ہے۔ اس سے عالمِ ناسوتی و عالمِ ملکوتی سبھی عالم مستفید ہوتے ہیں۔ ملائکہ کو تو دیکھو وہ بھی اس نور محبت سے منور ہو رہے ہیں۔ عرش سے فرش تک تمام ملائکہ محبتِ مصطفوی کے اسیر ہیں۔ یہ جو آسمانوں سے روزانہ ۷۰ ہزار ملائکہ دَرِ حبیب پر حاضری دیتے ہیں' بارگاہِ مصطفوی میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے مزار انور سے انوار وتجلیات کی خیرات لے کر واپس دوڑتے ہیں یہ عالمِ ملکوت میں حُبِّ رسول کا فیضان ہی تو ہے اور پھر عالمِ ناسوت میں ہر ہر مخلوق اور ہر ہر وجود حبِّ رسول کا فیضان حاصل کر رہا ہے انسان چرند پرند' جمادات ونباتات ہر بڑی چھوٹی مخلوق آپ کی محبت میں سرشار وگرفتار ہے۔ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ جمادات نے آپ ﷺ کا ذکر کیا' آپ ﷺ کو سلام پیش کیا۔ کوہِ اُحد تو ایک مرتبہ آپ ﷺ کے قدم چومتے ہی وجد میں آ گیا' درختوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش

کیا۔ کنکریاں تک نغمہ توحید گنگنانے لگیں استنِ حنانہ تو آپ ﷺ کی جدائی میں معصوم بچے کی طرح بلک بلک کر رویا۔ کعبۃ اللہ نے بوقت ولادت جھوم کر اور سلامی دے کر آپ ﷺ کا استقبال کیا' جانوروں نے کئی مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے مسائل بیان کئے۔ ایک موقع پر جب کہ جانِ عالم ﷺ قربانی دے رہے تھے۔ اونٹوں نے آپ کی محبت میں سرشار ہوکر دیوانہ وار آپ کی خدمت میں گردنیں پیش کیں' چاند نے اشارۂ مصطفوی پاکر اپنا کلیجہ شق کردیا۔ سورج آپ ﷺ کی محبت میں واپس لوٹا۔ دَورِ صحابہ میں دریا کے پانی نے آپ ﷺ کی محبت وتکریم اور آپ کی چاہت میں سرشاری کی حالت میں آپ ﷺ کے صحابہ کے لئے راستہ دیا دریا کے پانی نے ایک صحابی کا پیالہ واپس کیا۔ ایک مرتبہ جنگلی جانوروں نے آپ ﷺ کی محبت میں سرشاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگل سے نکل کر آپ ﷺ کے صحابہ کو قیام کے لئے سہولت دی غرضیکہ اس طرح کے سینکڑوں واقعات کتب احادیث و تاریخ میں ملتے ہیں کہ جمادات و نباتات اور حیوانات نے آپ ﷺ کے ساتھ اپنی اپنی عقیدت ومحبت کا برملا اظہار کیا۔

اِک میں ہی نہیں شیدا عالم ہی دیوانہ ہے
وہ شمعِ رسالت ہیں ہر اِک پروانہ ہے

الغرض زمین وزماں' مکین ومکاں' ارض وسماوات سمیت ہر وہ شے جسے رب تعالیٰ نے وجود بخشا ہے خواہ اسکا تعلق عالمِ خلق کے ساتھ ہے یا عالمِ امر کے ساتھ' عالمِ زیریں کے ساتھ ہے یا عالمِ بالا کے ساتھ' ہر ہر وجود آپ ﷺ کی محبت کا اسیر اور نشۂ حُبِّ مصطفوی میں سرشار ہے اور ہو بھی کیوں نہ کہ جب اسکا خالق ومالک اور رازق و پروردگار حُبِّ محمدی کا سب سے بڑا علمبردار اور داعیٔ اعظم ہے تو پھر وہ کیوں نہ اپنے رب کی راہ پر چلتے ہوئے حُبِّ نبی میں ہمہ وقت سرشار وگرفتار ہو۔ واللہ اعلم

دونوں آفتابوں میں ایک اور ایمان پرور مماثلت:

پھر جیسے سورج کی گردش سے دن اور رات بنتے ہیں ایسے ہی اس کی حرکت سے موسموں اور

ان سے متعلق خصوصی فصلوں کا ظہور ہوتا ہے۔ کبھی سردی کا موسم آتا ہے تو کبھی گرمی کا۔ کبھی بہار کا تو کبھی خزاں کا پھر ان موسموں اور ان سے منسوب فصلوں کے اثرات بھی انسانی مزاجوں پر پڑتے ہیں۔ جیسے بہار میں مزاجوں میں اٹھان اور قواء میں توانائی وامنگ پیدا ہوتی ہے جبکہ موسم خزاں میں انسانی طبیعتوں میں سستی اور کاہلی کا عنصر دَر آتا ہے۔ جمادات ومعدنیات تک میں خشکی اور پیوشگی کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر انہی موسمی حالات کے تحت مختلف پھل، پھول، ترکاریاں، غلے، میوے اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی تاثیرات انسانی مزاجوں کی نقشہ کشی کرتی ہیں۔

پھر انہی موسمیاتی تقاضوں سے جب بارشیں برستی ہیں تو زمین کی طرح آبی ذخائر میں بھی زندگی کی نمو ہوتی ہے اسی سے معدنیات میں ہیرے، نیلم زمرد، عقیق پکھراج اور طرح طرح کے پتھر پیدا ہوتے ہیں گرچہ ان قیمتی پتھروں کی افزائش میں فطرت کو لاکھوں برس تک ان کی حفاظت کرنا پڑتی ہے تب کہیں جا کر کاربن ہیرے میں تبدیلی ہوتی ہے اور رنگ رنگ قیمتی پتھر وجود پاتے ہیں۔ ابرِ کرم برستا ہے تو سمندری سیب میں موتی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سے لعل و جواہر کی نمو ہوتی ہے۔ گویا سورج کی تمازتی تاثیرات نہ صرف زمین کی سطح اور اندرونی حصوں پر نمایاں ہوتی ہیں بلکہ سمندری تہوں میں گھس کر دلہنِ زیست کیلئے آرائش وزینت کا سامان کرتی رہتی ہیں۔

نسبتِ رسالت سے صحابیت و تابعیت' روحانیت وفقہیت اور حکمت و معرفت کی شاندار فصلیں بنیں:

بالکل اسی طرح آفتاب محبتِ رسول کی حرکت اور گردش متدیر سے روحانی موسموں اور ان کے ثمرات یعنی نورانی فصلوں کا ظہور ہوا۔ اِن موسموں میں روحانیت وللّٰہیت اور اخلاق وفنائیت کی فصلیں تیار ہوئیں۔ جیسے خیر القرون قرنی کے موسم میں نورِ نبوت وحبِ نبوی سے براہ راست مستنیر صحابیت کی فصل بہار تیار ہوئی جس نے للّٰہیت وملکیت کا ایسا پھل دیا جس کی لذت وشیرنی اپنی مثال

آپ بنی۔ ثم الذین یلونھم کے موسم بہار میں تابعیت کی فصل تیار ہوئی جس نے روحانیت و خالصیت کا ثمر شریں دیا جس کے مابعد ثم الذین یلونھم کے موسمِ بہار آفریں میں تبع تابعین کی فصلِ جہاں آرا تیار ہوئی جس سے روحانیت وفنائیت کے ساتھ ساتھ علم وعلمیت حکمت ومعرفت اور اجتہاد و فقہیت کا امت پرور ثمرِ شاندار سامنے آیا۔ مختلف الاذواق اجتہادی کاوشوں کے پھول لگے۔ فصلِ روحانیت پر ہمہ ذوق و ہمہ لذت روحانیت کے پھل لگے۔ حُبِّ رسول کا آفتاب مطلعِ امت پر چمکتا رہا۔ وقت آگے بڑھتا رہا گلستانِ امت بڑھتا چلا گیا بتدریج آفتابِ محبت سے فیضِ تمازت ونور پاتا گیا اور اپنا دامن علم ومعرفت، حکم وحکمت، تصوف وطریقت، روحانیت وفنائیت، صدق وللّٰہیت اور زہد و تقویٰ کے پھلوں پھولوں سے بھرتا گیا یہ سلسلہ کئی صدیاں جاری رہا گلشن امت پھولا پھلا جس میں عندلیبانِ تحقیق چہکتے رہے۔ مرغانِ فقہیت بانگیں بلند کرتے رہے۔ روحانیت وتصوف کے ہمہ رنگ ایمان پرور پھول لہراتے اور گلستانِ اُمت کو مہکاتے رہے۔ کئی صدیوں تک گلستانِ اُمت مہکتا رہا۔ اپنوں کی نادانیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کے سبب آج گلستانِ اُمت کم وبیش اجڑ چکا ہے شجرِ علم وتحقیق پر خزاں آچکی ہے، روحانیت وتصوف دم توڑ چکے ہیں۔ حُسن گلستانِ اجتہاد ماند پڑ چکا ہے۔ ہر طرف علمی خشکی اور روحانی پیوستگی کا عالم ہے۔ شیطان کی سازش کم وبیش کامیاب ہوچکی ہے۔ جسد امت کے بڑے حصے سے روح محمد نکالی جا چکی ہے۔ حُبِّ رسول کا تصور دھندلا چکا ہے۔ عقلِ بے عقل مرکزِ محبت سے اپنا رشتہ توڑ چکی ہے۔ سرچشمہ ایمان سے تعلق کمزور ہو چکا ہے۔ محض قانونی و رسمی ایمانیت کا دور دورہ ہے۔ حُبی ایمانیت کا برملا انکار کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس خزاں کو آخر کہاں تک رہنا ہے۔ حسرت ویاس اور بے مقصدیت کی رات کو آخر کب تک بسیرا کرنا ہے۔ مطلع امت پر آفتاب محبت کا طلوع بہرحال ہونا ہے۔ یہ امت آخر کب تک اپنے مرکز ومحور سے دور رہ سکتی ہے۔ سرچشمۂ ایمان سے امت مرحومہ آخر کب تک لاتعلق رکھی جا سکتی ہے۔ حُبِّ رسول ﷺ کے تصور کو آخر کب تک بائی پاس کیا جاتا رہے گا۔ یہ تبدیلی اب آ کے رہنی ہے۔ اس امت کو سرچشمہ ایمان و

عقیدت کی طرف بہر حال پلٹنا ہے۔

رات بھر کا ہے مہماں اندھیرا
کس کے روکے رُکا ہے سویرا

اُفقِ امت پر حُبِّ رسول کا سورج بہر حال طلوع ہونا ہے۔ اس آفتاب عالم تاب نے بہر حال اپنا نور بکھیرنا ہے۔ امت کا تعلق جان ایمان کے ساتھ استوار ہو کے رہنا ہے۔

اندھیروں کو خبر کردو لپیٹیں اپنی تاریکی

معدنِ اخلاق میں تمازت حُبِّ رسول سے لعل و جواہر، زمرد و نیلم اور پکھراج وعقیق کی پیدائش:

حُبِّ رسول کی تمازت سے بحرِ امت میں تبدیلیاں آنیوالی ہیں، معدنیات اخلاق میں حُبِّ رسول کے فیضِ تمازت سے حُسنِ اخلاق کے ہیرے، حسنِ عمل کے جواہر زینتِ کردار کے نیلم، احوال حسنہ کے زمرد اور حُبِّ رسولی کے عقیق و پکھراج پیدا ہونے والے ہیں۔ طلبِ صادق رکھنے والے سینوں میں حُبِّ رسول کی برسات للّٰہیت کے سچے موتی پیدا کرنے والی ہے۔ عشقِ الٰہی کے لعل و جواہر کی نمو اب وقت کی پکار ہے۔

ے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

گلستانِ امت بزبان حال کسی باغباں کو پکار رہا ہے۔ امت پر بالیقیں ایسا وقت آن پہنچا ہے کہ اسے ایک مسیحا کی تلاش ہے۔ ایک چارہ گر کی آرزو ہے۔ مجدّدِ وقت کا انتظار ہے ایک ایسا مسیحا اور ایسا مجدد جو اس کو لاحق تمام مرضوں کا سدباب کر سکے بطور مثلِ بادِ باراں زمینِ امت پر برسے، مردہ

زمین پھر سے زندہ ہو۔ ایمانی تجلیات سے قلوب زندہ و منور ہوں۔ علم و استدلال اور حجت و برہان سے حقانیت اسلام واضح ہو صوفیانہ ذوق و متکلمانہ اسلوب ہمقدم ہو کر چلیں۔ عشقِ الٰہی و حُبِّ نبی کی بہار آئے اور امت مرحومہ کی بگڑی بن جانے کا سامان ہو۔

جیسے سورج ایک انقلابی سیارہ ہے جذبۂ حُبِّ رسول بھی ایک انقلاب آفریں جذبہ اور انقلاب انگیز محرک عمل ہے:

پھر جیسے سورج ایک انقلابی سیارہ ہے جو اشیاء کی ماہیتوں کو تبدیل کر دیتا ہے اور دنیائے رنگ و بو پر اس کے اثرات انقلابی رنگ میں پڑتے ہیں۔ مثلاً ستارے اگر جڑی بوٹیوں میں رس اور نلی میں گودا پیدا کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ ایک مثبت اثر ہے لیکن کوئی چیز بدلتی نہیں۔ آگے کام سورج کا ہے جو انہیں پگھلا کر یا خشک کر کے معدوم بھی کر دیتا ہے اور کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور سامنے لاتا ہے۔ ستارے ہیئت کو تبدیل کر دیتے ہیں جیسے چاند کہ سمندر میں مدو جذر لاتا ہے لیکن ماہیت تبدیل کرنا اس کے بس کا کام نہیں سورج صرف ہیئت ہی نہیں ماہیئت تک بدل ڈالنے کی شان رکھتا ہے۔ یہ سمندر کے کڑوے کسیلے پانی کو اٹھا کر مون سون بنا دیتا ہے۔ جو میٹھے پانی کی صورت بادِ باراں بن کر برستا ہے۔ سمندر سفلی چیز ہے مگر سورج اس میں سے پانی اُٹھا کر اس کے طفلِ خورد کو علوی بنا دیتا ہے۔ اسے آسمانوں کی طرف بلند کر دیتا ہے۔ یہی دن کو رات بناتا ہے تو رات کو دن میں بدل دیتا ہے۔ ہواؤں پر اثر انداز ہوتا ہے تو بادِ نسیم کو بادِ صرصر بنا دیتا ہے۔ خشک کو تر، تر کو خشک، خام کو پختہ، پختہ کو خام، بہاؤ کو ٹھہراؤ اور ٹھہراؤ کو بہاؤ، سکون کو حرکت، حرکت کو سکون، مردنی کو زندگی، زندگی کو مردنی، بہار کو خزاں، خزاں کو بہار، سرما کو گرما اور گرما کو سرما بنا ڈالنے کی صلاحیت اسی کا اعزاز و اعجاز ہے۔ کوئی دوسرا سیارہ اس انقلابی اثر آفرینی میں اسکا مقابل تو کیا عشرِ عشیر بھی نہیں بالکل اسی طرح حُبِّ رسول ایک انقلابی جذبہ ہے جو افراد

امت کے فکر و نظر میں انقلاب بپا کر کے ان کے سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کو یکسر نئی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ فرشیوں کو اٹھا کر عرشی ذوق عطا کر دیتا ہے یہ افراد کو کرگسی سے نکال شاہین صفت بنا دیتا ہے۔ یہ بشری پیکروں کو رفعت عطا کر کے نوری وجود بنا دیتا ہے۔

حُبِّ رسول سے صحابہ کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں:

اور انقلاب آفریں مظاہر:

صحابہؓ کی زندگی میں ایمان نے جو انقلاب پیدا کیا تھا وہ حُبِّ رسول ﷺ ہی کا مرہونِ منت تھا۔ ان عشق و وفا کے پتلوں نے عشقِ مصطفوی میں سرشار ہو کر استقامت و عزیمت اور ایثار قربانی کی جو لازوال داستانیں رقم کیں کوئی دوسرا طبقۂ انسانی اس کی مثال پیش نہیں کر سکا۔ صحابہ کرامؓ سرتاپا حُبِّ نبوی کے پیکر تھے۔ عشقِ مصطفوی کا انقلاب آفریں چراغ ان کے قلب و باطن میں یوں روشن ہو چکا تھا کہ وہ نسبتِ رسالت ہی سے ہر چیز کو دیکھتے تھے۔ نسبتِ رسولی ان کی پہچان بن گئی تھی جس نے جہالت و غفلت کی اتھاہ گہرائیوں سے اُٹھا کر انہیں ہمدوشِ ثریا کر دیا تھا۔

جذبۂ ایمانی سے سرشار حُبِّ مصطفوی کے پیکر بنے وہ وقت کی ہر ظالم اور مستبد قوت سے ٹکرا گئے تھے۔ صحابہ سفلی وجود تھے جنہیں نسبتِ مصطفوی نے علوی بنا دیا تھا۔ وہ رات کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے حُبِّ نبوی نے انہیں اجالوں سے ہمکنار کر دیا تھا۔ وہ بے وقعت تھے اب صاحبان قدر بن گئے تھے۔ ان کے فکر و عمل کی بادِ صرصر حُبِّ رسالت کی خوشبو سے بادِ نسیم میں بدل چکی تھی۔ وہ خام تھے جنہیں نسبتِ مصطفوی نے پختہ کر دیا تھا۔ ان کے کردار و عمل میں پستی تھا مے حُبِّ نبوی نے بلندی عطا کر دی تھی۔ وہی لوگ جو ادنیٰ ادنیٰ بات پر خون کی ندیاں بہا دیتے تھے حُبِّ مصطفوی سے سرشار ہو کر ایک دوسرے کے لئے سراپا رحمت بن گئے تھے۔ ان کے طبیعتوں کی مردنی اب زندگی میں بدل

چکی تھی، ان کے کردار کی یبوست و پیوستگی اب فرحتِ ایمانی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے حُبِّ نبوی کے فیضان سے ماں بیٹیوں کی عزت پر جان نچھاور کرنے والے بن گئے تھے۔ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکنے والے عرب اب آسمانِ رشد و ہدایت کے درخشاں ستارے بن گئے تھے۔ وہ لوگ جن کے باطن کل تک جہالت کی آماجگاہ تھے اب خیرالامم کا لقب پا چکے تھے ان کے فکر و نظر اور سیرت و کردار میں یہ انقلابی تبدیلی صرف اور صرف حُبِّ نبوی کا فیضان تھا۔ حُبِّ نبوی ہی ان کی سیرت سازی کر رہی تھی۔ حُبِّ محمدی ﷺ ہی ان کی رہنما اور چارہ گر کی حیثیت سے انہیں عروج کی جانب منزلیں طے کرا رہی تھی۔

اطاعت و اتباع کا تو ابھی نصاب ہی مرتب نہیں ہوا تھا:

صحابہ کی مکی زندگی پر نظر ڈالئے۔ صرف اور صرف نسبتِ ایمان کو مضبوط و محکم کیا جا رہا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا نور ان کے قلب و باطن میں بھرا جا رہا تھا۔ حُبِّ نبوی ان کی سیرت سازی کر رہی تھی ان کی شخصیتوں کی نقشہ کشی کر کے مسِ خام کو کندن بنا رہی تھی اس وقت اتباع رسول کا تو ابھی نصاب ہی مرتب نہ ہوا تھا۔ اطاعت کا تصور تو ابھی ایک ضرورتِ شرعی کے طور پر تفصیلاً سامنے ہی نہیں آیا تھا۔ یہ سارا حُبِّ نبوی کا فیضان اور جذبۂ محبت کی کارفرمائی تھی جو انہیں ایمانی راستوں پر گامزن کئے ایثار و قربانی کے پیکر بنا رہی تھی وہ جو دو عالم سے بیگانہ ہوئے تھے تو آخر کسی لذتِ آشنائی کے ہاتھوں ہی ہوئے تھے اور یہ لذت آشنائی کیا تھی۔ لذت کیا تھی۔ آشنائی کس سے تھی۔ لذت، لذتِ محبت تھی اور آشنائی، آشنائی مصطفیٰ تھی جس نے انہیں ہر ایک سے بیگانہ کر دیا تھا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

سورج اوّل الانوار و خاتم الانوار ہے تو حُبِّ رسول اس سے کہیں زیادہ شانوں کا حامل جذبہ ہے:

پھر جیسے عالمِ رنگ و بو میں سورج خاتم الانوار ہے۔ اسی سے دنیائے رنگ و بو پیدا ہوئی اور اس کی کارفرمائی سے اپنے تکمیلی مراحل طے کر رہی ہے۔ سورج اس حوالے سے اول بھی ہے اور آخر بھی کہ اسی سے کائنات ہست و بود میں سارے رعنائیاں ہیں۔ قدم قدم نور و تمازت اور حدت و تپش ہے۔ یہی اول الانوار بھی ہے اور آخر الانوار بھی۔ یہی فاتح الانوار بھی ہے اور خاتم الانوار بھی۔ بالکل اسی طرح حُبِّ رسول اوّل الحقائق بھی ہے اور آخر الحقائق بھی۔ فاتح اللطائف بھی ہے اور خاتم اللطائف بھی۔ اوّل الانوار بھی ہے اور آخر الانوار بھی۔ خاتم الاسرار بھی ہے اور فاتح الاسرار بھی' اوّل الایمان بھی ہے اور آخر الایمان بھی' فاتح البیان بھی ہے اور خاتم البیان بھی' اول الایقان بھی ہے اور آخر الایقان بھی۔ اوّل البرہان بھی ہے اور آخر البرہان بھی۔ الغرض حُبِّ مصطفوی اصل ایمان ہے۔ جان اسلام اور مرکز و محور یقین و ایقان ہے۔ اسی سے گلشن ایمان میں بہار اور گلستانِ اسلام کی ساری بہار آفرینی ہے۔ اسی سے ہر طبقۂ امت مستفید و مستفیض ہے۔ اسی سے ہر طبقے کی آبرو اور عز و وقار وابستہ ہے صحابہ امت مسلمہ کا خوش نصیب ترین طبقہ تھے کہ ان کی تربیت محمد و ربِ محمد دونوں بیک وقت کر رہے تھے۔ لمحہ بہ لمحہ قرآن ان کی رہنمائی کے لئے اتر رہا تھا وہ خوش بخت افراد بیک وقت تین مراکزِ نور سے رشد و ہدایت کا فیضان لے رہے تھے۔ سوال اٹھتا ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ خاتم النبیّین اور قرآن خاتم الکتب ہے۔ امت کی رہنمائی کیلئے آسمانوں سے کوئی نیا ہدایت نامہ نازل نہیں

ہونا۔ ربِ محمد خاتم النبیین کے بعد کسی سے ہمکلام ہونے کا روادار نہیں خواہ امت پر جس طرح کے حالات بھی وارد ہو جائیں۔ وہ جس طرح کے بحران کا بھی شکار ہو جائے کوئی نیا نبی مبعوث نہیں کیا جانا تو طبقاتِ امتِ مع بعد کی تربیت و نصرت کا اہتمام رب تعالیٰ نے کیا کیا ہے۔

حُبِّ رسول کو رسول ﷺ کا نائب و قائم مقام بنا کر مابعد تمام طبقاتِ اُمت کی جملہ ضرورتوں کا کفیل بنایا گیا:

ایک انوکھا اور فکر انگیز استدلال:

میرا ذوقِ ایمان کہتا ہے کہ آپ ﷺ کے دورِ مبارک کے بعد قیامت تک کے تمام زمانوں کے لئے مشیت ربانی نے حُبِّ رسول ﷺ کو مذکورہ تینوں منابعِ ہدایت و تربیت کا قائم مقام بنایا ہے۔ جس امت کی تربیت خود رب تعالیٰ کر رہا تھا رب کے رسول کر رہے تھے، قرآن کر رہا تھا اس امت کے مابعد کے تمام طبقات کیلئے حُبِّ رسول ﷺ جیسے ایمان آفریں و امت پرور جذبۂ غیر مترقبہ کو قائم مقام بنایا گیا۔ عہد مصطفوی میں جب تربیت امت کیلئے صرف آپکی کی کفالت کافی نہ سمجھی گئی۔ صرف قرآنی کفالت کافی نہ سمجھی گئی اور براہِ راست بندوں کی تربیت کرنا رب محمد کا دستور نہ ٹھہرا تو پھر آپ ﷺ کے بعد اس امت کی کفالت و تربیت کا کام بھلا کسی ایک شخصیت یا کسی خاص طبقے پر رکھا جاسکتا تھا؟ ہرگز نہیں، تو پھر آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد تا حشر اس امت کی رہنمائی اور نصرت و تربیت کا کام کسی معنوی حقیقت یا کسی باطنی قوت ہی کے سپرد کیا جانا قرینِ قیاس بنتا ہے۔ اگر تربیتِ امت کا مدار کسی شخصیت پر رکھا جاتا تو وہ شخصیت کتنا عرصہ زندہ رہتی۔ اگر مدارِ تربیت و نصرت کسی طبقہ پر رکھا جاتا تو وہ طبقہ کب تک باقی رہتا۔

اگر بالفرض افراد یا طبقات پر یہ ذمہ داری ڈالی جاتی تو مکانی اعتباری سے وہ طبقہ یا وہ شخصیات کہاں کہاں تک پہنچتیں۔ سو مشیت ربانی یہ ہوئی کہ یہ کام ایک ایسی معنوی حقیقت اور باطنی قوت کے سپرد کیا جائے جس کا ماخذ و منبع اور سرچشمہ خود اس کی اپنی ذات ہو اور وہ باطنی قوت و حقیقت براہِ راست ذات الوہیت مآب سے فیض یاب ہو کر طبقات امت کی تربیت اور نصرت و دستگیری کرتی رہے۔ ایک حقیقتِ مسلمہ بن کر ہر طبقہ امت کے ایمان کی جان کی حیثیت سے اُسے سامان تربیت و راہِ رشد و ہدایت عطا کرتی رہے۔ ہر دور میں امت کی جملہ فکری و نظریاتی اور باطنی و روحانی ضروریات کی کفالت کرتی رہے۔ جانِ ایمان بن کر اُسے ذوقِ بندگی، حلاوت اطاعت اور شیرینیٔ اتباع کی سوغات دیتی رہے۔ یہی قوت اجتہاد و فقہیت کی جان بن کر دنیائے علم و تحقیق میں افراد امت کی رہنمائی اور کفالت کرتی رہے۔ یہی معنوی حقیقت دعوت و تبلیغ کی روح بن کر قلوبِ انسانی کی کائنات کو مسخر کرتی چلی جائے۔ یہی قوت حقیقتِ ایمان بن کر امت کے سیرت و کردار اور احوال و اخلاق کے گلشن کو مہکاتی چلی جائے۔ الغرض ہر جذبہ، ہر ذوق، ہر تحقیق، ہر حوالہ، ہر ایمانی کیفیت اور ہر دینی ضرورت اسی باطنی حقیقت یعنی حُبِ مصطفوی کو اپنا رہنما، اپنا قائد، اپنا آقا، اپنا ملجا، اپنا ماویٰ اور ناصر و نگہبان مان کے اس کے سائے میں چلا آئے۔

امت کا ہر ہر فرد اسی معنوی قوت یعنی حُبِ رسول ﷺ کو اپنے دین و ایمان کا مرکز و محور، حامی و ناصر اور حافظ و نگہباں بناتے ہوئے ''عقل قربان کن بہ پیش مصطفےٰ'' کی عملی تصویر بن جائے تو اس امت کی بگڑی بن سکتی ہے۔ اسے اقوام و ملل میں عز و وقار مل سکتا ہے اور اگر عقلِ بے عقل اسی راہ پر چلتی رہی۔ حُبِ رسول سے آنکھیں چراتی رہی اسی کو اپنی تمام تر توجہات کا قبلہ بنانے سے گریز کا راستہ اپناتی رہی تو یہ جذبہ کمال درجہ کا خود دار اور غیور و مستغنی ہے۔ اس جذبہ

نادرہ کو ہماری ضرورت نہیں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ خود ربِ محمد ﷺ اور رب محمد ﷺ کی پیدا کی ہوئی پوری کائنات اس سے سرشار و لبریز ہے۔ حُبِّ مصطفوی ﷺ کا ڈنکا عالمِ امر میں ہر سو بج رہا ہے۔ عالمِ خلق میں بھی اسی کے غلغلے ہیں۔ عالمِ جمادات و نباتات اور عوالمِ وحوش و طیور میں بھی ہر طرف اسی کی گونج ہے۔ عالمِ زیریں و بالا اسی سے مملو ہے۔ اس سے بے اعتنائی بدنصیبی و کور فہمی ہے۔

محبت و اطاعت نبوی کو باہم یکدگر ایک ہی چیز یا ایک دوسرے کا عین قرار دینے کی روش بہت بڑی فکری غلطی اور اعتقادی لغزش ہے یہ ایک ایسا وطیرہ اور ایک ایسا زاویۂ نظر ہے جس کی دنیائے ایمان میں کوئی وقعت نہیں۔ ایک ایسا سکہ ہے جو بازار ایمان میں نہیں چلتا رب العزت امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو اس حرماں نصیبی سے بچائے۔

اقبال نے محض حسن عقیدت میں نہیں کہا تھا:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں عشقِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

بلکہ اس مردِ حق آگاہ کا اس ترجمانِ حقیقت اور دانائے راز کا یہی ایمان اور یہی عقیدہ تھا۔ اس عارفِ قرآن و واقفِ اسرار کی پوری زندگی کی تحقیق کا نچوڑ اور لب لباب یہی نکتہ تھا' معرفت مصطفوی کا یہی راز تھا جس نے اسے حکیم الامت بنایا۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

عقلِ بے عقل کو دانشِ فرنگ کے جلوے سے نکلنا اور خاکِ مدینہ و نجف کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنانا ہوگا' وگرنہ یہ ذلت و رسوائی اور بے وقتی و بے حیثیتی اس کا مقدر بنی رہے گی۔ عقلِ بے عقل کو عشق

کی رہنمائی قبول کرنا ہوگی۔ اطاعتوں اور اتباعوں کو محبت کی دہلیز پر جھکنا ہوگا۔ اسے اپنا امام اور مقتدا
ماننا ہوگا۔ اپنے قالب میں اس نور کو اُتارنا ہوگا پھر جا کر بازارِ عشق میں ان کا کوئی مول پڑے گا اور
انہیں ربِ محمد ﷺ کی بارگاہ سے پذیرائی و قبولیت کی سند ملے گی۔

..............☜..............

چھٹا باب

اطاعت واتباع اور تعظیم ومحبت رسول ﷺ

آمنے سامنے

گذشتہ صفحات میں اس حقیقت پر بالتفصیل روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ صحابہؓ کی ایمانی وعملی زندگی نسبتِ مصطفوی کے گرد گھومتی تھی۔ وہ حبِ رسول ﷺ کے بھی مظہر اتم تھے اور اطاعت واتباع رسول ﷺ کے بھی زندہ پیکر۔ صحابہؓ کی زندگیوں میں اطاعت واتباع اور محبت وتعظیم رسول ﷺ کے مظاہر ساتھ ساتھ چلتے اور وہ دونوں تقاضوں کی بیک وقت پاسداری اور کماحقہ ادائیگی سے ہمہ نوع ایمانی وروحانی لذتوں سے فیضاب ہوتے تھے لیکن یہ حقیقت واضح رہے کہ ہردو ایمانی تقاضوں کو لازم وملزوم سمجھتے ہوئے بھی وہ ہر ایک کی جداگانہ مستقل اور الگ الگ دینی حیثیت کو بہ دل وجان سے تسلیم کرتے تھے۔ ہردو تقاضوں کو گڈمڈ نہ کرتے، نہ کسی ایک کو دوسرے کا بدل یا اسکی عملی صورت قرار دیتے بلکہ دونوں تقاضوں کو انکے اصل مقام پر رکھتے ہوئے ان کی ادائیگی کا اہتمام کرتے۔ عام حالات میں ہردو تقاضوں کی پاسداری میں کسی قسم کے ٹکراؤ یا کسی ایک کے انتخاب کی نوبت نہ آتی تھی اور دونوں تقاضے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ البتہ اس حوالے سے حق تعالیٰ کی طرف سے بسا اوقات اہلِ ایمان کو آزمائش میں بھی ڈالا جاتا تھا تاکہ عقل کوتاہ بیں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ایمانی وعملی زندگی میں ہردو تقاضوں کا مقام کیا ہے اور ہردو تقاضوں کے مابین بظاہر ٹکراؤ آجانے کی صورت میں کونسا تقاضا لائقِ ترجیح ہے اور کس تقاضے کو مصلحتاً مؤخر کیا جاسکتا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ جب کبھی اہلِ ایمان کو اس طرح کی

آزمائش میں ڈالا گیا اور استثنائی حالات میں مشیتِ خداوندی کے تحت اطاعت و اتباع اور محبت و تعظیم رسول ﷺ میں سے کسی ایک کے انتخاب یا ترجیح کا مرحلہ آیا تو صحابہ کرام نے کس چیز کو مقدم رکھا۔ آیا محبت و تعظیم رسول ﷺ کے تقاضے کو اطاعت و اتباع کے تقاضے پر ترجیح دی یا اطاعت و اتباع رسول ﷺ کو محبت و تعظیمِ رسالت ﷺ پر مقدم رکھا۔

ترجیح تعظیم و محبت اور اسوۂ صدیقی:

حضرت سعد بن اسود الساعدی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرور انبیاء ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کیلئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ مصلے امامت پر فائز ہوئے اور نماز پڑھانے لگے۔ دورانِ نماز آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ جب صحابہ کرامؓ کو علم ہوا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو اُنہوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو آگاہ کرنے کیلئے بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہتھیلیوں سے ضربیں لگائیں۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے یہ آواز سنی تو سمجھ گئے کہ محبوبِ کبریا ﷺ تشریف لے آئے ہیں چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مصلّے امامت آپ ﷺ کیلئے خالی کردیں۔ جب آپ ﷺ نے صحابہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے اس درجۂ محبت و وارفتگی کا عالم دیکھا تو فرمایا کہ صدیق اپنے مصلّے پر کھڑے رہو اور نماز مکمل کرلو۔ لیکن ابوبکرؓ پیچھے ہٹ آئے اور مصلیٰ خالی کردیا۔ آپ ﷺ نے مصلیٰ سنبھالا اور نماز مکمل کرائی۔ جب نماز سے فارغ ہوچکے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا۔ ابوبکرؓ جب میں نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا کہ مصلّئ امامت پر کھڑے رہو تو پھر تمہیں کس چیز نے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے جو جواب دیا وہ لوحِ دل پر سنہری لفظوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا:

📖 **ماکان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول اللّٰہ ﷺ** (رواہ البخاری)

ترجمہ ابو قحافہ کے بیٹے کی بھلا کیا مجال ہے کہ کہ وہ مصلئ امامت پر کھڑا رہے درآنحالیکہ اللہ کا رسول ﷺ اس کے پیچھے ہو۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ آپ ﷺ کا حکم تو مصلیٰ امامت پر کھڑا رہنے کا تھا۔ اطاعت و اتباع کا تقاضا تو یہی تھا کہ صدیقِ اکبرؓ بدستور امامت کرتے رہتے۔ لیکن قاضئ محبت کا فتویٰ کچھ اور تھا۔ تعظیمِ رسول کا تقاضہ کسی اور طرزِ عمل کا متقاضی تھا۔ سو امتحان و آزمائش کی اس گھڑی میں تعظیم و محبت کا فتویٰ چلا اور یہی تقاضا لائق ترجیح قرار پایا۔

تقدیمِ تعظیم و محبت اور حضرت علیؓ کا عمل:

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اللہ کے رسول ﷺ اور کفار و مشرکین کے درمیان معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو کفار کے نمائندوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس دستاویز پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ گوارا نہیں کریں گے۔ ہم معاہدہ محمد ﷺ بن عبداللہ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رفعِ نزاع کی خاطر حضرت علیؓ کو جو معاہدہ قلمبند کر رہے تھے حکم دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں اور اسکی جگہ محمد ﷺ بن عبداللہ لکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے بارگہ رسالت مآب ﷺ میں دست بستہ عرض کیا کہ میرے ہاتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ حذف کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ حذف فرما دیئے۔ تقاضائے اطاعت یہی تھا کہ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے حکم کی تکمیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ حذف کر دیتے لیکن ان کی غیرتِ محبت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے ہاتھوں اپنے محبوب رسول ﷺ کا اسمِ گرامی حذف کریں چنانچہ تقاضائے تعظیم و محبت تقاضائے اطاعت پر غالب آیا۔ حضور ﷺ نے محمد رسول اللہ کے الفاظ اپنے ہاتھ سے حذف فرما دیئے لیکن کشتۂ حبِّ رسول حضرت علیؓ کو کسی قسم کی سرزنش نہ فرمائی۔

فتویٔ تعظیم و محبت اور عملِ عثمانی رضی اللہ عنہ:

واقعہ حدیبیہ ہی کے موقع پر جب حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر قریشِ مکہ کے پاس مذاکرات کیلئے بھیجا تو اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو عمرہ کر سکتے ہیں لیکن ہم محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں کو اس مرتبہ عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چاہتے تو عمرہ کر سکتے تھے اسی مقصد کیلئے طویل سفر کر کے یہاں پہنچے تھے لیکن ان کی غیرتِ محبت نے تنہا عمرہ کرنا قبول نہ کیا اور ان کا عمل قیامت تک کے ہر دور کے تصورِ محبت سے بیزار طبقات کو یہ پیغام دے گیا کہ اگر کعبہ یا ربِ کعبہ کے ساتھ عثمان کا کوئی تعلق ہے تو وہ اسی محبوب ﷺ کی وساطت اور وسیلے سے ہے اگر چہرۂ مصطفوی سامنے نہیں اور اس ہستی کی معیت میسر نہیں تو پھر کعبہ اور کعبے کے طواف سے بھی ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کعبہ بھی وہی تھا جس کے طواف کیلئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ پُر صعوبت مسافتیں طے کر کے آئے تھے اُسکی فضائیں اور انکی برکات بھی قائم و دائم تھیں جنکے حصول کیلئے وہ یہاں پہنچے تھے۔ مقامِ ابراہیم اور مقامِ ملتزم بھی تمام تر تقدس اور برکات کے ساتھ اپنی اپنی جگہ موجود تھے۔ صفا و مروہ کی نسبتیں اور حطیم کعبہ کے انوار بھی کچھ کم نہ تھے۔ عمرہ بھی اُنہوں نے خالصتاً اللہ کی بندگی کے اظہار اور اسکی رضا کے حصول کیلئے کرنا تھا۔ حج و عمرہ کی نسبت قرآنی احکام بھی اپنی جگہ موجود تھے سب کچھ اپنی جگہ قائم و موجود تھا لیکن نسبتِ مصطفوی ﷺ درمیان سے ہٹ رہی تھی۔ چہرۂ مصطفوی ﷺ اوجھل ہو رہا تھا۔ تقاضائے محبت نظر انداز ہو رہا تھا۔ تعظیمِ مصطفوی ﷺ کا تقاضا مجروح ہونے کا احتمال تھا اسلئے کعبے اور اسکی برکتوں کی طرف التفات نہ کیا بلکہ فتویٔ محبت پر عمل کیا۔

؎ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

تقاضائے تعظیم و محبت کی ترجیح اور اجماعِ صحابہ:

سرورِ انبیاء ﷺ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے انفرادی عمل کے تذکرے کے بعد اب ہم صحابہ رضی اللہ عنہم

کے ایک اجتماعی عمل کا ذکر کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ بالا جماع صحابہؓ کا عقیدہ و عمل کیا تھا۔ وہ تعظیم و محبت رسول ﷺ کے جذبات سے کس قدر سرشار رہتے ہیں اور محبتِ رسول ﷺ کی پاسداری میں دیگر ہر ضرورتِ دینی کو کس مقام پر رکھتے تھے۔

جہانِ فانی میں سرورِ عالم ﷺ کے قیام کے آخری دنوں کا واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ علالت کی وجہ سے مسلسل تین دن تک مسجد میں نماز کیلئے تشریف نہ لے آئے تو صحابہؓ کی نگاہیں جو صبح و شام محبوبِ خدا ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے اپنی ٹھنڈک کا اہتمام کرتی تھیں اپنی اس محرومی پر زبانِ حال سے بارگہِ ربِ مصطفیٰ ﷺ میں سراپا دُعا بن گئی تھیں اور منتظر تھیں کہ وہ مبارک اور حیات آفریں لمحات آئیں جو انکی پیاسِ دید بجھا دیں۔ بالآخر وہ لمحہ جس کا عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کو انتظار تھا اپنے دامن میں انکے جذبۂ محبت کی آزمائش کا پہلو لئے آپہنچا۔ سوموار کا دن تھا اور نمازِ ظہر کا وقت سیّدنا صدیق اکبرؓ حضور ﷺ کے نائب کی حیثیت سے مسجدِ نبوی میں نماز کی امامت کرا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ حضرت انسؓ کی صحیح بخاری میں مذکور روایت کے مطابق:

فکشف النبی ﷺ سر الحجرة ینظر الینا وھو قائم کان وجھه و رقة مصحف ثم تبسم.

ترجمہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر ہمیں دیکھنا شروع فرمایا۔ (ہم نے دیکھا) آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس قرآن کے ورق کی مانند روشن تھا اور آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔

مذکورہ روایات اور شارحین کی توجیحات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جونہی صحابہؓ نے حجرۂ نبوی ﷺ کے پردے کے سرکنے کی آواز سنی انکے چہرے جو قبلہ رُخ تھے سمتِ قبلہ سے ہٹ گئے چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کی طرف گھوم گئے۔ مخلوق کے قبلے سے ہٹ کر خالق کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نگاہیں جائے نماز پر مقامِ سجدہ سے اُٹھ کر چہرۂ انور

کا طوائف کرنے لگیں تبھی تو اُنہوں نے چہرۂ انور پر پھیلتی ہوئی تبسم کی لہروں کو دیکھ لیا تھا۔

دیدار کیلئے ترساں آنکھوں کو جونہی دیدار کا مژدہ ملا صحابہؓ بھول گئے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں کس حالت میں ہیں اور کیا کررہے ہیں۔ فراقِ محبوب میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والے صحابہؓ مژدۂ دید پا کر بےخود ہوگئے اور انکے سینوں میں عشق ومحبتِ مصطفوی ﷺ کے جو طوفان مچل رہے تھے و دیگر ہر دینی ضرورت، فقہی تقاضے اور نسبت پر غالب آ گئے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ صحابہؓ کا ایمان تھا:

نمازیں جو قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

یہ لمحات صحابہؓ کیلئے یقیناً بہت بڑا امتحان تھے۔ مشیتِ ایزدی دیکھنا یہ چاہتی تھی کہ صحابہؓ کو نماز پیاری ہے یا چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کی زیارت زیادہ عزیز ہے۔ لذتِ نماز اُنہیں اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے یا چہرۂ مصطفوی ﷺ کے دیدار کی حلاوت انکی نگاہ میں زیادہ پُرکشش ہے بندگانِ خدا کو اپنی باطنی و روحانی معراج زیادہ عزیز ہے یا مصطفیٰ ﷺ کے قدموں کی نسبت عزیز تر ہے۔ اطاعت واتباعِ نبوی کے مظہرِ اتم عمل یعنی نماز ہی میں مشغول رہنا عزیز ہے یا حُبِّ رسول ﷺ میں زیرِ وارفتگی چہرۂ مصطفوی کا دیدار زیادہ عزیز ہے۔ قبلۂ نماز کی طرف متوجہ رہنا ان کی ترجیح ہے یا قبلۂ دین وایمان کی دیدان کے نزدیک زیادہ اہم ہے۔

صحابہؓ امتحان میں کامیاب ہے:

صحابہؓ بہرحال امتحان میں کامیاب رہے اور اُن کے جذبۂ عشق ومحبت میں وارفتگی کے اس مظاہرے نے قیامت تک آنیوالے تصورِ محبت سے بیزار طبقات کو بزبانِ حال یہ پیغام دیدیا کہ

اصل الاصول بندگی اس تاج ور کی ہے

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اُن سے نہیں فرمایا کہ تم قبلہ رو نہیں رہے۔ تمہاری نماز ٹوٹ گئی ہے۔ میری طرف متوجہ ہونے سے تمہارا اخلاص فی التوحید قائم نہیں رہا لہٰذا نماز دوبارہ پڑھو بلکہ اپنی مسکراہٹ کے آئینے میں مذکورہ امتحان میں کامیابی کا مژدہ اور ان کے عمل کو پسندیدگی اور قبولیت و مشروعیت کی سند عطا کرتے ہوئے نماز مکمل کرنیکا حکم فرمایا اور پردہ واپس گرا دیا۔ اسی طرح کا ایک اور امتحان بھی اصحاب النبی پر تحویلِ قبلہ کے موقع پر آیا تھا جس میں بھی اُنہوں نے نسبتِ قبلہ پر نسبتِ مصطفوی ﷺ کو ترجیح دے کر اپنا ایمان بچایا تھا۔

تحویلِ قبلہ کے مسئلے میں اصحاب النبی کا امتحان اور اس میں ان کی کامیابی:

ہجرت سے پہلے سرورِ انس و جاں حضور ختمی مرتبت ﷺ کعبۃ اللہ کی جانب رُخ کر کے نمازیں ادا کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا اور اس جانب رُخ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ یہ سلسلہ کوئی ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں جانِ عالم کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کعبۃ اللہ ہی کو پھر سے قبلہ قرار دیا جائے۔ اس خواہشِ لطیف اور طلبِ حسین کے ساتھ جبکہ مدینہ طیبہ کی ایک نواحی مسجد میں آپ نماز پڑھا رہے تھے اور وحیٔ الٰہی کے انتظار میں بار بار اپنی نظریں آسمان کی طرف اُٹھا رہے تھے تو دورانِ نماز ہی جبرئیلِ امین پیغامِ ربانی کے ساتھ بارگہ مصطفوی میں حاضر ہوئے اور عاشقِ کعبہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کو آپ کے محبّ ومہربان رب کا یہ پیغام سنایا:

📖 قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا. (البقرہ:۱۴۴)

ترجمہ ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف چہرۂ (تاباں) اُٹھانا دیکھ رہے ہیں۔ ہم ضرور آپ ﷺ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو آپ کو پسند ہے۔

دورانِ نماز ہی ربِ محمد نے مربیٔ صحابہ کی اس خواہشِ لطیف کو پذیرائی بخشتے ہوئے آپ کو

ہدایت فرمائی:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (البقرہ:۱۴۴)

ترجمہ پس (اے محبوب) اپنا چہرۂ انور مسجدِ حرام (یعنی کعبۃ اللہ) کی جانب پھیر لیجئے۔

رب العٰلمین نے دورانِ نماز ہی قبلہ تبدیل کیۓ جانے کے عمل کو اصحاب النبی ﷺ کے لئے ایک آزمائش اور ان کی نسبت رسولی کی پختگی کو جانچنے کیلئے امتحان قرار دیا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ. (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون ہمارے رسول کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ (قبلہ کا بدلنا) بڑی بھاری بات تھی مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

سبحان اللہ حضور ﷺ کی اقتداء میں اصحاب النبی نے نماز شروع کی تھی جبکہ ان کا رُخ بیت المقدس کی جانب تھا دورانِ نماز جونہی وحیٔ الٰہی کی روشنی میں ہادیٔ اُمت نے اپنا رُخ جانب کعبہ پھیرا تمام صحابہ نے اُسی وقت اپنا رُخ جانب کعبہ پھیر لیا۔ نسبتِ رسولی نسبتِ قبلہ (بیت المقدس) پر غالب آئی اور صحابہ وہیں کھڑے کھڑے حضور کی اقتدا میں کعبۃ اللہ کی جانب پھر گئے۔ کسی کے ذہن میں خیال آ سکتا تھا کہ دورانِ نماز آپ ﷺ نے چہرہ ایک جانب سے دوسری جانب کیوں پھیرا لیکن ایسا خیال کسی کے دل میں نہ آیا اور وہ وہیں کھڑے کھڑے کعبۃ اللہ کی جانب پھر گئے۔ تحویل قبلہ کا معاملہ ان کے لئے ایک امتحان تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے اور ان کی متاعِ ایمان بچ گئی۔

حضور ﷺ کی نسبت و محبت اور اتباعِ تام ان کے ایمان کی محافظ بن گئی۔

نسبتِ مصطفوی ﷺ کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں:

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے پہلے اپنی قربانی کے جانور ذبح کر لئے۔ حق تعالیٰ کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا اور درج ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

📖 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ. (الحجرات:۱)

ترجمہ اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

صحابہؓ کا قربانی کرنے کا عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے حصول اور فقط اسی کی بندگی کے اظہار کے طور پر تھا۔ حضور ﷺ سے پہلے جانور ذبح کرنیکی ممانعت کا کوئی حکم بھی پہلے سے موجود نہیں تھا۔ قربانی ردّ کئے جانے کا کوئی دیگر جواز بھی بظاہر موجود نہیں تھا۔ بات فقط اتنی تھی قربانی میں پہل کی صورت میں تعظیم وحُبِ رسول ﷺ کے ایمانی تقاضے کی خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ نصابِ ایمان میں نسبتِ مصطفوی ﷺ کا مقام نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو درمیان میں لائے بغیر اللہ تک رسائی کا تصور نادانستہ طور پر رواج پانے کا احتمال پیدا ہو رہا تھا اسلئے سب کی قربانیاں ردّ کردی گئیں اور سخت تنبیہ کے ساتھ یہ ضابطہ جاری کر دیا گیا کہ تمہارا ہر ہر عمل خواہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی سو فیصد اطاعت اور پاسداری ہی میں کیوں نہ ہو اگر اس میں تعظیمِ رسول ﷺ کے تقاضے کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو وہ عمل ناقابلِ قبول ہے اور تعظیم و محبت رسول ﷺ کے تقاضے کی کماحقہٗ پاسداری سے نادانستہ اعراض بھی قابلِ گرفت ہے۔

تعظیم وادب اور اطاعت واتباع آ منے سامنے...... آخری فیصلہ قرآن سے:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حرفِ آخر کے طور پر تعظیم ومحبتِ رسول ﷺ اور تصور اطاعت و

اتباع کے باہم تقدم و تاخر اور نصابِ ایمان میں تعظیم و ادب رسالتماب ﷺ کے مقام کی نسبت آخری فیصلہ کیوں نہ قرآن ہی سے لے لیا جائے جو ہر دینی تصور اور ایمانی مسئلے میں حجتِ قاطعہ آخری کسوٹی اور میزان کا درجہ رکھتا ہے۔ سورۂ حجرات ہی کی دوسری آیت میں مذکور ہے:

📖 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

(الحجرات: ۲)

ترجمہ اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو اور نہ اونچی آواز میں اُنہیں بلایا کرو جس طرح کہ ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں اسکی خبر ہی نہ ہو۔

نصابِ ایمان میں تعظیم و ادبِ رسالت مآب ﷺ کے تصور کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ بارگاہِ مصطفوی ﷺ میں نہایت باادب اور محتاط رہا کرو اگر مجلس نبوی میں تمہاری آواز نادانستہ طور پر بھی ہمارے محبوب ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی اور بے ادبی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی پیدا ہوگیا تو تمہارے اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ میں کئے گئے سب اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اگرچہ سمندروں کی وسعت کی مانند بے پایاں اور فلک بوس پہاڑوں کی مانند عظیم ہی کیوں نہ ہوں تقاضائے ادب و محبت کی پاسداری میں کوتاہی کے نتیجے میں سب کے سب اعمال جل کر راکھ ہو جائیں گے اور تمہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ یعنی تم اپنے اعمال کے نشے میں مست پھر رہے ہوگے لیکن حقیقتاً تمہاری ساری کمائی لٹ چکی ہوگی۔ ساری کی ساری متاعِ اعمال بکھر چکی ہوگی۔ اگرچہ قرآن کا خطاب اپنے اطلاق کے اعتبار سے عام ہے لیکن اس کے اوّلیں اور حقیقی مخاطب صحابہؓ ہی تھے کہ جنہیں حضور ﷺ کی مجلس میں حاضری اور گفتگو کا اعزاز نصیب تھا۔ اب ذرا اندازہ کیجئے کہ ایک

طرف صحابہؓ جن کے دیگر طبقاتِ امت پر شرف وفضیلت کا مقام یہ ٹھہرا کہ بعد کے ادوار کے جملہ مومنین و صالحین اور اولیاءِ کاملین کا مجموعی زہد وتقویٰ اور اخلاص فی الدین بھی حضور ﷺ کے ایک صحابیؓ کے درجۂ اتقاء کا مقابلہ نہیں کرسکتا اُس طبقے کو مخاطب کر کے کہا جارہا ہے کہ اگر تم سے میرے محبوب ﷺ کے مقام ومنصب کے شایانِ شان تعظیم وادب کے منافی کوئی ادنیٰ سا عمل بھی سرزد ہوگیا کوئی ادنیٰ سی کوتاہی بھی ہوگئی، حتیٰ کہ تمہاری آواز ہی میرے محبوب ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی تو تمہارے سارے اعمال، ساری عبادتیں اطاعت واتباعِ رسول ﷺ کی کامل پاسداری میں پڑھی گئی زندگی بھر کی نمازیں، سجدہ ریزیاں، جملہ عبادتیں، ریاضتیں، جہادی وتبلیغی کاوشیں اور قربانیاں سب کی سب غارت ہوجائیں گی۔ اعمالِ صالحہ کے سمندر کے سمندر بخارات بن کر اُڑ جائیں گے اور تم خاسر ونامراد رہ جاؤ گے۔

اس ارشادِ خداوندی کی روشنی میں قلبِ سلیم رکھنے والوں کیلئے اس امر کا اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہ جاتی کہ نصابِ ایمان میں حُبِ رسول اور تعظیم وادبِ رسالت ﷺ کا مقام کیا ہے۔ تعظیم وادب کے مقابلے میں اطاعت واتباع کی کیا حیثیت اور قیمت کیا ہے۔ اطاعت واتباع اور عملِ صالحہ کے تصورات اسی وقت کارآمد اور مفید ہیں جبکہ تعظیم وادبِ رسالت ﷺ کا دامن ہاتھ میں موجود ہے۔ اگر دل حُبِ رسول ﷺ کی حلاوت سے عاری ہے۔ تعظیم وادبِ رسالت کے نور سے خالی ہے تو پھر عمل عمل کی رٹ اور اطاعت واتباعِ رسول ﷺ کے تصورات محض خودفریبی اور ایک خطرناک خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

ایک طرف اطاعت واتباعِ رسول ﷺ کے آئینہ دار اعمال کے انبار کے انبار، پہاڑوں کے پہاڑ دوسری طرف تعظیم وادبِ رسالتماب ﷺ کے منافی ایک عمل جو بظاہر اتنا سنگین بھی نظر نہیں آتا لیکن اعمال کے پورے کے پورے ذخیرے کو خاکستر کردینے کیلئے کافی ہے۔

حق بات یہ ہے کہ حُبِ رسول اور تعظیم و ادبِ رسالتماب ﷺ کا تصور دین و ایمان کی روح اور اعمالِ صالحہ کی جان ہے اور تعظیم و ادبِ رسول ﷺ کے مقابلے میں ہر دینی ضرورت حتیٰ کہ تصورِ اطاعت و اتباع بھی ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

..............☜..............

ساتواں باب

سرچشمہ محبت سے پھوٹنے والے چند فکری و اعتقادی اور عملی دھارے

محبت کے قرینوں میں سب سے پہلا قرینہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کو دیگر انسانوں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے ارفع و اعلیٰ اور منفرد و ممتاز سمجھتا ہے۔ وہ کسی کو اپنے محبوب کی مثل تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتا اسکی غیرتِ محبت کسی لحاظ سے بھی اپنے محبوب کے ساتھ کسی دوسرے کی ہمسری یا جزوی مماثلت تک برداشت نہیں کرسکتی۔ وہ خَلقی اور خُلقی ہر دو اعتبار سے اپنے محبوب کو یگانہ و بے نظیر سمجھتا ہے اور اسکی شخصیت کے ان پہلوؤں کو جن میں کسی دوسرے انسان کی اس کے ساتھ ہمسری یا جزوی شرکت کا بھی امکان ہو موضوع سخن نہیں بناتا بلکہ ہمیشہ اسکے امتیازی اور منفردانہ پہلوؤں کا تذکرہ کرتا ہے۔

اسی طرح محبّ اپنے محبوب کو ہر نقص و عیب اور کجی و خامی سے بھی ماوراء اور ہر حال میں اُسے دوسروں سے بڑھ کر باکمال سمجھتا ہے۔ اسکی نظر میں حسینانِ عالم کا مجموعی حُسن و جمال بھی جمالِ یار کے سامنے ہیچ اور صاحبانِ کمال کا مجموعی کمال بھی کمالِ محبوب کے سامنے بے حیثیت ٹھہرتا ہے۔ نیز اسکی زبان جب بھی محبوب کی مدح و ثنا میں کھلتی ہے وہ اس کے شخصی کمالات یا محاسنِ اخلاق کے تذکروں سے کہیں بڑھ کر اس کے خداداد حُسن و جمال اور اوصاف و کمالات کے چرچے کرتا ہے پھر جب معاملہ اُس محبوب کے حُسن و جمال اور خصائص و امتیازات کا ہو جو فقط مخلوق کا ہی نہیں بلکہ خالق کا بھی محبوب ہے اور جس کی ذات ''کنت کنزاً مخفیاً'' کی شان کے مالک رب کے ارادہ و مشیت

"فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" کا مصداق اور اس کی اپنی پکارِ محبت کا جواب بن کر منصۂ شہود پر آئی ہو اس کے حسن و جمال، خوبی و کمال اور صوری و معنوی محاسن و امتیازات کا عالم کیا ہوگا۔

انسان جب بھی کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے اس کے حُسن و جمال یا کسی ایسے وصف و کمال کی بنا پر کرتا ہے جس کی محبوب کی شخصیت میں موجودگی یا اس خوبی و کمال سے آراستہ ہونے میں اس کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ محبّ خالقِ کائنات کے عطا کردہ حسن و جمال یا خوبی و کمال کا گرویدہ ہو کر کسی کو چاہتا اور اپنی محبتوں کا مرکز بنا لیتا ہے لیکن جب خود محبّ محبوب کا خالق اور صورت گر ہو۔ جب محبوب کا وجود ہی محبّ کی اپنی پکارِ محبت کا جواب اور اس کی اپنی محبت کی تسکین کا سامان بن کر منصۂ شہود پر آیا ہو۔ محبّ خود اپنے محبوب کا پیکرِ حسیں بنانے اور اُسے حُسن و کمال کے سانچے میں ڈھالنے والا ہو، خود اُسے ہر ظاہری حسن و جمال اور باطنی خوبی و کمال سے آراستہ کرنے والا ہو۔ خَلقی و خُلقی ہر دو اعتبار سے اُسے سجانے اور سنوارنے والا ہو۔ خود محبوب کے آئینۂ وجود میں اپنے جلووں کا عکس اُتارنے والا اور خود اپنے ہاتھوں پیکرِ دلربا میں اپنی صناعیت و خالقیت اور ربوبیت سے رنگ بھرنے والا ہو۔ نیز محبّ علٰی کل شیئٍ قدیر کی شان کا مالک بھی ہو کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا یا اس کے ارادے میں حائل ہونے والا بھی نہ ہو تو پھر سوچئے اور اندازہ کیجئے کہ وہ اپنی خالقیت کے نقشِ اولیں اپنی شانِ ربوبیت کے شاہکارِ اعظم اور اپنی محبتوں اور چاہتوں کی مرکز و محور ہستی کو حُسن و جمال اور خوبی و کمال کے کون کون سے درجات اور رفیع الشان مقامات عطا نہیں کر دے گا۔

نیز جب وہ اپنی ربوبیت کے اس شاہکارِ اعظم کے ذریعے اپنی ذات و صفات کو متعارف کرانے اور منوانے کا بھی ارادہ رکھتا ہو تو پھر وہ محبوب اور پیکرِ دلربا جو اس کی معرفت و پہچان کا آئینہ دار بن کر، اس کی خلاقیت کا نقشِ اوّلیں اور ربوبیت کا شاہکار بن کر، اس کے انوار و تجلیات کا مرکز اور علم و قدرت کا نمائندہ و سفارتکار بن کر جلوہ گر ہوگا تو اس کی رفعت شان اور انفراد و اختصاص کا عالم کیا ہوگا۔ ہے کوئی انسانی ذہن جو ان بلندیوں کا احاطہ کر سکے جو ان رفعتوں کو شمار کر سکے۔ اِن اوصاف و

کمالات اور خصائص و امتیازات کا ادراک کر سکے جو رب تعالیٰ کا محبوب، مطلوب و مقصود اس کی صفت
ربوبیت کا شاہکار اور اسکے اوصاف و کمالات کا آئینہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کے محبوب ﷺ کو
حاصل ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

حسنِ سیرت و حسنِ صورت کے حوالے سے ایمان پرور اور باطل شکن استدلال:

تصورِ محبت سے بیزار طبقے کا سارا زور شاہکارِ ربوبیت کی سیرت آپ ﷺ کی سنت اور
اُسوۂ حسنہ پر رہتا ہے۔ وہ آپ کی سنت اور سیرت کا شب و روز دم بھرتا ہے۔ اس کے سامنے اگر
حضور ﷺ کے حسن و جمال اور پیکرِ حسیں کا ذکر کیا جائے تو زیادہ دیر سن نہیں سکتا اور اس طبقۂ فکر سے
تعلق رکھنے والے افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ شاہکارِ ربوبیت کی صوری حسن و جمال کا تذکرہ سننے سے
اُکتا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی یہ بات بھی درست ہے لیکن حضور ﷺ کی سنت کی بات
کرو۔ آپ کے پیغام، آپ کی تعلیمات اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کا ذکر کرو کہ جس سے ہمیں رہنمائی اور
ہدایت ملتی ہے۔ بعض افراد تو شاہکارِ ربوبیت کے صوری محاسن آپ کے شمائل و فضائل اور آپ ﷺ
کے حسنِ سراپا کے اظہار و بیان کو مبالغہ اور نہ جانے کیا کیا کچھ قرار دیتے ہیں۔ سنت کی بات تو کرتے
ہیں لیکن آپ ﷺ کی صورت اور حسنِ سراپا کے تذکرے سے اعراض کرتے ہیں۔

یہاں میں آپ کے سامنے صورت و سیرت کے باہمی تعلق کو ایک نئی توجیح کے ساتھ پیش
کرتا ہوں۔ دیکھئے آپ ﷺ کی سنت و سیرت اور آپ کا اُسوۂ حسنہ ہمارے نزدیک بھی ایمان کی
جان ہیں اور بحمد اللہ ہم آپ ﷺ کی سنت و سیرت کی پیروی میں کسی سے پیچھے نہیں لیکن کیا کریں کہ
جس رب نے جانِ عالم کو اتنا خوبصورت اُسوہ عطا کیا ہے اتنی پُرکشش سیرت عطا کی ہے اُسی نے ہی
تو آپ ﷺ کی صورت بھی بنائی ہے۔ ربِ محمد ﷺ کی محمد ﷺ پر ایک عطا کا اقرار کرنا اور دوسری
عطا سے اعراض کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ بیشک آپ ﷺ کی سیرت ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا

سرور ہے لیکن یہ سیرت رکھی کہاں گئی اسے کس ظرف سے سجایا گیا۔ کس پیکر میں رکھا گیا۔ بالیقیں آپ ﷺ کی صورت میں رکھا گیا۔ پہلے صورت بنی آپ ﷺ کا پیکر حسین تیار ہوا پھر اس کے اندر اسوۂ حسنہ اور سیرت کو رکھا گیا تو جس رب نے اتنا عظیم الشان اُسوہ آپ ﷺ کو دیا آپ ﷺ کو اتنی عظیم المرتبت سیرت دی تو پھر اس سیرت کو رکھنے کے لئے جو صورت آپ کو دی گئی اس کی عظمت اور حسن و رعنائی کا عالم کیا ہوگا۔ رب تعالیٰ ظالم نہیں کہ اتنا خوبصورت اُسوہ اور اتنی خوبصورت سیرت کسی ظرف میں رکھنا چاہے لیکن اس ظرف کو اس اسوۂ حسنہ اور اتنی خوبصورت سیرت کے شایانِ شان نہ بنائے۔ ظلم "وضع الشئ فی غیر محله" کا نام ہے کیا نعوذ باللہ اللہ رب العزت ظالم ہے کہ اتنی من موہنی سیرت کو رکھنے اور سجانے کے لئے جو صورت بنائے جو پیکر تراشے وہ اس کے شایانِ شان نہ ہو بلکہ ایک عام سا بشری وجود ہو۔

قصۂ مختصر سیرت کو صورت کے اندر رکھا جانا مقصود تھا اس لئے عظیم الشان سیرت کے شایانِ شان صورت آپ کو پہلے عطا کی گئی اور پھر اس صورت میں وہ سیرت رکھی گئی جس پر سنت و سیرت کا داعی طبقہ بہت اصرار کرتا ہے۔ لہٰذا سیرت سیرت کی بات کرنا اور صورتِ حسیں کے ذکر سے آنکھیں چرانا نادانی اور کور ذوقی نہیں تو اور کیا ہے۔ سیرت کے نعرے بلند کرنے والوں اور اُسوۂ حسنہ پر جان چھڑکنے والوں کو ربِ محمد کی شانِ تخلیق کی مظہر اتم صورتِ محمدی ﷺ پر بھی فدا ہونے کا سلیقہ سیکھنا چاہیے اور ایک عظیم الشان سیرت جس ظرف اور جس پیکرِ حسیں میں رکھی گئی اس کے جلوۂ حسن کے ترانے الاپنے والوں پر زبانِ طعن دراز نہیں کرنی چاہیے کہ خود ربِ محمد ﷺ نے بھی یہی کہا ہے۔ اسی پر زور دیا ہے اور اس طرح کہا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ○

ترجمہ بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں خوبصورت اسوۂ و سیرت موجود ہے۔

اسوۂ حسنہ کی بات کرنے والوں کو فی رسول اللہ کیوں یاد نہیں رہتا۔ پہلے فی رسول

اللہ ہے پھر اسوۂ حسنہ ہے۔ اسوۂ حسنہ پر جان چھڑکنے والوں کو رسول اللہ کے اس پیکرِ حسین کو بھی سامنے رکھنا چاہیے جو خلاقِ عالم کی شانِ تخلیق کا شاہکارِ اعظم اور اس کے نظامِ ربوبیت کے محاسن کا منتہائے کمال ہے ان لوگوں کو سیّد الانبیاء کا منصب رکھنے والی اس ہستی کے عظیم الشان حسنِ سراپا کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور ربِ محمد ﷺ کی شانِ ربوبیت کی شاہکارِ اعظم صورت پر فدا ہونے کا سلیقہ بھی سیکھنا چاہیے۔ اگر سب کچھ سیرت ہی تھی اور اہلِ ایمان کا تعلق صرف آپ ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ تک محدود رکھنا ہی ضرورتِ دینی ہوتا تو پھر صورتِ محمدی ﷺ کے اظہار و بیان پر مشتمل ہزار ہا روایات جو کتب احادیث اور قرآن میں موجود ہیں نہ موجود ہوتیں اور خود ربِ محمد ﷺ بھی قرآن میں جابجا اپنی شانِ تخلیق کے مظہرِ اعظم اور اپنی شانِ ربوبیت کے مظہرِ اتم سراپائے محمدی ﷺ کا ذکر نہ کرتا۔ نہ آپ کے چہرۂ انور کو والضحی کہتا نہ آپ ﷺ کی زلفِ عنبریں کو وَالَّیْلِ اِذَا سجی کہتا نہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے الفاظ اور اس طرح کے دیگر درجنوں مقامات حصہ قرآن بنتے جن میں صرف اور صرف ربِ محمد ﷺ نے اپنی شانِ ربوبیت کی مظہرِ اتم ہستی کے خدوخال اور وجودِ مصطفوی کے صوری محاسن کو بیان کیا ہے۔

دوستو! کوئی شخص اپنے کسی پیارے کی خدمت میں پھولوں کا گلدستہ پیش کرنا چاہے تو وہ نوع بہ نوع اور ایک سے بڑھ کر ایک گلہائے رنگارنگ کا انتخاب کرے گا۔ معنبر و معطر اور جاذبِ نظر پھولوں اور نازک و نازنین کلیوں کا چناؤ کرے گا پھر انہیں نہایت سلیقے اور حسنِ ترتیب سے مزین کر کے گلدان کی زینت بنائے گا۔ تو جو شخص پھول تو ایک سے بڑھ کر ایک منتخب کرے لیکن وہ گلدان جس میں انہیں سجا کر پیش کرنا ہے وہ بس عامیانہ سا ہو جاذبِ نظر اور پُر کشش نہ ہو۔ کیا ایسا ممکن ہے۔ عقل و خرد کا فیصلہ یہی ہے کہ ایسا ممکن نہیں وہ گلدان بھی ایسا چنے گا جو ان پھولوں اور اس گلدستے کے شایانِ شان ہو۔ وہ نہایت خوبصورت، پُر کشش، آراستہ و پیراستہ اور بیل بوٹوں کے نقش و نگار رکھنے والا گلدان منتخب کرے گا اور اس پُر کشش اور جاذبِ نظر گلدان میں نوع بہ نوع حسن پرور و پُر کشش اور معنبر و معطر

پھولوں کو نہایت خوبصورتی سے سجا کر اپنی محبوب ہستی کو پیش کرے گا۔ حسنِ ذوق و ذوقِ حسن رکھنے والے ایک عام انسان سے جب یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ عامیانہ قسم کے گلدان میں اتنا خوبصورت گلدستہ پیش کرے گا تو پھر خلاقِ عالم جو ہر حسن و رعنائی کا منبع اور ہر خوبی و کمال کا مالک ہے۔ اس کے لئے کیسے ممکن ہے کہ ابنِ آدم کے سامنے جس رسول ﷺ کے ذریعے اپنی آفاقی تعلیمات کا گلدستہ پیش کرے جس رسول کی سیرت کو وہ اسوۂ حسنہ قرار دے کر ابن آدم کے سامنے رکھے۔ وہ رسول اپنے خدوخال اور ظاہری محاسن اور صورت کے اعتبار سے ایک بشرِ محض کا سراپا رکھتا ہو۔ اپنے پیکرِ جسمانی کے حوالے سے پُرکشش، جاذبِ نظر، خوبصورت، من موہنا اور من ٹھار نہ ہو۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے محبوب کو ہیرے جڑی طلائی انگوٹھی پیش کرنا چاہے۔ انتہائی نادر اور بیش قیمت ہیرا انگوٹھی کی زینت بنا کر اپنے محبوب کے جلووں کا خراج اپنے نذرانہ محبت کی صورت میں پیش کرنا چاہے وہ یہ چمکتی دمکتی لشکارے مارتی انگوٹھی، ہیرے جڑی مختلف زاویوں سے رنگ و نور کی شعائیں بکھیرتی انگوٹھی ہمہ پہلو جگمگاتی ہمہ رنگ کہکشائیں اور قوس قزحائیں اُنڈیلتی یہ انگوٹھی یونہی اپنے محبوب کو نہیں پکڑا دے گا یا عامیانہ قسم کے کسی ڈبے میں رکھ کر پیش نہیں کرے گا بلکہ اس انگوٹھی کے شایانِ شان ایک نہایت خوبصورت جاذبِ نظر، پُرکشش اور انگوٹھی کے حسن کو چار چاند لگا دینے والے مرصع و مزین ڈبے میں پیش کرے گا اور اگر ایسا نہ کرے گا تو گویا خود اپنے ہاتھوں ہی اپنے تحفے کی ناقدری کا سامان کرے گا۔ اس کی توقیر اور قدر و قیمت کو خود اپنے ہاتھوں گہنا دے گا۔ جب کور ذوقی کے ہاتھوں نادان بن کر اس نے خود اپنی بیش قیمت اور رنگ و نور برساتی انگوٹھی کو بے توقیر کر دیا تو بھلا جسے وہ تحفۂ محبت دے رہا ہے وہ اس کی کیا قدر پہچانے گا۔ وہ کب اس کی قدر شناسی کا حق ادا کرے گا۔ یہ بات اتنی منطقی، اتنی فطری، اتنی اصولی اور اتنی قابلِ فہم ہے کہ کوئی کور ذوق و کج فہم ہی اس کا انکار کرسکتا ہے۔

چل اے رہوارِ قلم پھر اسی جانب کہ جہاں پر

ٹوٹا تھا تسلسل تیرے اسرارِ قلم کا

ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جس صورت میں اس نے اسوۂ حسنہ کو رکھنا ہے من موہنی سیرت کو سجانا ہے اس صورت اور پیکر بشری کو بھی اپنی شانِ تخلیق کا مظہر اتم بناتے ہوئے اسے ہر طرح کے حسن سے نوازے گا۔ ہر طرح کے جمال سے مزین کرے گا۔ ہر بشری حسن اور کمال کو اس کی صورت میں اپنے منتہائے عروج پر پہنچائے گا۔ اُسے اپنی شانِ ربوبیت کا شاہکارِ اتم بنا کر پھر اس میں محاسن سیرت اور اسوۂ حسنہ کے مظاہر سجائے گا۔

الغرض ربِ محمد نے اسوۂ حسنہ جیسی خوبصورت سیرت پیش کرنے کے لئے پیکر مصطفوی بھی ایسا بنایا جو اس کے شایانِ شان تھا۔ آپ ﷺ کو سراپائے اقدس بھی ایسا خوبصورت و پُرکشش اور مرقعِ حسن و جمال دیا جو اس اسوۂ ذیشان کے مناسب حال بے نظیر و بے مثال اور ہر اعتبار سے اس کے شایانِ شان تھا۔ ربِ محمد ﷺ نے اپنی تخلیق کے شاہکار اتم وجودِ مصطفوی کو صورت بھی بے نظیر دی اور سیرت بھی بے مثال۔ نہ آپ جیسی صورت کسی کے پاس ہے اور نہ آپ جیسی سیرت کا کوئی حامل دوسرا انسان ہوسکتا ہے۔ ربِ محمد ﷺ نے اپنے محبوب ﷺ اور خلیفۂ اعظم کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی محاسن سے نوازا بلکہ میرا تو یہ ایمان ہے بلکہ علمائے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ پوری کائناتِ انسانی کا حسن و جمال ملکر بھی آپ ﷺ کے پیکر جسمی اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح پوری کائنات کے محاسنِ سیرت بھی مل کر آپ ﷺ کے محاسنِ سیرت کی ہمسری نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل محبت جہاں آپ ﷺ کی سیرت و سنت پر جان چھڑکتے ہیں وہیں ربوبیت خداوندی کی شاہکار آپ ﷺ کی صورت اور حسنِ سراپا پر بھی ہمہ وقت فدا اور قربان ہوتے ہیں۔ یہ سبق اہلِ محبت کو ربِ محمد ﷺ سے ملا ہے۔ اصحابِ محمد ﷺ نے بھی یہی سبق دیا اور تمام اسلاف اور اکابرین اُمت یہی سبق پڑھتے، پڑھاتے اور اس پر عمل کرتے اور کراتے چلے آئے ہیں۔ کوئی اگر اپنے نصیب کے اعتبار سے ہی کور ذوق و کج فہم اور نورِ معرفت سے محروم ہو تو اس کا نصیب اسے مبارک ہو۔ ایسے نادان و کج فہم شخص کے لئے ہمارے پاس دعائے ہدایت کے علاوہ اور کچھ

نہیں۔

الغرض نسبتِ رسالتماب ﷺ کے حوالے سے محبتِ رسول ﷺ کا علمبردار طبقہ سرورِکونین ﷺ کو عالمِ کون و مکاں میں حق تعالیٰ کی محبوبیت کا آئینہ دار اور اسکی شانِ ربوبیت کا شاہکارِ اعظم سمجھتے ہوئے آپ ﷺ کو ہر اعتبار سے یگانہ اور بے مثل و بے مثال مانتا ہے۔ اسکی غیرتِ محبت نہ کسی اعتبار سے محبوب ربِ کائنات ﷺ کے ساتھ کسی دوسرے انسان کی ہمسری یا برابری برداشت کرنے پر تیار ہوتی ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کو دوسرے انسانوں کی طرح بشرِ محض سمجھنے پر آمادہ۔ وہ آپ ﷺ کی بشریت کا قائل ہوتے ہوئے بھی بشریت محض کو آپ ﷺ کی حقیقت تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ ہمہ وقت خالق ومخلوق کے مشترکہ محبوب کے حُسن و جمال اور شانِ مظہریت کے ترانے الاپتا ہے۔ فقط آپ ﷺ کے بشری کمالات سیرت و کردار اور آپ کی تعلیمات کے ایمان افروز پہلوؤں کو ہی موضوعِ سخن نہیں بناتا بلکہ رب تعالیٰ کا محبوب اور نمائندہ وسفیر ہونیکی حیثیت سے آپ ﷺ کے کمالات، آپ ﷺ کے فضائل وشمائل اور خصائص و امتیازات کے بھی چرچے کرتا ہے۔ اس کا ایمانی ذوق اس حقیقت کو زیادہ ملحوظ رکھتا ہے کہ یہ رسول ﷺ حق تعالیٰ کا محبوب اور اسکی اپنی پکار محبت کا جواب بن کر منصۂ شہود پر آیا ہے بہ نسبت اسکے کہ بظاہر دیکھنے میں ہمارے جیسا اور احوالِ بشریت میں ہماری مثل ہے۔ اس کا اعتقادی مزاج اس حقیقت پر زیادہ توجہ دیتا ہے کہ یہ رسول ﷺ حق تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا شاہکار اسکے اوصاف وکمالات کا مظہر اور عالمِ بشریت میں اسکا نمائندہ اور اس کی شانوں کا آئینہ دار بن کر آیا ہے بہ نسبت اسکے کہ یہ رسول ﷺ کہاں اور کن لوگوں میں آیا ہے۔ اس طبقے کی نظر فقط آپ ﷺ کی بشریت اور سیرت و کردار کے جلوؤں میں ہی گم ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پیکرِ بشریت سے گزر کر آپ ﷺ کی حقیقت اور شانِ محبوبیت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے بھی متجسس رہتی ہے وہ مقامِ رسالت کو بولہبی و بوجہلی زاویۂ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ صدیقی و فاروقی زاویۂ نظر کے ذریعے شاہکار ربوبیت کی حقیقت تک رسائی حاصل

کرنے کا بھی متمنی رہتا ہے۔ وہ

؎ بو علی اندر غبارِ ناقہ گم

کے مصداق غبارِ ناقہ ہی میں گم نہیں ہو جانا چاہتا بلکہ

؎ دست رومی پردۂ محمل گرفت

کے مصداق پردۂ محمل کو اپنی گرفت میں لے لینا چاہتا ہے اسی طرح وہ

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور

چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

کے مصداق مقامِ رسالت کی تفہیم میں عقلِ محض کو اتھارٹی تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسے فقط چراغِ راہ سمجھتا ہے اور عشق کو اپنا ہادی و رہنما سمجھتے ہوئے معرفتِ مصطفوی ﷺ کے بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہونے کی آرزو رکھتا ہے۔

عشقِ رسالتمآب ﷺ سے لبریز یہی زاویۂ نظر اس طبقے کے فکر و نظر کا امتیازی شعار اور یہی اس کی ایمانی و عملی زندگی کا حقیقی سنگھار ہے۔

دوسری طرف اتباعِ رسول ﷺ پر زیادہ زور دینے والا طبقہ چونکہ آپ ﷺ کو حق تعالیٰ کا محبوب، اس کی محبتوں اور چاہتوں کا مرکز اور اس کی عنایات و نوازشات کا محور ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کو حاصل ان اعزازات و کمالات اور خصائص و امتیازات پر ہمہ وقت رطب اللسانی اور فریفتگی و دلبستگی کے مظہر و آئینہ دار یعنی محبتِ رسول ﷺ کے تصور کو عملاً ایک مستقل اور جداگانہ ایمانی ضرورت کی حیثیت سے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور ہر دو تصورات کو ایک دوسرے کا عین اور باہم یک دگر قرار دینے پر اصرار کرتا ہے لہٰذا نسبتِ رسالتمآب ﷺ کے حوالے سے اسکے اعتقادی مزاج میں نہ تو تصورِ محبت کے خمیر سے اُٹھنے والی وہ فکری لذتیں اور اعتقادی و ایمانی حلاوتیں ہیں جو اہلِ محبت کے نزدیک دین کی جان اور سرمایۂ ایمان ہیں اور نہ ہی اس طبقے کی ایمانی زندگی میں والہانہ محبت سے

لبریز اور ہمہ رنگ و ہمہ ذوق عملی و معمولاتی مظاہر ہیں جو اہلِ محبت کا شعار اور اس کا امتیاز ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ یہ طبقہ فکری و اعتقادی اعتبار سے بوجوہ اس قدر انتہا پسندانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنے لگا ہے کہ سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والے ہمہ رنگ و ایمان پرور فکری و اعتقادی اور عملی دھاروں کا نہ صرف انکار کرتا ہے بلکہ ایسے اعتقادی و عملی پہلوؤں کو بتکرار شرک و بدعت اور ضلالت قرار دیتا ہے۔

بابِ ہذا میں ہم سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والے ان فکری و اعتقادی اور عملی دھاروں کا تذکرہ کریں گے جو اہلِ محبت کی ایمانی زندگی کی جان لیکن تصورِ محبت کی اہمیت سے گریزاں طبقے کے نزدیک شرک و بدعت اور ضلالت و گمراہی کا سب سے بڑا عنوان ہیں۔

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والے چند فکری و اعتقادی اور عملی دھارے:

۱- عالمِ خلق و عالمِ امر میں تخلیق کا نقشِ اوّلیں نور محمدی ﷺ ہے۔ جملہ موجودات و مظاہرِ کائنات کی تخلیق نورِ محمدی ﷺ سے ہوئی۔ اس اعتبار سے نور محمدی ﷺ بمنزلہ کُل کے ہے جبکہ جملہ موجوداتِ عالم اس کا جزو اور حصہ ہیں۔

۲- بظاہر عالمِ بشریت سے متعلق ہونے کے باوجود بشریت ہی حضور ﷺ کی حقیقت نہیں۔ اسی طرح نورانیت بھی آپ ﷺ کی ایک شان ہے آپکی حقیقت نہیں۔ آپ ﷺ کی حقیقت سوائے آپ ﷺ کے رب کے اور کوئی نہیں جانتا۔

۳- عالمِ خلق و عالمِ امر کی ساری بساط احکم الحاکمین نے اپنے محبوب ﷺ کیلئے بچھائی ہے کائنات ارض و سما کی ہر ہر شے آپ ﷺ کیلئے مسخر ہے اور دنیا و آخرت کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو رب العزت نے آپ ﷺ کے تصرف و اختیار میں نہ دیدی ہو۔

۴- شاہکار ربوبیت ہونے کی بناء پر آپ ﷺ ذات و صفاتِ خداوندی کے پرتوِ کامل اور

مظہرِ اتم ہیں آپ کا علم، علمِ خداوندی کا مظہر اور آپ ﷺ کا اختیار قدرتِ خداوندی کا آئینہ دار ہے۔

۵- کائناتِ ارض و سما کی ہر ہر شے اصلِ کائنات یعنی ﷺ کے لئے مسخر ہونے کی بنا پر آپ ﷺ کے زیرِ مشاہدہ ہے لہٰذا حقیقتاً ناظر ہونیکی بنا پر آپ ﷺ معناً ہر جگہ حاضر بھی ہیں۔

۶- ربّ العزت نے حضور ﷺ کو ماکان و مایکون کے جملہ علوم عطا فرمائے ہیں۔ آپ مطلع علی الغیب ہیں اور آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک کو حاصل جمیع علوم مجموعی طور پر بھی علمِ مصطفوی ﷺ کی وسعت کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

نورانیت محمدی ﷺ

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا اوّلیں دھارا نورانیت محمدی ﷺ کا عقیدہ ہے۔ جس کا مختصراً خلاصہ یہ ہے کہ عالم خلق و عالم امر میں تخلیق کا نقش اوّلیں نور محمدی ﷺ ہے۔ جملہ موجودات و مظاہر کائنات کی تخلیق نور محمدی سے ہوئی اور اس اعتبار سے نور محمدی ﷺ بمنزلہ کل کے ہے جبکہ موجودات عالم اس کل کا جزو اور حصہ ہیں اس مسئلہ پر ہم اپنی تصنیف کے مختلف ابواب میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں لہٰذا مباحث کو دہرائے بغیر اس عقیدے پر ایک نئے زاویہ نظریے سے نگاہ ڈالتے ہیں۔

نورانیت مصطفوی ﷺ کے مسئلہ پر علماء امت نے بہت کچھ لکھا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ شاہکار ربوبیت و ختمی مرتبت ﷺ میں اپنی ذاتِ ستودہ صفات نورانیت و بشریت دونوں شانیں رکھتے ہیں۔ نورانیت و بشریت آپ ﷺ کی شخصیت مطہرہ کے دو ایسے پہلو ہیں جن میں ہرگز ہرگز کوئی تناقض نہیں۔ جہاں ایک طرف آپ کا مظہر انوارِ الوہیت ہونیکی حیثیت سے نور کامل ہیں وہیں آپ ﷺ عالم خلق میں رب العزت کی شان تخلیق کے مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے بشرِ کامل

شرفِ آدمیت اور خیر البشر ہیں اور آپ ﷺ کی ان دونوں شانوں پر بے بہا دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا اہل علم ان سے بخوبی واقف ہیں۔

ایک فکر انگیز زاویہ نظر:

میں اس مسئلے کو ایک اور زاویہ نظر سے اہل علم کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ قائلین و منکرین نور محمدی ﷺ نے مسئلہ نور کو جس انداز سے لیا ہے بات اس سے بہت آگے کی ہے ہر دو طبقات کے اہلِ علم نور معنوی اور نورِ حسی کی بحث میں پڑ گئے ہیں جبکہ آپ ﷺ کی شان نورانیت اس سے کہیں بلند ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ رب العزت نور مطلق ہے اور اس ذات بے ہمتا نے سب سے پہلے اپنے نور کے پرتو سے نور محمدی ﷺ کو پیدا کیا اور بروئے حدیث جابر یہ نور نور خداوندی کے جلوؤں میں سیر کرتا رہا جب تک اس کے رب نے چاہا بعد ازاں رب العزت نے نور محمدی ﷺ کے ذریعے عالم امر پھر عالم ارواح اور بعد ازاں عالم خلق کو تخلیق کیا بایں ہمہ آپ ﷺ تمام عوالم کے لئے بمنزلہ اصل ٹھہرے چنانچہ جب کچھ نہیں تھا اور صرف عالم نور تھا تو آپ ﷺ نور الانوار تھے اور کل عالم نور آپ کے نور سے جلوؤں کی خیرات لے رہا تھا، جب عالم ارواح کو پیدا کیا گیا تو آپ ﷺ کی روحِ انور روح الارواح ٹھہری اور جملہ عالم ارواح آپ ﷺ کی روح انور و منور سے خیرات فیض لیتا رہا۔ اور جب عالم خلق معرضِ وجود میں آیا اور بشریت اس کا نقطہ کمال قرار پائی تو آپ ﷺ کے سر بشرِ کامل و خیر البشر ہونے کا تاج سجا اور پورا عالم بشریت آپ ﷺ کے فیوضات کے احاطہ کفالت میں دے دیا گیا۔ عالم نور نے آپ کی نورانیت سے کسب فیض کیا۔ عالم ارواح نے آپ ﷺ کی روحانیت کے فیضان سے اپنے آپ کو مالا مال کیا اور عالم خلق میں بشریت نے آپ کی بشریت کاملہ سے اکتساب فیض لیا۔ مختلف عوالم میں حقیقت محمدیہ ان عوالم کی ضروریات کی مکتفی رہی اور سب عوالم آپ ہی کے در اقدس کے ذریعے خزانہ ربوبیت سے اپنے اپنے حسبِ حال

فیضانِ ربوبیت حاصل کر کے ارتقائی منازل طے کرتے کرتے اپنے نقطہ کمال تک پہنچتے رہے۔

حقیقت نور کیا ہے:

اس دنیا میں ہم نور کے جن مختلف مظاہر اور اس کے معروف ذرائع سے متعارف ہیں ہم بس انہیں کو نور سمجھتے ہیں۔ منکرین نورانیت مصطفیٰ نور کی انہی صورتوں کو حقیقتِ نور سمجھتے ہوئے آپ ﷺ کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں اور بشریت و نورانیت کے باہم مجتمع ہونے کا معاملہ انہیں سمجھ نہیں آتا اسی طرح قائلین نورِ مصطفیٰ بھی مختلف احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات میں نورانیت حسی پر استدلال کرتے ہیں جو اپنی جگہ درست بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالم خلق میں نور کی جن جن صورتوں سے ہم مانوس اور جن جن مظاہر سے ہم متعارف ہیں انہیں نور مصطفوی ﷺ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ نور کی ان مختلف صورتوں اور نورانیت ملائکہ سے تو بشریت مصطفوی ﷺ زیادہ منور و لطیف ہے اس لئے عالم خلق و عالم امر میں موجود نور کے مختلف مظاہر و مصادر کو آپ ﷺ کی نورانیت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

سرور انبیاء کی نورانیت ہر تشبیہ سے بالا اور بے مثل و بے مثال ہے عالم خلق کے مظاہرِ نور کا آپ کے نور کے مقابل تذکرہ بھی میرے نزدیک کج فہمی اور خلاف ادب ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ بشریت و نورانیت کا اجتماع ممکن ہے تو یہ کتنی ہی روایات حتیٰ کہ قرآن سے ثابت ہے جس کا تذکرہ اہل علم نے اپنی تصانیف میں بتفصیل کیا ہے۔

ربِ محمد ﷺ کی طرف سے منکرین نورانیت پر اتمامِ حجت:

سرور انبیاء ﷺ کی نورانیت کا انکار کرنے والوں پر رب العزت نے عالم خلق ہی کے کچھ مظاہر میں حجت تمام کر دی ہے۔ آنکھ چربی کے پردوں سے بنی ہے اور اس میں نور بھی ہے جس کی مدد سے وہ دیکھتی ہے۔ چنانچہ اس میں بشریت بھی ہے اور نورانیت بھی۔ جگنو میں بھی رب العزت نے

گوشت پوست اور نور کو جمع کر دیا ہے۔ اور تو اور سائنسی ترقی نے انسانی آنکھ کو ایسے ایسے منظر دکھا دیئے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ ٹیلی ویژن پر ایسے ایسے قدرت الٰہی کے عجائبات نظر آتے ہیں کہ انسان بلا اختیار سبحان اللہ پکار اٹھتا ہے۔ سمندروں میں ایسی ایسی مچھلیاں موجود ہیں جو گوشت کا پیکر ہوتے ہوئے رنگ برنگی روشنیاں خارج کرتی ہیں اور ایک ایک مچھلی رنگ و نور کا ایک ایسا مرقع نظر آتی ہے جیسے مختلف تقریبات پر لگائی جانیوالی روشنی کی لڑیاں رنگ بکھیرتی ہیں۔ رب محمد ﷺ نے اپنے بندوں کو اسی دنیا میں دکھا دیا ہے کہ اگر وہ مچھلی جیسی مخلوق میں گوشت و پوست اور نور کے ہمہ رنگ جلووں کو جمع کر سکتا ہے اور مچھلیاں ایک مادی پیکر رکھتے ہوئے رنگ برنگی متحرک روشنیوں کا مرقع بن کر قدرت الٰہی کے جلوے دکھا سکتی ہیں تو محبوب رب جہاں اور کائنات میں سب سے مکرم و معظم ہستی کے پیکر میں بشریت و نورانیت کیوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

نورِ الٰہی و نورِ محمدی ﷺ کی حقیقت:

یہاں میں ایک مرتبہ پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ عالم مادی میں پائے جانے والے کسی بھی قسم کے نوری وجود، منبع نور سیارگانِ فلکی یعنی سورج چاند ستاروں اور عقل انسانی کے ایجاد کردہ مختلف مظاہر نور جیسے بلب ٹیوب وغیرہ کی روشنی جیسے مانوس و متعارف نور کو نور محمدی ﷺ سے کوئی نسبت نہیں بس اہل ایمان کیلئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات میں پہلوئے نورانیت بھی رکھتے ہیں۔ فقط بشر نہیں بلکہ پیکر بشری مین نوری شان بھی رکھتے ہیں۔

اسی طرح جب ہم رب العزت کو نور مانتے ہیں جیسا کہ قرآن میں جا بجا ”اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ کے الفاظ ہیں تو اس کا نور ہونا اس کی شایان شان ہے۔ انسانی عقل نہ تو نور محمدی ﷺ کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی نورانیت الٰہی تک لہٰذا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نورانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کبھی بھی ہمارا دھیان دنیوی و مادی مظاہر نور کی طرف

منتقل نہیں ہونا چاہیئے۔ بس اتنا ایمان ضروری ہے کہ رب العزت نور ہے لیکن اپنی شانِ الوہیت کے شایان شان اور اس کا محبوب بھی نور ہے اپنی شان محبوبیت کے شایان شان۔

قائلین نور واعظین سے گذارش:

یہاں میں قائلین نورانیت مصطفےٰ ﷺ کی خدمت میں ایک ضروری گذارش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اس طبقہ فکر کے حامل واعظین بالعموم حضور ﷺ کی بشریت کا ذکر کرتے ہوئے قدر شرماتے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کے لئے بشری لباس کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی اسی طرح کی کوئی اور توجیح یا تاویل جیسے بشریت کوئی کمزوری ہے یا آپ ﷺ کے غیر شایان شان وصف۔ ایسی بات ہر گز نہیں رب العزت کے کارخانہ قدرت میں بشر یا انسان اس کی شانِ خلاقیت کا آخری اور معزز ترین شاہکار ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کے سبب ہی بشر کو مسجود ملائکہ بنایا گیا۔ اگر پیکر آدم میں رب آدم نے اپنی روح پھونکی تو ان کے جسد بشری کو بھی تو اس رب نے بنایا تھا اس طرح جسد خاکی میں روح ربانی کی پھونک سے اول البشر یعنی آدمؑ نے وجود پایا اور پھر اُسی آدمؑ کے سر اپنی خلافت کا تاج بھی ربِ آدم نے خود رکھا اور اسی کو اپنی شانِ خلاقیت کا آخری شاہکار قرار دیتے ہوئے اسے اس امانت کا حامل بنایا گیا جسے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں سمیت تمام مخلوقات نے اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا۔ بشر ہونا کوئی کمزوری یا عیب کی بات نہیں کہ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے اعراض کیا جائے اور مختلف توجیہات و تاویلات کا سہارا لیا جائے بلکہ بشر اشرف المخلوقات ہے بشر تمام نوریوں اور نوری مخلوق سے افضل ہے اس لئے شاہکار ربوبیت خاتم النبیین ﷺ کی بشریت کا تذکرہ بھی اہل محبت کی جانب سے بابانگ دہل کیا جانا چاہیئے توجیحانہ یا تاویلانہ انداز میں نہیں۔ آپ ﷺ شان بشریت میں شرفِ بشریت، خیر البشر، افضل البشر اور بشرِ کامل ہیں اور بشریت کو آپ ﷺ کے ساتھ منسوب ہونے پر ناز ہے۔ الغرض عالم انوار میں آپ نور الانوار تھے، عالم ارواح میں روح

الارواح اور عالم بشریت آپ خیر البشر اور محاسن بشریت کا نقطہ کمال ہیں یہ تمام شانیں آپ ﷺ کی مستقل شانیں ہیں اور ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہر ہر عالم میں آپ شان یکتائی کے ساتھ موجود و جلوہ گر رہے، جلوہ گر ہیں اور جلوہ گر رہیں گے اور بالآخر میدان حشر میں آپ ﷺ اپنی تمام تر شانوں کے ساتھ بیک وقت ظہور فرما کر مقام محمود پر فائز کئے جائیں گے۔

......☆......
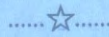
سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا تیسرا فکری دھارا

دنیا و عقبٰی میں مقام حاکمیت مصطفوی اور آپ کا تصرف و اختیار

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا دوسرا فکری و اعتقادی دھارا دنیا و عقبٰی میں آپ ﷺ کا یہ مقامِ ذیشان ہے کہ احکم الحاکمین نے عالم خلق و عالم امر کی بساط آپ ﷺ کی لئے بچھائی ہے آپ ﷺ ہی وجہ تخلیق کائنات اور رونقِ بزمِ شش جہات ہیں نیز کائنات ارض سما کی ہر ہر شے نہ صرف آپ ﷺ کے لئے پیدا کی گئی ہے بلکہ آپ کے لئے مسخر بھی کر دی گئی ہے۔ اور دنیا و آخرت کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو آپ کے مربی و مہربان رب نے آپ کے تصرف و اختیار میں نہ دے دی ہو۔

کائنات ارض وسما کی تخلیق کس کے لئے؟

اہلِ محبت کا یہ عقیدہ ہے کہ رب محمد نے کائنات ارض وسما کی بساط اپنے حبیب مکرم حضور ختمی مرتبت ﷺ کے لئے بچھائی ہے اور اگر آپ ﷺ کو پیدا کیا جانا مقصود نہ ہوتا تو رب تعالیٰ دنیا و عقبٰی کی کوئی شے پیدا نہ فرماتا۔ اہل محبت سے تعلق رکھنے والے علماء آپ ﷺ کی اس شان اقدس کا استنباط عموماً ان احادیث قدسیہ سے کرتے ہیں۔

📖 **عن ابن عباس ...... قال اللّٰہ تعالیٰ یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ و لولاک ما خلقت النار.** (دیلمی)

ترجمہ: ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد اگر تم نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں نار کو پیدا نہ کرتا۔

ملا علی قاری کی روایت میں ہے:

📖 **لولاک لما خلقت الافلاک.**

ترجمہ: اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔

موضوعاتِ کبیر میں لکھا ہے معناہ صحیح (یہ معنوی طور پر صحیح ہے)۔

اہلِ محبت کے دین و ایمان کی جان اس عقیدے پر معاندینِ عقیدہ یہ کہہ کر طنز کرتے ہیں کہ جن احادیث سے یہ عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ ضعیف یا موضوعہ ہیں ایسی احادیث پر عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اہلِ محبت کا یہ عقیدہ محض ان احادیث پر ہی استوار نہیں بلکہ راقم نے بفضلہٖ تعالیٰ اس کا ایمان افروز اور باطل شکن استنباط قرآن سے کیا ہے۔

عقیدہ ہٰذا کا قرآن سے استنباط:

قرآن میں ایک مقام پر عاشقانِ الٰہی کے اپنے آقا و مولا کے ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے معمول، مظاہرِ کائنات میں ان کے تفکر اور پھر ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ایک پکار کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

📖 **اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا.**

ترجمہ: جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں کے بل بھی اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور (ارض و سماوات میں اللہ کی قدرت کے مناظر دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب یہ سب کچھ تو نے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

عشقِ الٰہی میں سرشار اور کائنات ارض و سما میں اس کی شان تخلیق کے گونا گوں مظاہر میں غور و تفکر کرنے والے ذاکرین کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی پکار کیا چیز بے نقاب کر رہی ہے یہی کہ رب العزت نے کائنات ارض و سما کو بے مقصد و عبث پیدا نہیں کیا بلکہ ان کی تخلیق کا کوئی خاص مقصد ہے۔

تو پھر تخلیق کائنات کا مقصد کیا ہے:

قرآن کے مطالعہ سے تخلیق کائنات کے دو مقاصد سامنے آتے ہیں:

۱۔ کائنات ارض و سما اور عالمِ امر و عالمِ خلق کے تمام مظاہر ربِ کائنات کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور تمام مظاہر کائنات طوعاً و کرھاً اس کی بندگی کر رہے ہیں جیسا کہ سورہ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

📖 وَ لَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡهًا. (سورہ آل عمران:۸۳)

ترجمہ: اور اس کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا بامر مجبوری۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

📖 وَ لِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡهًا وَّ ظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ. (سورہ الرعد:۱۵)

ترجمہ: اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جسے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا مجبوری سے اور ان کی پرچھائیاں (بھی) ہر صبح و شام۔

۲۔ کائنات ارض وسما کے تمام مظاہر کو انسان کے لئے پیدا کیا گیا۔

قرآن میں متعدد مقامات پر کائنات ارض وسما کی تخلیق کا یہ مقصد بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

وَ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ. (القرآن)

ترجمہ: اور اس نے تمہارے لئے ہی پیدا کیا جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ. (القرآن)

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ حضرت انسان کے لئے سب کچھ پیدا کیا گیا بلکہ اسے انسان کے لئے مسخر بھی کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ. (القرآن)

ترجمہ: اور اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔

اس حقیقت کا اظہار قرآن میں درجنوں مقامات پر ہے کہ رب العزت نے کائنات ارض و سما میں جو کچھ بھی پیدا کیا اسے انسان کے لئے پیدا کیا گیا اور اسے ابن آدم کے لئے مسخر (یعنی تابع) بھی کر دیا گیا ہے اب آگے یہ حضرت انسان کی ہمت ہے کہ تسخیر کائنات کے سفر میں اس کی روحانی پروازوں یا سائنسی جولانیوں کی پہنچ کہاں تک ہے یا انسان کے لئے تسخیر ارض وسما کی معراج کیا ہے۔

البتہ ترجمان حقیقت شاعر مشرق نے تو یہاں تک کہہ دیا ہوا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰے سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

عقلِ ناداں کا دہرا معیار:

خیر یہ تو ایک جملہ مقرضہ تھا جو نوک قلم پر آ گیا۔ اب چلتے ہیں اپنے مقصود کی طرف آیات بالا سے یہ بات تو پایہ ثبوت تک پہنچ ہی گئی ہے کہ ارض وسماوات کی تمام کائنات رب کائنات نے بنی نوع انسان کے لئے پیدا کی ہے اور اس استنباط بلکہ واضح نصِ قرآن سے عقل ناداں کو انکار نہیں وہ بطیب خاطر اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ کائنات ارض سما جملہ ابن آدم کے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن جب ہم بنصِ حدیث کہتے ہیں کہ کائنات ارض وسما رب محمد نے اپنے محبوب ﷺ کے لئے پیدا کی ہے تو اسے انقباض ہونے لگتا ہے اور یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی کہ رب العالمین نے کائنات ارض و سما اپنے محبوب کے لئے پیدا کی ہے۔ عقل ناداں کو یہ عقیدہ محض مبالغہ اور رطب ویابس دکھائی دیتا ہے اور وہ ان روایات کو ضعیف قرار دے کر اس عقیدے کے قائلین کو مبالغے اور دین میں غلو کا الزام دیتی ہے اور بسا اوقات اہلِ محبت کا تمسخر تک اُڑانے سے باز نہیں آتی۔

افسوس اس بات پر ہے کہ وہ بنصِ قرآن کائنات ارض وسما کا بنی نوع انسان کے لئے پیدا کیا جانا تو قبول کر لیتی ہے اور سبحان اللہ! سبحان اللہ کہتے ہوئے نہیں تھکتی کہ دیکھو رب العالمین نے سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا ہے لیکن جب اہل محبت یہ کہتے ہیں کہ رب کائنات نے کائنات اپنے محبوب ﷺ کے لئے پیدا کی ہے تو اسے یہ بات ہضم نہیں ہوتی اور وہ ناروا انقباض کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسے عقل ناداں کی بدنصیبی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ وہ ایک بات کو پوری ابنِ آدم کے لئے تو ماننے کو تیار ہے لیکن اس بات کو شاہکار ربوبیت وافتخار آدمیت جیسی ہستی کے لئے ماننے کو تیار نہیں۔

مذکورہ آیات ہی سے مقام مصطفوی ﷺ کا استنباط:

بفرضِ محال ہم مان لیتے ہیں کہ مذکورہ آیات کا مصداق پوری ابن آدم ہے اور خَلَقَكُمْ سے

مراد پوری نسل انسانی ہے اور بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے لیکن اگر ان آیات کو بنظر عرفان اور حب مصطفوی ﷺ کا عدسہ درمیان میں رکھ کر دیکھا جائے تو یہ ایمان افروز حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان ارشادات ربانی کی حقیقی و واقعی مصداق صرف اور صرف حبیب خدا ﷺ ہی کی ذات ہے نسل انسانی تمام تر ایمانی و روحانی پرواز اور سائنسی و مادی ترقی کے باوجود من حیث المجموع بھی ان ارشادات ربانی کا مصداق نہیں بن سکتی

ہے کوئی مدعی اس بات کا؟

کیا آج کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا، بڑے سے بڑا جادوگر یا بڑے سے بڑا سائنسدان یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس نے کائنات ارض وسما کی ساری بلندیوں کو چھولیا ہے یا کائنات کے تمام رازوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ روحانی پرواز کے اعتبار سے کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جو اس طرح کا دعویٰ کرسکے البتہ سائنسی ترقیوں نے چشم انسانی پر کائنات کے بڑے بڑے نادر راز ہائے سربستہ بے نقاب کئے ہیں اور اس کی تسخیر کے قدم مریخ تک جا پہنچے ہیں اور اس نے مظاہر کائنات میں کارفرما مختلف قوانین اور ہمہ نوع اسرار کو بے نقاب کرکے انسانی ترقیوں کے نئے سے نئے باب کھولے اور طرح طرح کی ایجادوں سے دامن تمدن کو مالا مال کر دیا ہے ایٹم تک کا سینہ چاک کرکے ہائیڈروجن بم جیسے تباہ کن ہتھیار تیار کرڈالے ہیں یہ سب مظاہر خَلَقَكُمْ اور سَخَّرَلَكُمْ کی حقانیت کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن یہ امر اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود سائنس کائنات ارض وسما کے کروڑویں حصے کا بھی صحیح ادراک نہیں کرسکی چہ جائیکہ اس نے جملہ راز ہائے کائنات کو بے نقاب یا مظاہر کائنات کو تسخیر کرلیا ہو۔

ذاتِ مصطفوی ﷺ بیان خداوندی کی مصدق بن کر سامنے آتی ہے:

ایک طرف بیان خداوندی ہے کہ ہم نے کائناتِ ارض وسما کو انسان کے لئے پیدا اور مسخر کیا

ہے دوسری طرف امر واقعی یہ ہے کہ پوری کی پوری انسانیت اپنی تمام تر مادی و سائنسی ترقی کے باوجود کائنات ارض و سما کا کروڑواں حصہ بھی تسخیر نہیں کر سکی یا اسے اپنے تحت یا استعمال میں نہیں لا سکی تو ایسے میں بیانات خداوندی کو الزامِ کذب سے بچانے کیلئے شانِ مصطفوی ﷺ میدان میں اترتی ہے اور بزبان حال یہ حقیقت بے نقاب کرتی ہے کہ ہاں پورے قافلہ انسانیت میں ایک ہستی ایسی ہے جو اس شان کی مالک ہے کہ جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ کائنات ارض و سما رب العالمین نے اس کے لئے بنائی ہے اور پھر اسے اس کے تابع بھی کر دیا ہے اور وہ ہستی حبیب خدا کی ہستی ہے جو مقصود بزم کائنات بھی ہے اور رونق بزم شش جہان بھی۔

شانِ مصطفوی بیانِ خداوندی کی صداقت پر دلیل بنتی ہے:

اگر پورے قافلہ انسانیت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو ان ارشادات خداوندی کا مصداق نہ بن سکے تو پھر رب العزت کا یہ کہنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ میں نے کائنات ارض و سما تمہارے لئے پیدا کی ہے اور کائنات ارض و سما کو تمہارے لئے مسخر بھی کر دیا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کے لئے کائنات کو مسخر کر دیا ہو اور پورے کاروان انسانیت میں ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو ارشاد ربانی کا مصداق بننے کی اہلیت رکھتا ہو تو پھر ارشاد ربانی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور اس پر غلط یا خلاف واقعہ ہونے کا الزام آتا ہے۔

توحید دعویٰ/ رسالت دلیل ...... دعویٰ خدا/ دلیل رسولِ خدا:

رب العالمین عالم الغیب ہے اگر اسے معلوم تھا کہ کاروان انسانی میں سے کوئی ایک شخص بھی اس کے ارشادات کا مصداق ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا تو پھر اُسے ایسا بیان جاری کرنیکی ضرورت کیا تھی رب العزت کے ان بیانات وارشادات کی سچائی اور ان کا بھرم اسی میں ہے کہ بنی نوع انسان میں کوئی ایک فرد تو ایسا ضرور ہو جو ان ارشادات کا مصداق بن سکے اور وہ فرد ذیشان ذات محمدی ہے۔

ذاتِ محمدی ﷺ ذاتِ خداوندی کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت رب تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی صفات صفات الٰہی پر دلیل ہیں۔ جہاں جہاں رب کی توحید کو منکرین کا سامنا ہوا ہے۔ رسالت محمدی اس پر دلیل بن کر سامنے آئی ہے۔ جہاں جہاں وجود باری تعالیٰ کے عقیدے کو معاندین حق کا سامنا ہوا، ذات مصطفوی بنفس نفیس وجود باری تعالیٰ پر دلیل بن کر سامنے آ گئی۔ جب جب اور جہاں جہاں رب العزت کے علم کو منکرین کا سامنا ہوا علم مصطفوی علم خداوندی کی دلیل بن کر سامنے آ گیا اسی طرح جب بھی رب تعالیٰ کی شان قدرت کے عقیدے کو منکرین کا سامنا ہوا تصرف و اختیار مصطفوی دلیل بن کر سامنے آ گیا۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے مذکورہ ارشادات کا مصداق ابنِ آدم پوری کی پوری نہ بن سکی اور ان ارشادات میں مذکور استحقاق کو اپنے لئے ثابت نہ کر سکی تو ذاتِ محمدی سامنے آئی ارشادات مذکورہ کا مصداق بلکہ مصداقِ حقیقی و اصلی اور مصداق اتم بن کر ارشادات ربانی کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر گئی اور ارشاد ربانی کو کذب یا خلاف واقع ہونے کے الزام سے بچا لیا اور عقل ناداں کو بتا دیا کہ ہاں تمہارے محسن و مہربان رب کے ان ارشادات کی مصداق کوئی ذات ہے تو وہ میں ہوں اہلِ محبت کی خوش بختی کہ حب رسول کے صدقے انہیں یہ عقیدہ نصیب ہوا کہ کائنات ارض و سما سب کی سب رب محمد نے محمد ﷺ کے لئے پیدا کی ہے اور یہ کائنات جس کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کے تصرف میں بھی دے دی گئی ہے۔ کیونکہ رب محمد ﷺ کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک چیز پیدا تو اپنے محبوب کے لئے کرے لیکن اسے محبوب سے بچا بچا اور چھپا چھپا کے رکھے اور جب اس کا پیار کسی شے کی طرف آنکھ اٹھانے یا ہاتھ بڑھانے لگے تو کہے کہ تو اسے دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتا یا اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔

ایک نصیحت عقل ناداں کے نام:

اے عقل ناداں! اے بے عقل ہوش کے ناخن لے اور تو بھی رب کے محبوب کو اس

عدسہ ایمان کے ذریعے دیکھنے کی کوشش کر جس کا نام حب رسول ﷺ ہے اور ایک دعا ہمیشہ کیلئے حرزِ جان بنالے کہ اے رب محمد ﷺ مجھے اپنے محبوب کی معرفت عطا کردے۔ دعا شرط ہے پھر دیکھنا رب محمد ﷺ کس طرح تیری آنکھوں پر پڑے حجاب اُتارتا اور تجھے اپنے محبوب کی عظمت شان کے جلوے دکھاتا ہے۔

عقل ناداں سے ایک عاجزانہ سوال:

اے عقلِ ناداں ذرا اس بات کا جواب دے کہ کائنات ارض وسما کے گونا گوں مظاہر سے کیا رب تعالیٰ کی کوئی ذاتی ضرورت وابستہ ہے کوئی حاجت وابستہ ہے کیا اُسے ارض وسماوات کی کسی شے کی احتیاج ہے۔ جواب تیرا بھی یہی ہوگا کہ ایسا ہرگز نہیں وہ صمدیت کی شان کا مالک ہے وہ غنی عن العالمین اور پھر یہ کائنات ارض وسما بے مقصد بھی پیدا نہیں گئی تو پھر یہ مان لینے میں آخر کیا حرج ہے کہ کائنات ارض وسماوات کی بساط اس نے اپنے محبوب کے لئے بچھائی اور پھر اتنا ہی نہیں کہا بلکہ جس کے لئے بنائی ہے اسے اس پر تصرف واختیار بھی دیا ہے کیونکہ عقلاً ونقلاً یہ بات محال ہے کہ کوئی شے کسی کے لئے بنائی جائے اور پھر نہ تو اسے اس شے کو دیکھنے دیا جائے اور نہ ہی اسے اس شے پر کسی قسم کا کوئی اختیار یا تصرف دیا جائے۔ بحمد اللہ عقل ناداں کا یہ الزام دھل گیا کہ اہلِ محبت اس عقیدے کو قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے اور اس عقیدے کے اثبات میں کمزور دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں اور یہ عقیدہ محض ایک خام خیالی مقام رسول کے بارے میں محض حسنِ ظن اور مبالغہ آرائی وغلو کے علاوہ کچھ نہیں۔

کائنات ارض وسما میں تصرفاتِ مصطفوی کا عالم کیا ہے:

اب ہم اس عقیدے کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں یعنی کائنات ارض وسما جو رب محمد نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے بنائی اور اسے آپ ﷺ کے لئے مسخر کر دیا ہے تو کائنات ارض وسما

اور دنیا عقبیٰ میں نائب دستِ قدرت اس ہستی کے تصرفات و اختیارات کا عالم کیا ہے۔ علماء اہل محبت نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ ہذا پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس ضمن میں ہم چند ایک حوالہ جات ہی پیش کریں گے جن سے مذکورہ عقیدے کا استنباط مقصود ہے اس عقیدے کی بنیاد ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ قرآن کی رو سے اس قدر مضبوط طور پر رکھ دی ہے کہ جس کی تردید عقل ناداں کے بس کی بات نہیں

تصرفاتِ مصطفوی ﷺ کی ایک جھلک:

۱۔ نائب دست قدرت حضور ختمی مرتبت ﷺ کے اشارے سے چاند دولخت ہوگیا۔

۲۔ اصلِ کائنات حضور ختمی مرتبت ﷺ کی دعا سے سورج واپس پلٹ آیا۔

۳۔ آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے پر سرزمین طیبہ پر موسلا دھار بارش برساتے ہوئے بادلوں نے اپنا دامن برسات سمیٹ لیا۔ بادل فضائے مدینہ سے ہٹ کر ایک ہالے کی صورت میں اکنافِ مدینہ پر برسنے لگے۔

۴۔ آپ ﷺ کے کہنے پر درخت آپ ﷺ کی خدمت میں زمین کا سینہ پھاڑتے ہوئے چل کر آئے اور آپ ﷺ کی نبوت پر گواہی دی۔

۵۔ آپ ﷺ کے کہنے پر معاندین حق کی مٹھی میں بند کنکروں نے آپ کی نبوت پر شہادت دی۔

۶۔ آپ ﷺ کے مربی و مہربان رب نے حلت و حرمت کے معاملات آپ کے سپرد فرمائے رب العزت کے خلیفہ اعظم اور نائب و رسول ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ نے کتنی چیزوں کو حلال یا حرام ڈیکلیئر کیا اور آپ کا یہ اختیار تشریعی متعدد آیات قرآنی سے ثابت ہے جیسے فرمایا گیا:

📖 وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ یُحَرِّمُهُمُ الْخَبٰٓئِثَ. (القرآن)

ترجمہ: اور یہ برگزیدہ نبی ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور خبیث چیزیں حرام ٹھہراتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

ترجمہ: جو کچھ یہ رسول تمہیں عطا کرے وہ لے لو اور جس سے روک دے رک جاؤ

ہر دور میں بیشتر علماء و محققین کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ رب تعالیٰ کا نائب و خلیفہ اعظم ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کو کائنات ارض و سما میں بے پایاں تصرف و اختیار حاصل ہے۔ بایں سلسلہ چند مثالیں نذر قارئین ہیں:

۱- حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

و انی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مجھے تمام زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں۔

شیخ المحدثین امام عبدالرؤف مناوی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

خص حبیبه باعطاء مفاتیح خزائن المواهب فلا یخرج منها شئ الا علی یده. (فیض الباری جلد اوّل:۵۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو نعمتوں کے خزانوں کی چابیاں مخصوص کر دی ہیں اب کوئی شے ان سے نہیں نکلتی مگر آپ کے ہاتھ سے۔

اس طرح دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین میں تصرفات سپرد کئے اور آپ ﷺ نے عاجزی کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے مزید شفقت فرماتے ہوئے اس کے عوض آسمانوں کے خزانوں میں آپ ﷺ کو تصرف عطا کیا مثلاً غروب کے بعد سورج کا لوٹنا، چاند کا دو ٹکرے ہونا، آسمانوں کا پھٹنا، بارش کا برسنا اور رک جانا، ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا سایہ کرنا وغیرہ بحوالہ شان نبوت صفحہ ۱۱۸ (مفتی محمد خان قادری)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک عدد روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا' رعب ودبدبہ سے میری مدد کی گئی اور میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کرتے ہوئے میرے قبضہ میں دے دی گئیں (المسلم :۱:۱۹۹)

شارحین حدیث نے ان احادیث کی شرح میں کیا کیا خوب لکھا ہے۔ابن حجر لکھتے ہیں آپ ﷺ اللہ کے خلیفہ ہیں اور اللہ نے اپنے کرم کے خزانے اور نعمتوں کے دستر خوان آپ کے قبضہ اور ارادے کے تحت کر دیئے ہیں آپ ﷺ ان میں جس کو چاہیں عطا فرمادیں اور جس سے چاہیں روک دیں۔(الجواہرالمنظم :۴۲)

شارح بخاری امام قسطلانی نے تو بایں سلسلہ حق محبت ادا کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''آپ رازوں کا خزانہ ہیں اور اُمور کے نفاذ کے مرکز۔ ہر معاملہ آپ ﷺ ہی سے نافذ ہوتا ہے اور ہر چیز آپ ہی سے حاصل ہوتی ہے''۔

(المواہب مع زرقانی:۱:۳۴۱)

اور ایسا ہو بھی کیوں نہ کہ آپ کے رب نے آپ کو جملہ خزائن کا قاسم بنایا ہے۔

📖 **انما انا قاسم والله یوتی.**

ترجمہ: میں تقسیم کرنیوالا ہوں جبکہ عطا (ساری کی ساری) اللہ کی ہے۔

۳۔ پھر حضرت ربیعہ بن کعب والی روایت کسے یاد نہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میں رات کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا، تہجد وغیرہ کے وقت آپ ﷺ کو وضو کے لئے پانی پیش کرتا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے ربیعہ:

📖 **سل فقلت اسئلک مرافقک فی الجنة.** (المسلم، باب فضل السجود)

ترجمہ: مانگ! میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔آپ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ۔ میں نے عرض کیا حضور یہی کافی ہے فرمایا کثرت سجود کے ساتھ اپنی ذات کے حوالے سے میری مدد کر۔

فرمان بالا درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ رب العزت نے آپ کو کامل اختیارات سے نواز رکھا ہے۔

۲۔ اگر کسی کے پاس غیر مشروط اختیار نہ ہو تو وہ کسی کو کیسے کہہ سکتا ہے مانگ جو چاہے۔

۳۔ صحابی کا سوال بھی بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ کو جنت تک عطا کرنے کا اختیار آپ کے رب نے دے رکھا ہے۔

۴۔ صحابہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کائنات عالم میں اپنے رب کی طرف سے متصرف و مختار ہیں اور ان کا عقیدہ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ انہوں نے اپنے کانوں سے آقا ﷺ کا یہ فرمان سن رکھا تھا **انما انا قاسمُ واللہ یوتی.**

۵۔ آپ ﷺ نے جنت کا وعدہ کر کے اپنے اختیار پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ورنہ آپ ﷺ کہہ سکتے تھے کہ یہ کام میرے بس میں نہیں۔

۶۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کوئی طلب ہے تو پیش کر۔

۷۔ صحابی نے جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کو ہی اپنے لئے خوش بختی کا نکتہ کمال سمجھا۔

۸۔ ''اپنی ذات کے حوالے سے آپ ﷺ کے ''علاکم الفاظ فرمادیکے کہ وہ اس خوش بختی پر بطور تشکر کثرت سجود کو اپنا معمول بنالے وگرنہ جنت میں رفاقت کا وعدہ تو وہ پہلے ہی فرما چکے تھے اسی لئے تو فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی طلب ہے تو پیش کر۔

آئمہ امت نے حدیث بالا کے حوالے سے جو تصریحات فرمائی ہیں ایک سے بڑھ کر ایک ایمان افروز اور وجد آفریں ہیں۔

انبیاء کرام کو حاصل اختیارات:

عقلِ ناداں کو تو نائب دست قدرت سرور انبیاء ﷺ کو حاصل اختیارات و تصرفات سے

انکار ہے لیکن ربِ محمد ﷺ کا تو یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ قافلہ انبیاء سے متعلق ذیشان افراد کو ہر دور میں اس دور کی ضرورت کے حوالے سے مختلف اختیارات عطا کرتا رہا ہے جنہیں قرآن میں آیاتِ بینات کا نام دیا گیا اور انہیں اختیارات کو بعد میں معجزات کے عنوان سے موسوم کیا گیا۔

حضرت سلیمانؑ کی شان تصرف و اختیار:

قافلہ انبیاء کے ایک فرد ذی وقار حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے رب نے ہواؤں پر اقتدار دیا ان کی حکومت جنوں، دیوی دیویوں اور پرندوں وغیرہ پر تھی اور یہ سارا کرم اُن کی دعا کی قبولیت کے طور پر تھا جو انہوں نے رب العالمین کی بارگاہ میں کی تھی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّاب. فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ.......... (القرآن)

ترجمہ: بولے میرے رب کریم مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی حکومت وسلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ بلا شبہ تو ہی بڑی عطا والا ہے تو ہم نے ہوا کو ان کے تصرف میں دے دیا اور وہ ان کے حکم سے دھیمے دھیمے چلتی جہاں وہ چاہتے اور ہم نے جنات بھی ان کے اختیار میں دے دیئے۔

اسی طرح سورہ سبا میں ان کی مذکورہ شانِ تصرف وسلطنت کا ذکر ان لفظوں میں ہوا:

وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ وَ اَسَلْنَا لَهُ عَیْنَ الْقِطْرِ ط وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ .... (سورہ السبا:۱۲)

ترجمہ: اور سلیمان کے بس میں ہوا کو دے دیا اس صبح کی منزل ایک مہینے کی مسافت اور شام کی منزل ایک مہینے کی مسافت تھی اور ہم نے ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ بنایا اور جنوں میں سے وہ جو ان کے آگے کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم سے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری کا مقامِ تصرف:

عقلِ ناداں کو تو تصرف مصطفٰے کے اقرار سے اعراض ہے جبکہ رب مصطفٰے ﷺ کی اپنی محبوب و مقبول بندوں پر عطاؤں کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ایک برگزیدہ نبی کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے تربیت پانے والے شخص کو بے پایاں تصرفات سے نواز دیتا ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اطلاع ہوئی کہ ملکہ سبا مطیع ہو کر ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑی ہے تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ ملکہ کو اپنے اقتدار اور نبوی شانِ جلالت کا منظر دکھایا جائے سو انہوں نے اپنے درباریوں کو (جن میں بڑے بڑے نامی گرامی جن اور آپ علیہ السلام کے پروردہ اصحاب بھی موجود تھے) مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

📖 قَالَ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ. (سورہ النمل:۳۸)

ترجمہ: تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت اس کے مسلمان ہو کر میرے پاس آنے سے پہلے لا سکے۔

ایک جن اٹھا اور اس نے عرض کی:

📖 اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ .... (سورہ النمل:۳۹)

ترجمہ: میں اسے آپ کی مجلس برساخت ہونے سے پہلے لے آتا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام گویا ہوئے نہیں ہمیں اس سے بھی پہلے چاہئے۔ اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے عرض کیا:

📖 قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ. (سورہ النمل:۴۰)

ترجمہ: ایک شخص جس کے پاس کتاب سے علم تھا بولا میں اسے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لے آتا ہوں۔

مذکورہ آیات سے چند نہایت اہم اور ایمان افروز نکات سامنے آئے:

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عمل سے واضح ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اختیارات و تصرفات عطا فرماتا ہے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت اپنے دربار میں حاضر دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ رب العزت سے دعا بھی کر سکتے تھے کہ رب العالمین ملکہ کے تخت کو میرے دربار میں حاضر کر دے خود بھی تخت کو اپنے تصرف سے اپنے دربار میں لا سکتے تھے کیونکہ رب العزت نے انہیں خود بھی بے پایاں اختیارات و تصرفات سے نواز رکھا تھا لیکن نہ انہوں نے دعا کی نہ اپنا اختیار استعمال کیا۔

۳۔ کسی بظاہر ناممکن اور مافوق العادت کام کی انجام دہی کے لئے کسی ایسے شخص سے بھی کہا جا سکتا ہے جسے باذنِ الٰہی، اس کام کی انجام دہی کی طاقت و استطاعت ہو۔ ایسا حکم یا ایسی درخواست جائز ہے اور عقل ناداں کو اس طرح کے معاملات میں شرک کا الزام دینے سے مجتنب رہنا چاہیے۔

۴۔ باذنِ الٰہی ماموراپسے تصرف کے حامل شخص سے اس طرح کا سوال یا مطالبہ کرنا ایک نبی کی سنت سے ثابت ہے اور اس واقعہ کا ذکر خود رب نے اپنے قرآن میں کیا۔

۵۔ جن کی پیشکش حضرت سلیمان علیہ السلام نے قبول نہ کی۔ آپ چاہتے تھے کہ اس سے بھی پہلے تخت ان کے دربار میں موجود ہونا چاہیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ اس سے پہلے بھی تخت لانے کی قدرت ان کے درباریوں میں سے کسی میں موجود ہے۔

۶۔ اتنی بڑی مسافت سے تخت دربار میں حاضر کر دینا بجائے خود اس بات پر دلیل ہے کہ رب تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو مافوق العادت امور انجام دینے کی طاقت عطا کر دیتا ہے۔

۷۔ ”یہ میرے رب کا فضل ہے“ کہہ کرے ایک ولی اللہ نے واضح کر دیا کہ یہ تصرف و اختیار

بندوں پر ان کے رب کا فضل خاص ہوتا ہے اور اس جیسے فضل خاص کے حامل لوگوں سے مدد طلب کرنا توحید کے منافی نہیں۔ بندگانِ خاص اللہ ہی کے اذن سے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

بندگان خاص کو یہ تصرفات کب حاصل ہوتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کی توانائیاں اور اختیارات وتصرفات جو رب کے مقرب و خاص کو حاصل ہوتے ہیں وہ سراسر عطائے الٰہی ہوتے ہیں۔ بندہ جب حق بندگی ادا کرتے ہوئے فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو اس کی توانائیاں اس کی ذاتی نہیں رہ جاتیں وہ قرب خداوندی میں رہ کر اس کے صفاتی جلوؤں کے حصار میں آجاتا اور اپنے رب کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ وہ اسی کی خصوصی عطا سے حاصل شدہ توانائی سے دیکھتا سنتا، پکڑتا، چلتا ارادہ کرتا اور تصرفات بروئے کار لاتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

📖 **بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق و بی یمشی.**

ترجمہ: وہ میرے نور سے سنتا، دیکھتا، بولتا اور چلتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

"یہ ارشاد مبارک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان بندگان مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ نہیں رہ جاتا وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے کوئی حصہ باقی رہ جاتا تو اللہ تعالیٰ یہ ہرگز نہ فرماتا کہ میں ان کی سمع و بصر بن جاتا ہوں۔

حاصلِ کلام:

جب انبیاء ورسل کی صحبت و تربیت میں رہنے والے مردانِ حق کو اپنے نبی کی مخلصانہ اور بہ دل و جان اتباع کی برکت سے ربِ تعالیٰ انہیں بے پایاں تصرفات و اختیارات عطا کر دیتا ہے تو پھر وہ

ہستی جو وجہ بزمِ کائنات ہے جو محبوبِ رب العالمین و خاتم النبیین اور اُسکی شانِ ربوبیت کی مظہر اتم اور پرتو کامل ہے تو پھر رب ہی کی پیدا کی ہوئی کائنات میں اس کے تصرفات و اختیارات کا عالم کیا ہوگا یہ کوئی سربستہ راز نہیں رہ جاتا۔ عقلِ نادان اگر خود خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ حقیقی نسبت و تعلق اور حقیقی محبت و اتباع اور اس کے نتیجے میں ہونے والے انعامات و تصرفات سے محروم ہے تو اسے اس کی شومیِ قسمت کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے درباریوں سے کہیں بڑھ کر اولیائے اُمتِ محمدی ﷺ کا مقام ہے اور آپ ﷺ کے فیضانِ نظر سے حصہ فیض پانے والے ایسے صلحاء و اولیاء اُمتِ محمدی ﷺ کے ہر دَور میں موجود رہے ہیں۔ دَورِ حاضر میں بعض الوہی حکمتوں کے پیشِ نظر اگر اس طرح کی ہستیاں چشمِ عالم سے مخفی ہیں تو اس کا مطلب ہرگز ہرگز ایسا نہیں کہ رب کے خزانوں میں یا فیضانِ مصطفوی میں کوئی کمی آ گئی ہے۔ ایسے مردانِ خدا بظاہر نایاب ہو گئے ہیں ایسی جلیل القدر ہستیاں کسی الوہی حکمت کے تحت پسِ منظر میں چلی گئی ہیں۔ راقم کے پاس بہ لطفِ الٰہی بحمد للہ تعالیٰ اس کا بھی تسلی بخش اور چشم کشا جواب موجود ہے لیکن اس کے اظہار کا موقع نہیں۔

سرچشمۂ محبت سے جاری ہونے والا اگلا اعتقادی دھارا

شاہکارِ ربوبیت ﷺ کی شانِ مظہریت

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا اگلا اعتقادی دھارا یہ عقیدہ ہے کہ سرورِ انبیاء ﷺ کائنات ارض و سما میں رب و العزت کی شان ربوبیت کا شاہکار اعظم ہونے کی بنا پر ذات و صفات خداوندی کے پرتوِ کامل اور مظہرِ اتم ہیں۔ آپ ﷺ کا علم، علمِ الٰہی کا مظہر آپ ﷺ کا اختیار قدرت خداوندی کا آئینہ دار ہے۔

اہلِ محبت سے تعلق رکھنے والے علماء و محققین نے مسئلہ ہذا پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے

راقم نے بھی تصنیف ہذا کے دوسرے باب میں تصور رسالت کے تحت مسئلہ ہذا پر چند مباحث سپردِ قلم کئے ہیں نیز آپ ﷺ کی شانِ تصرف پر گذشتہ صفحات پر بھی تفصیلاً روشنی ڈال دی گئی ہے لہٰذا اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا ایک اور اعتقادی دھارا

مسئلہ حاضر و ناظر

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا ایک اور دھارا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات ارض و سما کی ہر ہر شے اصل کائنات یعنی سرور انبیاء علیہ اسلام کے لئے مسخر ہونے کی بنا پر آپ ﷺ کے زیر مشاہدہ ہے لہٰذا حقیقتاً ناظر ہونے کی بنا پر آپ ﷺ معناً ہر جگہ حاضر بھی ہیں۔

آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا استنباط بشمول دیگر آیات کے قرآن کے اس مقام سے ہوتا ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا. لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ....
(سورہ الفتح: ۸ تا ۹)

ترجمہ: (اے محبوب) بیشک ہم نے آپ ﷺ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

قرآن پاک کے مقام ہذا پر ہم اپنی تصنیف کے پہلے باب میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں۔ آیتِ ہذا نصابِ ایمان میں مقامِ مصطفوی ﷺ کے بیان میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے اور بتاتی ہے کہ اسلام اور ایمان اول و آخر نسبت مصطفویٰ ﷺ کے گرد گھومتا ہے اور آپ ﷺ کی مذکورہ تین شانیں یعنی شہادت اور تبشیر و تنذیر درحقیقت ایمان کے دروازے ہیں۔ جہاں بھی اور جب بھی کوئی انسان داخل ایمان ہوگا وہ انہی شانوں کو دیکھ کر سن کر یا پڑھ کر ہوگا لِتُؤۡمِنُوۡا کے الفاظ اسی بات پر

دلالت کر رہے ہیں کہ ذات وصفات مصطفوی ﷺ ہی ایمان کا نقطہ اوّل دین کا مرکز ومحور اور خدا تک رسائی کا واسطہ و وسیلہ ہیں۔

شانِ تبشیر و تنذیر سے پہلے شان شہادت کے تذکرے میں جو ایمانی رموز اور اعتقادی معارف موجود ہیں ان کا تفصیلی تذکرہ بھی ہم بابِ اوّل میں کر چکے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت نے کائنات ارض وسما اور دنیا و عقبیٰ کا گوشہ گوشہ آپ ﷺ کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ دنیا وآخرت قبر و برزخ، حشر ونشر اور جنت و دوزخ کی ساری تفصیلات آپ ﷺ پر منکشف ہیں۔ آپ ﷺ کے زیر مشاہدہ ہیں۔ جنت اپنی تمام تر نعمتوں اور رعنائیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے موجود ہے اسی طرح دوزخ بھی اپنی تمام تر اُلفتوں اور ایذاؤں کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہے آپ دنیا و آخرت، قبر و برزخ اور جنت و دوزخ میں سے جس جس چیز کو بشارت کا محل پائیں اس کی بشارت اور جس جس چیز کو بنائے تنذیر پائیں اس سے انسانوں کو متنبہ کرتے جائیں۔ رب العزت نے عالمِ خلق و امر کی ساری بساط آپ ﷺ کے سامنے بچھادی ہے ہر ہر شے اپنی حقیقت و ماہیت حسن و قبح اور انجام ومآل کے اعتبار سے آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہے۔ نگاہ ناز اٹھائیں اور ہر شے کے براہ راست مشاہدے کے بعد لوگوں کو انجام کار سے آگاہ کرتے چلے جائیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ رب العزت تو اپنے محبوب و برگزیدہ رسول کو ایک شان (شان شہادت) اس لئے عطا فرمائے کہ لوگ اس شان کی کارفرمائی دیکھ کر دائرہ ایمان میں داخل ہوں لیکن ایمان کا دعویدار ایک طبقہ محور دین وایمان اس ہستی کی اس شان ہی سے انکار کردے۔ اب تک تو ہم نے آپ ﷺ کی اس شان کا استنباط سورہ فتح کی مذکورہ آیت سے کیا۔ اب ہم فنی و تکنیکی حوالے سے آپ ﷺ کی اس شان یعنی مسئلہ حاضر و ناظر پر قرآن و حدیث اور علما اور محققین کی تصریحات کی روشنی میں مسئلہ ہذا پر استدلال کرتے ہیں تا کہ حقیقت اظہر من الشمس ہو کر نہ صرف واضح ہو جائے بلکہ ناقدین عقیدہ پر اتمام حجت قرار پائے۔

لفظ شہید کا لغوی معنی و اصطلاحی اطلاق:

قرآن حکیم میں سرور انبیاء ﷺ کی حاضر و ناظر ہونے کی شان کے بیان کے لئے لفظ شہید استعمال کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لغواً اس کا معنی متعین کر لیا جائے امام راغب اصفہانی نے اپنی تصنیف مفردات میں شہید کا معنی کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

الذی حضر والذی نظر فھو شاھد.

ترجمہ: جو شخص حاضر ہو اور ناظر بھی ہو پس وہ شاہد ہے۔

شاہد اور شہید دونوں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی شھود اور دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کا ترجمہ اہلِ علم اور مترجمین قرآن نے گواہ کیا ہے گواہ اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی واقعہ کا مشاہدہ کر رہا ہو خواہ وہ جائے وقوعہ پر جسماً موجود ہو یا نہ بھی ہو۔ اگر وہ جائے وقوعہ پر حاضر بھی ہو اور واقعے کا مشاہدہ بھی کر رہا ہو تو وہ حقیقتاً حاضر و ناظر کہلائے گا اور اگر وہ جسماً تو جائے وقوعہ پر موجود نہ ہو لیکن واقعہ پہ اس کی نظر ہو اسے حقیقتاً ناظر اور حکماً حاضر تصور کیا جائے گا۔ قانون شہادت کا یہ ایک ایسا مسلمہ اُصول ہے کہ جس سے کسی بھی ذی شعور انسان کو مجالِ انکار نہیں۔

حاضر و ناظر ہونے سے اہل محبت کی مراد کیا ہے:

جب اہلِ محبت رب العزت کے خلیفہ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ باذن الٰہی وسعتِ مشاہدہ کے اس مقامِ رفیع پر فائز ہیں کہ گویا کائنات کا ہتھیلی کی طرح مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہر جگہ علماً ناظر ہیں اور حکماً حاضر۔ عقیدہ حاضر و ناظر سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آپ ﷺ جسمانی طور پر کائنات میں ہر جگہ موجود ہیں۔

قرآن میں ایک مقام پر آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

📖 یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا .... (سورہ الاحزاب: ۴۵)

ترجمہ: اے نبی ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو گواہ بنا کر بھیجا۔

آیتِ ہذا کی تفسیر میں قاضی شوکانی مختلف آئمہ و محدثین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

📖 شاهد علی امتک و مبشرا بالجنة و نذیرا من النار. (فتح القدیر: جلد۴: ۲۸۹)

ترجمہ: تمہیں تمہاری امت پر گواہ جنت کی بشارت دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا بنایا۔

امام ابوسعود حنفی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

📖 شاهدا علی من بعثت الیهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم و تتحمل منهم الشهادة بما صدر عنهم من التصدیق والتکذیب و سائر ما هم علیه من الهدی فیما لهم و ما علیهم. (ارشاد العقل السلیم)

ترجمہ: آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف آپ ﷺ رسول بنائے گئے آپ ﷺ ان کے احوال کے نگہبان ہیں ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں ان کے افعال مثلاً تصدیق، تکذیب اور ہدایت و گمراہی کے بارے میں گواہ ہیں روز قیامت آپ ﷺ کی گواہی ان کے حق میں یا ان کے خلاف قبول کی جائے گی۔

سورہ بقرہ میں ﷺ کی اس شان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

📖 وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا. (سورہ البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اور رسول تم پر گواہ ہیں۔

آیت بالا میں تو تذکرہ امتِ مسلمہ پر گواہی کا ہے النساء میں اس طرح فرمایا گیا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا.

(سورہ النساء)

ترجمہ: وہ کیا منظر ہوگا جب ہم ہر امت پر گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان تمام پر گواہ بنا کر لایا جائے گا۔

مفسرین نے آیت ہذا کی تفسیر میں بڑی بڑی ایمان افروز تصریحات کی ہیں جن کا تذکرہ مفتی محمد خان قادری نے اپنی کتاب شان نبوت میں کیا ہے تمام کا احصاء ممکن نہیں امام فخر الدین رازی لفظ شاہد کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

انه شاهد على الخلق يوم القيامة. (مفاتیح الغیب: ۲۵ تا ۲۱۶)

ترجمہ: بیشک آپ ﷺ روز قیامت تمام مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

قاضی شوکانی نے امام ابن جریر کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّ سَطًا لِتَكُوْنُوْا شَهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" (بان الرسل قد بلغو) "وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (بما عملتم). (سورہ القدیر: ۱:۲۵)

ترجمہ: "اور اس طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ" کہ رسولوں نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا اور رسول تم پر گواہ ہو جائے یعنی وہ تمہارے (گواہی کے) عمل پر اپنی گواہی دے۔

گواہی کا بلا مشاہدہ کوئی تصور ہی نہیں:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ قیامت کے دن اعمال امت پر نیز اُمم سابقہ پر بھی گواہی دیں گے تو گواہ کے لئے تو کسی واقعہ کا علم اور مشاہدہ ضروری ہوتا ہے سو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ سب کے اعمال سے آگاہ ہیں پس اس ہستی کے لئے آگاہی کیونکر مشکل ہے جس کے لئے اس

کے رب نے قرآن میں علی الاطلاق شاہد کا لفظ استعمال فرمایا ہو اور اس کی شان مشاہدہ کا عالم یہ ہو:

📖 **کانما انظر الی کفی هذه.** (المواہب مع زرقانی:۲۰۴)

ترجمہ: گویا میں تمام دنیا کو ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند دیکھ رہا ہوں۔

کنزل العمال کی ایک ہدایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

📖 **تعرض علی اعمالکم.** (کنز العمال:۱۱:۴۰۷)

ترجمہ: تمہارے اعمال میری خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن اطیب فرماتے ہیں:

📖 **لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللّٰہ علیه و آلہٖ وسلم امته غدوة و عشیة فیعرفهم بسیماهم و اعمالهم فذلک یشهد علیهم یقول اللّٰہ تبارک و تعالٰی "فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَابِکَ هٰٓؤُلَآءِ شَهِیۡدًا."**
(اطامع لاحکام القرآن:۵:۱۲۹)

ترجمہ: آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں صبح و شام آپ ﷺ کی امت کو پیش کیا جاتا ہے آپ ﷺ ان کے اعمال سے ان کو پہچانتے ہیں۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد شاہد ہے وہ کیا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان تمام پر گواہ بنائیں گے۔

مسئلہ حاضر و ناظر پر ایک اہم اور منہ بولتی دلیل:

مسئلہ ہذا پر ایک خوبصورت نہایت اہم اور ناطق دلیل وہ الفاظ ہیں جو کرۂ ارض کے کونے کونے میں کروڑوں اہلِ ایمان اپنی تمام نمازوں میں والی امتِ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ میں مخاطب ہو کر آپ ﷺ کو سلام پیش کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔

📖 **السلام علیکَ ایها النبی و رحمة اللّٰہِ و برکاتهٗ.**

ترجمہ: اے نبی ﷺ آپ ﷺ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی طرف سے برکتوں کا نزول ہو۔

دلیلِ ہذا پر محقق العصر مفتی محمد خان قادری صاحب نے اپنی تصنیف میں بڑی ایمان افروز اور باطل شکن گفتگو کی ہے۔ ناظرین ان کی تصنیف شانِ رسالت کا مطالعہ کریں۔

حاصل کلام:

عقیدہ حاضر و ناظر پر قرآن و حدیث اور اکابرین امت کی تصریحات کا اختتام ہم شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ پر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ''اور باوجود اس قدر اختلاف اور بکثرت مذاہب کے جو علماء امت میں ہیں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ پر اختلاف نہیں ہے کہ حضور ﷺ بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم تاویل حقیقت حیات کے ساتھ دائم و باقی ہیں اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبان حقیقت اور متوجہ ہونے والوں کو فیض دیتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

(اخبار الاخبار مع مکتوبات: ۱۵۵)

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی تفسیر عزیزی میں مسئلہ ہذا پر فرماتے ہیں:

''یعنی تمہارے رسول تم پر گواہ ہیں کیونکہ حضور ﷺ نورِ نبوت سے ہر دیندار کے اس مرتبے پر مطلع ہیں جس تک وہ پہنچا ہے اور اس سے بھی آگاہ ہیں کہ اس کے ایمان کی کیفیت کیا ہے اور اس حجاب سے بھی آگاہ ہیں جس کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تو حضور تمہارے گناہوں، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق پر آگاہ ہیں اس لئے آپ ﷺ کی شہادت دنیا و آخرت میں امت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔'' (تفسیر عزیزی پ۲: ۵۱۸)

سبحان اللہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا یہ قول مسئلہ ہذا پر قول فیصل کا

درجہ رکھتا ہے یہی عقیدہ ہر دور میں امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ رہا ہے اہلِ محبت اسی عقیدہ واضحہ کے وارث ہیں جو دور صحابہ دور تابعین دور تبع تابعین اور بعد کے تمام ادوار سے گزرتا ہوا آج امت تک پہنچا ہے۔

ایک ایمان پرور اور پُر ذوق نقطہ:

حاضری کی نسبت مخلوق کی طرف اور ناظری کی نسبت حضور کی طرف:

شاھدً ومبشراً ونذیراً کی شانِ یگانہ کے حامل حضور ختمی مرتبت کائنات عالم میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یہی ہر دور میں سواد اعظم کا عقیدہ رہا ہے۔ بندہ عاجز و کمترین کا ذوقِ ایمان اس عقیدے کو کچھ اس طرح بیان کرنے کی راہ سمجھا تا ہے پوری کائنات آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہے اور آپ ﷺ اس کے گوشے گوشے پر باذنِ الٰہی ناظر ہیں بالفاظ دیگر پوری کائنات اور اس کا ایک ایک فرد آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہے اور آپ ﷺ اس پر نظر کریمانہ رکھتے ہیں۔ حاضری کی نسبت خلق خدا کی طرف اور ناظری کی نسبت خلاق عالم کی شانِ تخلیق کے شاہکار اعظم کی طرف کرنے سے عقیدہ کا حسن اور ہی دوبالا ہو جاتا ہے الغرض حاضری کی نسبت مخلوق ربانی کی طرف اور ناظری کی نسبت شاہکار ربوبیت کی طرف کرنے سے اس عقیدے کے حسن کو جو چار چاند لگ جاتے ہیں اس کا اندازہ ذوق ایمان کا حامل اور مکتب محبت سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص بخوبی کرسکتا ہے۔

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والا اعتقادی وفکری دھارا

شاہکارِ ربوبیت کی وسعتِ عملی/ حضور ﷺ عالمِ ماکان و مایکون ہیں

حضور ﷺ کو ربّ تعالیٰ نے روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کا علم عطا فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام علوم مندرجہ لوحِ محفوظ اور اپنی ذات وصفات کی معرفت سے متعلق بے پایاں و

بے شمار علوم عطا فرمائے ہیں۔ جمیع مخلوقات، احوالِ مخلوقات، حوادث کون و مکان اور ما کان و ما یکون کا سارا علم آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ کائنات ارض وسما کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو آپ ﷺ کے احاطۂ علم سے باہر ہو۔ اسی طرح ازل سے ابد تک وقوع پذیر ہونے والا کوئی واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں جو آپ ﷺ کی وسعتِ مشاہدہ سے خارج ہو۔ آپ ﷺ کے علم کا سرچشمہ اور منبع و مصدر وحیِ الٰہی ہے۔ آپ ﷺ کو مذکورہ علوم بذریعہ وحی بتدریج عطا ہوئے اور انکی تکمیل تدریجاً تکمیلِ قرآن کی صورت میں ہوئی۔ آپ ﷺ کے علم کی وسعت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے قرآن کی وسعتِ علم کی معرفت ضروری ہے۔

قرآن جو آپ ﷺ کیلئے سرچشمۂ علم اور آپ ﷺ کو حاصل جمیع علوم کیلئے منبع و مآخذ کی حیثیت رکھتا ہے، کے دامنِ علم کی وسعت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

📖 مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَيْئٍ. (القرآن)

ترجمہ کوئی شے ہم نے ایسی نہیں چھوڑی جس کا ذکر کتاب (قرآن) میں نہ ہو۔

یعنی ہر چیز جس پر بھی لفظ شے کا اطلاق ہوسکتا ہے قرآن میں مذکورہ ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

📖 وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ. (القرآن)

ترجمہ کوئی خشک وتر ایسا نہیں جس کا ذکر کتاب مبین (قرآن) میں موجود نہ ہو۔

کائنات ہست و بود میں ہر چھوٹی یا بڑی چیز خشک وتر کے زمرے میں شامل ہے۔ کوئی بھی مخلوق ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔ اسکا تعلق عالمِ زیریں کے ساتھ ہو یا عالمِ بالا کے ساتھ، وہ جمادات سے متعلق ہو یا نباتات وحیوانات سے متعلق۔ رطب و یابس کے دائرے سے باہر نہیں ہوسکتی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو معرضِ وجود میں آئی ہے اور کسی نہ کسی صورت میں اپنا وجود رکھتی ہے قرآن میں مذکور ہے۔

ایک اور مقام پر اسی حقیقت کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتَابَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ. (القرآن)

ترجمہ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر شے کو (کھول کھول کر) بیان کرنے والی ہے۔

ہر چھوٹی بڑی اور ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کے کتابِ مبین میں مذکور ہونے کا بیان ایک اور مقام پر ان الفاظ میں ہے:

وَلَآ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَآ اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ. (سبا:۳)

ترجمہ کوئی چھوٹا بڑا وجود ایسا نہیں جو قرآن میں مذکور نہ ہو۔

مذکورہ بالا تمام مقاماتِ قرآنی بصراحت اس امر پر دلالت کررہے ہیں کہ کلامِ الٰہی جمیع حقائق وحوادثِ کائنات اور جملہ موجودات کے علم کو محیط ہے اور کائناتِ ارض وسما اور جملہ عوالم زیریں و بالا کا کوئی ذرہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا علم دامنِ قرآن میں موجود نہ ہو۔

قرآن وصاحبِ قرآن کا باہمی تعلق:

بحثِ مذکورہ کی روشنی میں اب صاحبِ قرآن کی وسعتِ علمی کا اندازہ کرنے کیلئے اس حقیقت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ صاحبِ قرآن کو قرآن کا علم کس نے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡآنَ.

ترجمہ وہ رحمٰن ہے جس نے آپ ﷺ کو قرآن کا علم عطا کیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

وَ عَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا.

ترجمہ اور علم عطا کیا تمہیں اے محبوب ﷺ اس کا جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر بڑا ہی فضل ہے۔

''ما'' کلمہ عام ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ہر ہر شے کا علم عطا فرما دیا ہے۔ جس طرح کائنات ہست و بود کا کوئی ذرہ کلمہ ما کی عمومیت سے خارج نہیں اسی طرح عالمِ کون و مکاں کی کوئی حقیقت علومِ مصطفوی ﷺ کے دائرے سے باہر نہیں۔

مذکورہ قرآنی استدلال کی روشنی میں یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو گی کہ حضور ﷺ کو ما کان و ما یکون کے جملہ علوم حاصل ہیں۔ عالمِ غیب و عالمِ شہادت کی ہر ہر شے آپ ﷺ پر منکشف و آشکار ہے۔ ادنیٰ و اعلیٰ خشک و تر کوئی وجود یا عالمِ کون و مکاں کا کوئی حادثہ یا واقعہ ایسا نہیں جو آپ ﷺ سے مخفی یا پوشیدہ ہو۔

اب تک تو ہم نے حضور ﷺ کو حاصل عمومی علم کی وسعت و ہمہ گیری پر گفتگو کی ہے اب بالتخصیص آپ ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے پر قرآنی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ منکرین علمِ رسالت پر اتمام حجت ہونے کے ساتھ ساتھ قائلین کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا پورا سامان ہو جائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

📖 فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَداً اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِن رَّسُوْلٍ.

ترجمہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے غیب خاص پر سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔

ایک اور مقام پر انبیاء کرام کو علمِ غیب عطا کئے جانے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

📖 وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِن رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ.

ترجمہ اور اللہ کے شایان شان نہیں کہ اے لوگو تمہیں غیب پر مطلع فرمائے البتہ اللہ چن لیتا ہے (غیب کی اطلاع کیلئے) رسولوں میں سے جسے چاہے۔

صرف یہی نہیں کہ حضور ﷺ مطلع علی الغیب ہیں بلکہ اللہ کے اذن سے خواص بندوں کو معاملاتِ غیب سے مطلع بھی فرماتے ہیں۔

📖 وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ.

ترجمہ اور وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) غیب پر بخیل نہیں۔

مذکورہ قرآنی شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ بعطائے الٰہی حضور ﷺ کو علمِ غیب حاصل ہے البتہ علمِ الٰہی اور آپ ﷺ کے علم کے حوالے سے یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ حضور ﷺ کا علم ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں، حضور ﷺ کا علم عطائی ہونے کی بنا پر حادث ہے جبکہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی وقدیم ہے نیز اسکا علم لامحدود ولامتناہی ہے جبکہ حضور ﷺ کا علم اُسکے مقابلے میں محدود اور متناہی ہے۔

کتب احادیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ منافقین نے حضور ﷺ کی خداداد وسعتِ علمی کا انکار کیا اور استہزأً کہا کہ وہ رسول ﷺ جو ہر شے کا علم رکھنے کا دعویدار ہے ہماری کیفیتِ ایمان سے بے خبر ہے۔ اگر اسے واقعتاً مخفی حقائق کا علم ہوتا تو ہماری باطنی کیفیت یعنی نفاق پر کیوں نہ مطلع ہوتا۔ حضور ﷺ کے علم میں جب منافقین کے یہ کلمات آئے تو ایک دن نمازِ فجر کے بعد حالت جلال میں ممبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا ''کیا انجام ہوگا ایسے لوگوں کا جنہوں نے ہمارے علم پر طعن کیا ہے'' یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اُسی مجلس میں ابتدائے آفرینش سے لیکر جنتیوں کے جنت میں داخلے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے تک کے سارے واقعات بیان فرمادیئے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے:

عن طارق بن شهاب قال سمعت عمر رضى الله عنه يقول تام فينا النبى ﷺ مقامًا نا خبرنا عن بدء الخلق حتٰى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالک من حفظهٗ ونسيه من نسيهٗ (بخاری ج:۱، ص ۲۱۴)

ترجمہ طارق ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا اُنہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ منبرِ اقدس پر ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے آفرینش عالم سے خبر دینی شروع کی۔ یہاں تک کہ جنتی جنت میں داخل ہوگئے اور دوزخی دوزخ میں۔ اس بیان مبارک کو جس نے جتنا یاد رکھا، یاد رکھا اور اسے جو بھول گیا سو بھول گیا۔

علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

و فیہ دلالۃ علی انّہٗ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوالِ المخلوقات من ابتدائھا الی انتھائھا وفی ایراد ذلک کلہ فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادۃ و کیف وقد اعطی جوامع الکمۃ مع ذلک انتھٰی.

(عینی شرح بخاری، ج:۷، ص۲۱۴)

ترجمہ اور اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے تمام احوال کی خبر دی ابتدا سے انتہا تک اور ایک ہی مجلس میں اس کا وارد فرمانا خوارقِ عادت سے امر عظیم ہے اور کیوں نہ ہو کہ حضور ﷺ جوامع الکلم بھی دیئے گئے ہیں۔

قارئین مسئلہ علم غیب پر غزالی زماں رازیٔ دوراں علامہ سیّد احمد سعید کاظمیؒ کی تحقیق من وعن ملاحظہ فرمائیں تو مزید شرحِ صدر حاصل ہو جائے گا۔

قرآن وحدیث، ارشاداتِ مفسرین، اقوال محدثین اور علماء وعرفاء کی تحقیقات کی روشنی میں یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضور سید الکونین ﷺ کو حق تعالیٰ نے جمیع مخلوقات اور کل کائنات کے جملہ احوال کا علم عطا فرمایا ہے اور ما کان و ما یکون کی کوئی حقیقت ایسی نہیں جو آپ ﷺ کے احاطۂ علم سے باہر ہو۔ اب ہم غیب اور علم غیب کی ماہیت کو عقلی و منطقی حوالے سے ایک نہایت ہی منفرد اور اچھوتے انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقتِ غیب وعلم غیب:

حضور ﷺ کیلئے علمِ غیب کے قائلین اور منکرین دونوں طبقات نے لغوی و اصطلاحی اعتبار سے غیب کی تعریف (Definition) متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں طبقات کی وضع کردہ تعاریف ان کے اپنے اپنے زاویۂ نظر کی غماز ہیں اور آج تک غیب کی کوئی ایسی تعریف وضع نہیں ہو سکی جو ہر اعتبار سے جامع متفقہ اور غیر متنازعہ ہو۔

راقم کا ذوقِ تحقیق اور اندازِ فکر و نظر اُسے اس مسئلہ پر ہر دو طبقات کے نقطۂ نظر سے الگ ایک نقطہ سجھاتا ہے۔ راقم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ سے غیب قرار دیا ہے اس کی تعریف کا تعین ہی انسانی بس کی بات نہیں۔ اگر انسانی عقل یا انسانی علم و دانش ماہیت غیب کا تعین کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر وہ غیب غیب کہاں رہا۔ غیب بہر حال غیب ہے۔ غیب کی حدود یا اس کی ماہیت کا تعین انسان کا مسئلہ نہیں۔ نہ اس کی تعریف متعین کرنا فہم انسانی کے بس کی بات ہے اور نہ ہی اس کی ماہیت یا حقیقت کا تعین عقل انسانی کے بس کا روگ۔ لہٰذا ایمان رکھنا چاہیے کہ غیب بس غیب ہی ہے۔ اگر غیب یا علمِ غیب کی نوعیت و ماہیت انسان پر آشکار ہوگئی یا انسانی فہم اسکی حدود یا تعریف متعین کرنے میں کامیاب ہوگیا تو کم از کم نوعیتِ علم تو متعین ہوگئی۔ اندریں صورت ماہیتِ علم فی نفسہٖ غیب نہ رہی۔ آشکار اور متعین ہوگئی تو پھر اس کی تخصیص اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے ساتھ چہ معنی دارد؟ سو یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ نوعیتِ غیب بھی غیب ہی ہے۔ غیب و علمِ غیب کی ماہیت علام الغیوب ہی جانتا ہے یا اس کی عطا سے اُسکا مطلع علی الغیب رسول ﷺ۔

خالق کیلئے مخلوق کا علم کوئی کمال یا باعثِ افتخار بات نہیں:

قرآن حکیم کے عمیق مطالعہ سے یہ بات بصراحت سامنے آئی ہے کہ رب تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی اپنے عالم الغیب ہونے کا ذکر فرمایا ہے اپنے خاصہ یا امتیاز کے طور پر نہیں فرمایا۔ محض بیانِ واقعہ کے طور پر فرمایا ہے یعنی عقل ناداں کو یہ باور کرانے کیلئے فرمایا ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی یا پوشیدہ نہیں۔ جس چیز کو تو مخفی یا پوشیدہ سمجھتی ہے وہ سب اُس پر آشکار ہے۔ وہ دلوں کے راز بھی جانتا ہے بلکہ وہ خیالات اور ارادے بھی جو ابھی لوحِ قلب و ذہن پر نمودار نہیں ہوئے اس کے علم میں ہیں لہٰذا اے عقل ناداں! ہر کام کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیا کر وہ تیرے ہر ارادے اور ہر ہر عمل سے خوب واقف ہے۔

ویسے بھی یہ بات قابل غور ہے کہ خالق کیلئے مخلوق کا علم کیونکر باعثِ افتخار ہوسکتا ہے خالق خالق ہے۔ وہ ہر شے کا مالک و پروردگار ہے۔ اُسے اپنی مخلوق کے ہر ہر حال اور ہر ہر آن کا علم نہیں

ہوگا تو اور کسے ہوگا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ہر ایک سے بڑھ کر جانتا ہے لیکن یاد رہے کہ جہاں کہیں بھی وہ اپنے عالم الغیب ہونے کا ذکر کرتا ہے کسی امتیاز یا اعزاز و افتخار یا خاصہ کے طور پر نہیں کرتا بلکہ محض بیان واقعہ کے طور پر کرتا ہے۔ خالق کو بھلا کیا پڑی کہ مخلوق کی بابت اپنے علم کو اعزاز و افتخار یا کمال واختصاص کے طور پر بیان کرنے لگے۔

اعلیٰ کیلئے ادنیٰ کا علم کوئی کمال یا باعثِ افتخار بات نہیں:

اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو غیب کا علم حاصل ہے اور آپ ﷺ عالمِ کون و مکاں کے ذرّے ذرّے سے آگاہ ہیں تو یہ بات آپ ﷺ کیلئے بھی ہرگز ہرگز باعثِ فضیلت یا بنائے افتخار نہیں ہوسکتی۔ حضور ﷺ افضل الخلق ہیں۔ عالمِ امر و عالمِ خلق کی ہر ہر شے بشمول زمین و آسماں، جنت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی سب مخلوق ہیں اور بحیثیت مخلوق حضور ﷺ سے ادنی و کمتر ہیں عمومی اعتبار سے غیب کا مصداق مخلوق ہی بنتی ہے۔ اندریں صورت حضور ﷺ جیسی افضل الخلق ہستی کیلئے ادنیٰ تر مخلوق کا علم باعثِ فضیلت یا بنائے افتخار کیونکر ہوسکتا ہے۔ مخلوق کی بابت جمیع علم بھی آپ ﷺ کیلئے باعثِ اعزاز نہیں بلکہ جب بھی آپ ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے تو فقط بیان واقعہ کے طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو یہ ایمان افروز حقیقت اپنے رُخِ زیبا سے نقاب الٹتی ہوئی یوں کہتی سنائی دیتی ہے کہ عقل ناداں! سرور انبیاء کیلئے مخلوق کا علم باعث فضیلت یا بنائے افتخار نہیں بلکہ زمین و آسمان جنت و دوزخ، لوح و قلم اور عرش و کرسی کیلئے یہ امر باعث فضیلت و افتخار ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نظر میں ہیں۔ ہر ہر گوشۂ کائنات، عالمِ خلق و عالمِ امر کی ہر ہر حقیقت اور جملہ حقائق کون و مکاں کیلئے یہ بات بنائے اعزاز ہے کہ وہ نگاہِ مصطفوی ﷺ کے دائرے میں ہیں اور انہیں جانِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کی نظرِ کرم حاصل ہے۔

سرور انبیاء ﷺ کے علمِ غیب کا انکار کرنے والے کائناتِ خلق و امر میں آپ ﷺ کا امتیاز اور حقیقی مقام و منصب بھول جاتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا مقامِ رفیع سامنے اور ہر وقت یہ امر ملحوظ رہے کہ دنیائے خلق و امر میں جو کچھ بھی ہے حضور ﷺ سے ادنیٰ و کمتر اور آپ ﷺ کے مقابلے میں

بے حیثیت و بے وقعت ہے تو پھر اس سے متعلق حضور ﷺ کو حاصل جمیع علوم کے اثبات و اقرار میں کسی قسم کا کوئی عقلی و منطقی یا شرعی مانع موجود نہیں رہ جاتا۔

رہے مخفی کچھ یہ مجال کیا:

قرآن سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ بزمِ کائنات حق تعالیٰ نے کس لئے سجائی ہے۔ کیا اس کے قیام سے اس کی کوئی ذاتی غرض یا ضرورت و حاجت وابستہ ہے تو جواب ملتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے وہ شانِ صمدیت کی حامل ہستی ہے۔ وہ ہر شے کا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ اسکی کوئی ذاتی غرض یا ضرورت و حاجت بھلا مخلوق سے کیونکر وابستہ ہوسکتی ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ کائنات خلق و امر کے قیام سے اس کی کوئی ذاتی ضرورت یا حاجت وابستہ نہیں۔ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے تو پھر تخلیقِ کائنات کا مقصد کیا؟ تو جواب ملتا ہے کہ عقل ناداں یہ بزمِ کائنات ہم نے اپنے محبوب ﷺ کیلئے سجائی ہے۔

📖 وَخَلَقَ لَكُم مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ.

ترجمہ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

📖 وَ سَخَّرَلَكُمْ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ.

ترجمہ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

عقل ناداں اس مقام پر پھر ایک مخمصے اور غلط فہمی کا شکار ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ ان آیات کی مخاطب تو پوری نسلِ انسانی ہے۔ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے لیکن اگر اُسے بنظرِ عرفان دیکھنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو اس سے یہ امر بھی مخفی نہیں رہے گا کہ مذکورہ ارشاداتِ ربانی کا حقیقی و واقعی مصداق صرف اور صرف سرور انبیاء ﷺ کی ذات ہی ہے۔ نسلِ انسانی اپنی تمام تر ایمانی و روحانی ترقی اور سائنسی و مادی عروج کے باوجود من حیث المجموع ان ارشاداتِ ربانی کا مصداق نہیں بن سکتی۔

ذہنِ انسانی میں اگلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ عالمِ خلق و امر میں جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کو زیادہ

محبوب ہے یا اپنے حبیب کی ذات اُسے ہر ایک سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اس سوال کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ عقل ناداں! اس سوال کا جواب ہم سے نہ مانگ بلکہ خود اپنے دل و دماغ سے مانگ۔ ذرا اپنے باطن اور من کو ٹٹول کر دیکھ۔ وہ کیا کہتا ہے تو لاکھ راہِ فرار اختیار کر۔ لاکھ حیلے بہانے اور حجتیں تلاش کرنے کی کوشش کر۔ اگر تیری صلابتِ فکر زندہ ہے اور تیرے من میں ایمان و دیانت کی ایک رتی بھی موجود ہے تو پھر تیرے پاس اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ کائنات ارض و سما اور عالمِ خلق و امر کی کوئی چیز اُسے اپنے محبوب ﷺ سے بڑھ کر عزیز نہیں۔ اپنا محبوب ﷺ اُسے ہر ایک سے بڑھ کر عزیز اور پیارا ہے اور اسکے مقابلے میں کائنات ارض و سما کی ہر مخلوق اسکی نظر میں کمتر و بے حیثیت ہے۔

نتیجۂ کلام:

☆ جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عالمِ خلق و عالمِ امر کی کسی شے سے حق تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض یا ذاتی ضرورت و حاجت وابستہ نہیں۔

☆ کائناتِ خلق و امر کی ہر شے اُس نے اپنے محبوب ﷺ کیلئے پیدا کی ہے۔

☆ کائناتِ خلق و امر کی کوئی شے اُسے اپنے محبوب ﷺ سے بڑھ کر عزیز بھی نہیں تو پھر وہ اس چیز کو جسے اُس نے پیدا ہی اپنے محبوب ﷺ کیلئے کیا ہے اس سے چھپا چھپا کر کیوں رکھے گا۔ جب کسی چیز کی اُسے ذاتی طور پر ضرورت و حاجت ہی نہیں اور وہ چیز اُسے اپنے محبوب ﷺ سے بڑھ کر عزیز اور پیاری بھی نہیں تو پھر اُسے اپنے محبوب کی نگاہ سے بچا بچا کر اور سنبھال سنبھال کر کیوں رکھے گا۔ حق یہ ہے کہ کائناتِ خلق و امر کی کوئی شے نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں۔ عالمِ غیب و عالمِ شہادت کی کوئی چیز آپ ﷺ کے تصرف و اختیار سے باہر نہیں ہے۔ ہر ہر شے آپ ﷺ پر ظاہر و آشکار اور آپ ﷺ کیلئے مسخر ہے۔ یہی ہر دور میں جمہور اہل اسلام کا عقیدہ رہا ہے اور یہی ان کا ایمان۔ اس عقیدے سے محرومی بہت بڑی حرماں نصیبی ہے۔ اس سے گریز و فرار ایک اظہر من الشمس حقیقت کا

انکار اور اس کا باصرار انکار اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے خلاف عداوت اور بدبختی وشقاوت کا آئینہ دار ہے۔

حق تعالیٰ کے عالم الغیب ہونیکا معنی اور حضور ﷺ کے مطلع علی الغیب ہونے کا مفہوم:

جب یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ حقیقتاً کوئی شے غیب کا مصداق نہیں اور کائناتِ بالا وزیریں کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نگاہ سے مستور رہ سکے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے عالمِ الغیب اور سید المرسلین ﷺ کے مطلع الغیب ہونے کا معنی کیا ہے۔ اس سوال کا ایمان افروز جواب پانے سے پہلے یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر ذہن نشیں کرلی جائے کہ حقیقت کے اعتبار سے کائنات ارض وسما کی کوئی مخلوق یا کوئی واقعہ غیب کا مصداق نہیں ان چیزوں پر غیب کا اطلاق جب بھی کیا جاتا ہے اضافی اور مجازی معنوں میں کیا جاتا ہے۔ غیب کی حقیقی مصداق حق تعالیٰ کی ذات ہے کہ وہ اغیب الغیوب ہے یا پھر اس کے محبوب ﷺ کی ذاتِ گرامی کہ جس کی حقیقت صرف اس کا رب جانتا ہے۔ مخلوق میں سے آج تک اس کی حقیقت تک کوئی رسائی حاصل نہیں کرسکا۔ حقیقت کے اعتبار سے غیب کا مصداق یہی دو ہستیاں ہیں یعنی رب کائنات اور محبوبِ رب کائنات۔ بنابریں حق تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی غیب کی مصداقِ اتم ہستی یعنی اپنے محبوب ﷺ کی حقیقت پر آگاہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی اس کے محبوب ﷺ کے حقیقی مقام ومنصب تک رسائی نہیں رکھتا۔ جس نے اُسے یکتا ویگانہ پیدا کیا ہے بس وہی اسکے مقام کو جانتا اور پہچانتا ہے۔

اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ مطلع الغیب ہیں تو حقیقتاً اس کا مطلب بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ہی غیب کی مصداقِ حقیقی اور اغیب الغیوب ہستی یعنی حق تعالیٰ کی حقیقت سے واقف اور اس کی معرفتِ کاملہ رکھتے ہیں۔ اس یکتا وتنہا ہستی کی حقیقت تک رسائی صرف آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ بس آپ ﷺ ہی حقیقتاً اُسے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ یہی دو ہستیاں غیب کا حقیقی مصداق ہیں۔ ایک اغیب الغیوب ہے تو دوسری غیب کی مصداقِ اتم۔ یہی دو

ہستیاں ایک دوسرے کو جانتی بھی ہیں اور پہچانتی بھی۔ ان کے علاوہ کوئی ان کی حقیقت تک رسائی نہیں رکھتا۔ بنابریں عالم الغیب یا مطلع علی الغیب ہونا انہی کو زیبا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی اور نہ تو غیب کا حقیقی مصداق ہے نہ ان معنوں میں غیب پر مطلع و باخبر۔

سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والے چند عملی دھارے

اب ہم سرچشمۂ محبت سے پھوٹنے والے چند عملی دھاروں یعنی ان معمولاتِ حسنہ کا ذکر کریں گے جن کا خمیر محبت رسول ﷺ کے تصور سے اُٹھا ہے اور جو اہلِ محبت کی ایمانی زندگی کا حقیقی حسن، اسکا سنگھار اور ان کے مسلک کی پہچان ہیں لیکن تصورِ محبت کے ناقدین اور اس کے بتکرار و باصرار اعراض کرنے والے طبقے کی نظر میں غلو فی الدین شخصیت پرستی اور شرک و بدعت کا عنوان ہیں۔ اہلِ محبت کے لٹریچر میں ان تمام معمولات کا ذکر نہایت شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے اور علماء و محققین نے گرانقدر تصانیف کے ذریعے اپنے عقیدے کا نہایت اچھے طریقے سے اثبات اور اپنے مسلک کی نہایت کامیابی کے ساتھ وکالت کی ہے۔ میں اُنہی اکابرین کی نگارشات سے خوشہ چینی کرتے ہوئے مختصراً ان معمولات کا بیان سپردِ قلم کروں گا البتہ میں حُبِ رسول کے وجوب اور حُبِ رسول کے مظہر و آئینہ دار اعمالِ حسنہ کا اصولی جواز قرآن کے جس مقام سے پیش کرنے لگا ہوں بظاہر حُبِ رسول کے آئینہ دار ان معمولات اور ان اعمالِ حسنہ سے متعلق نظر نہیں آتا، ارشادِ خداوندی ہے:

📖 قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: جانِ عالم! آپ فرما دیجئے (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

قرآنِ مجید کا یہ مقام جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے بنیادی طور پر اتباعِ رسول ﷺ کی اہمیت و ناگزیریت اور اس کے وجوب پر دلیلِ قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن اسی دلیلِ اتباع کے اندر سے حُبِ رسول ﷺ کا چشمہ کس طرح پھوٹتا ہے وہ ایک نہایت ایمان افروز اور روح پرور بحث ہے۔

آیئے قارئین کرام! بظاہر اتباع رسول ﷺ کے بیان پر مشتمل اس قرآنی مقام کے

صدف میں چھپا حُبِ رسول ﷺ کا موتی بے نقاب کریں اور اپنے زیورِ ایمان کو اس سے مزید کریں۔ آیئے! بلاغتِ قرآنی کی اس کان میں تہہ در تہہ چھپے حُبِّ رسول ﷺ کے ہیرے کو بے نقاب کر کے اپنی ایمانی زندگی کو جگمگانے کا سامان کریں۔

آیئے! قرآن کے اس مقام کے بحرِ معارف میں غوطہ زن ہو کر حبِّ رسول ﷺ کے لعل و جواہر دریافت کریں اور اپنے ایمان و عمل کی دنیا کو ان سے زینت دیں۔

آیئے! آیتِ ہذا کے گلشنِ استنباط میں موجود ایک روحِ گلشن و جانِ بہاراں پھول سے حُبِّ رسول ﷺ کی لطافت اخذ کر کے اپنی ایمانی زندگی کو کمالِ حسن سے ہمکنار کریں۔

آیئے! آیتِ بالا کے گلستانِ اطلاق میں لہلہاتے سراپا رقص گلہائے رنگارنگ سے حُبِّ رسول ﷺ کا عطر کشید کر کے اپنے اتباعی اعمال کو معطر و معنبر اور پُر مہک بنائیں۔

آیئے! قرآن کے اسی ایمان پرور مقام سے حُبِّ رسول ﷺ کا سراپا شفا شہد نچوڑ کر اسے تمام ایمانی و اعتقادی اور دینی و عملی زندگی میں موجود ایمان کش بیماریوں سے نجات کا سامان بنائیں۔

فاتبعونی کے الفاظ سے وجوبِ محبت کا استنباط:

آیتِ ہذا میں دو محبتوں کا بیان ہے۔ ایک محبت وہ ہے جس کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے یعنی اللہ کے ساتھ وہ محبت جس کا بندہ دعویدار ہے' دوسری طرف اس محبت کا ذکر ہے جو اللہ اپنے بندے سے کرتا ہے۔ ان دو محبتوں کے درمیان ایک واسطہ ہے جو اتباعِ نبوی ہے۔ گویا ایمانی زندگی ایک ایسا سفر ہے جس کا نقطۂ آغاز بھی محبت ہے اور نقطۂ انجام بھی محبت۔ ایمانی زندگی کا نقطۂ آغاز وہ محبت ہے جو حُبِّ الٰہی کا دعویدار انسان اللہ کے ساتھ رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ کے ساتھ بندے کی محبت ایک دعویٰ ہے لیکن اللہ کے ساتھ اس نے اپنی محبت کا اظہار کس طرح کرتا ہے یا اس رشتۂ محبت کو اس نے نبھانا کس طرح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فاتبعونی کی شانِ اعزاز رکھنے والی ہستی یعنی رسول اللہ ﷺ کی اُتباع کرے۔ آپ ﷺ کی پیروی کرے۔ اپنی زندگی کے روز و شب کے معمولات میں حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے۔ چونکہ حضور ﷺ سے بڑھ کر اللہ کے ساتھ محبت کرنے والا اور کوئی انسان نہیں لہٰذا

اگر کسی نے اللہ کیساتھ محبت کا سلیقہ سیکھنا ہے یا اللہ کے ساتھ تعلقِ محبت نبھانے کا طریقہ جاننا ہے تو اس کے لئے واحد اور حتمی و قطعی راستہ آپ ﷺ کی سنت کی پاسداری اور آپ ﷺ کی پیروی ہے۔ اللہ کے ساتھ محبت کا دعویدار انسان جب اللہ کی محبت میں حضور ﷺ کی اتباع کرے گا تو اس اتباع کا ثمرو انعام رب تعالیٰ کی بارگاہ سے اُسے یہ ملے گا کہ اللہ رب العزت اس سے محبت کرنے لگے گا۔

محبتوں کا سفر/محبتوں کا سودا:

گویا یہ محبتوں کا سفر ہے۔ آغازِ سفر بھی محبت ہے اور انجامِ سفر بھی محبت۔ ایک طرف مخلوق کی اپنے خالق کے ساتھ محبت ہے اور دوسری طرف خالق کی اپنی مخلوق کے ساتھ محبت۔ لیکن محبتوں کا نکتۂ اتصال کیا ہے۔ اتباعِ مصطفوی ﷺ۔ محبت، محبت سے گلے مل رہی ہے، سبب اور وسیلہ اتباعِ نبوی ہے۔ انسان اپنے رب سے مل رہا ہے، سبب اور وسیلہ ذاتِ مصطفوی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ محبتوں کا ایک سودا ہے۔ محبتوں کا لین دین ہے اور اس لین دین میں واسطہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔

خدارا انصاف کیجئے:

ایک طرف بھی محبت ہو اور دوسری طرف بھی محبت اور درمیان میں اتباعِ محض تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ جو ہستی مخلوق کی محبت کو خالق کی محبت سے ہمکنار کرے، جو نبی اپنے اُمتی کو اس کے رب سے واصل کرے ظلمتِ محض کا نورِ مطلق سے میل کرائے اس نبی سے اُمتی کی محبت کے وجوب پر اب کسی اضافی دلیل کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ یہ انتہائی ناشکری، ناقدری اور ناسپاسی کی بات ہوگی کہ جو نبی اُمتی کو خدا سے ملائے اُمتی اسی محسن و کرم فرما نبی کی محبت سے اعراض کرنے لگے اور کہے کہ اصل شے تو آپ ﷺ کی اتباع ہے۔ آپ ﷺ کی سنت کی پیروی ہے اور آپ ﷺ کی اتباع ہی آپ ﷺ کی محبت ہے۔

انسانِ ناداں! آپ ﷺ کی اتباع ہی آپ ﷺ کی محبت نہیں ہے۔ اتباع الگ چیز ہے محبت الگ چیز ہے۔ دونوں مستقل ناگزیر اور الگ الگ ایمانی ضرورتیں ہیں۔ یہ ایک ہی شے اور

باہم یکدگر ہوں ایسا ہرگز نہیں۔ اتباع وہی قابلِ قبول ہوگی اور ایک بندے کو رب کی محبوبیت کے مقام تک وہی اتباع پہنچائے گی جو حبِ رسول ﷺ پر استوار ہوگی۔ جس اتباع کا خمیر حبِ رسول ﷺ سے نہ اُٹھا ہوگا۔ ایسی اتباع ایک سعیٔ لاحاصل کے سوا اور کچھ نہ ہوگی۔ یہ ایک ایسے پھل کی مانند ہوگی جو دیکھنے میں تو پُرکشش لیکن اندر سے کھوکھلا' یہ ایک مصنوعی پھول کی مانند ہوگی جو ظاہراً تو جاذبِ نظر ہو گا لیکن حسنِ لطافت اور جاں پرور مہک سے عاری۔ الغرض وہی اتباع نگاہِ خداوندی میں اپنا مول پائے گی جس کا خمیر حبِ رسول ﷺ کے عنصر سے اُٹھا ہوگا۔ اتباع بلا محبت عامل کے منہ پر ماردی جائے گی۔

آیت مذکورہ کی لفظی ترتیب زبان حال سے ببانگِ دہل بتا رہی ہے کہ خالق ومخلوق کے درمیان محبتوں کے اس سودے میں اصلاً واسطہ بھی محبت ہی ہونا چاہیے لہٰذا محبتِ الٰہی کا دعویدار بندہ اگر اپنے آقا ومولا سے اس کی محبوبیت کا انعام لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے مولا کی بارگاہ میں اپنے اتباعی عمل کو حبِ رسالت کے غلاف میں سجا کر پیش کرنا ہوگا۔ اگر حضور ﷺ کی اتباع کا اللہ کے دربار سے کوئی صلہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی اتباعی زندگی کی بنیاد حبِ رسول ﷺ کے تصور پر رکھنی ہوگی اور آپ کی محبت کو خود پر واجب سمجھتے ہوئے اپنا نذرانہ بندگی اپنے مولا کی بارگاہ میں پیش کرنا ہوگا۔ بس قبولیت بندگی کی یہی ایک راہ ہے اور اس کے علاوہ باقی سب خود فریبی اور ہوائے نفس ہے۔

؎ شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

فَاتَّبِعُوْنِیْ سے ہی وجوبِ محبت کا دوسرا استنباطِ عجیب وعقدہ کشا استدلال:

آیئے وجوبِ محبت کے تصور کو مزید بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ محبت کرنے والے فریق دو ہیں ایک اللہ اور ایک اللہ کا بندہ' اس باہمی رشتۂ محبت میں فریقِ اوّل اللہ ہے اور فریقِ دوم اس کا بندہ' فریق اوّل آقا ہے اور فریق دوم اس کا غلام۔ جب آقا یعنی ربِ محمد فَاتَّبِعُوْنِیْ کا اعزاز رکھنے والی ہستی سے کائنات میں سب سے بڑھ کر محبت کرتا ہے تو پھر اسی آقا کا غلام اپنے مالک کی

محبوب ترین ہستی کی محبت سے کیونکر اعراض کر سکتا ہے۔ فریقین محبت کو ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ محبت میں منسلک کرنے والی ہستی کو جب آقا اپنا حبیب قرار دیتا ہے تو پھر غلام کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے آقا کے حبیب کی محبت سے بے نیازی کا وطیرہ اپنائے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ کے تاج وتخت کے حامل نبی کو جب اس کا رب اپنی محبت کا مرکز ومحور بناتا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ اس نبی کا اُمتی اور متبع ہونے کا دعویدار انسان اپنے نبی کی محبت سے آنکھیں چرائے اور تصورِ محبت کو بائی پاس کرتے ہوئے یہ راگنی الاپے کہ محبت واتباع ایک ہی چیز ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ اُمت پر نبی کی محبت واجب ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ کے الفاظ اقتضاء النص کے اصول پر اوّلاً حُبِّ نبی کو واجب کرتے ہیں، ثانیاً اتباع کو۔ لہٰذا ربِ محمد کی بارگاہ میں وہی اتباع قابلِ قبول ہو گی جس میں حُبِّ محمد ﷺ کی روح پوری شد و مد، پوری توقیر وتعظیم اور شایانِ شان طور پر موجود ہو گی۔ کمال درجہ حُبِّ رسول ﷺ کے بغیر اتباعِ رسول ﷺ کا دعویٰ حرماں نصیبی کے سوا کچھ نہیں۔ ربِّ محمد ﷺ اہلِ ایمان کو ہر قسم کے اعتقادی وعملی روگ سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ۔

آیتِ مذکورہ سے مظہرِ محبت معمولاتِ حسنہ کا استنباط:

ایک فکر انگیز بحث:

فَاتَّبِعُوْنِیْ کے الفاظ سے حُبِّ رسول ﷺ کے وجوب پر استدلال کرنے کے بعد اب ہم فَاتَّبِعُوْنِیْ ہی کے الفاظ کی تہہ میں چھپے مظہرِ محبت ان معمولاتِ حسنہ کا استنباط کریں گے جو اہلِ محبت کی ایمانی زندگی کی جان اور ان کے عقیدہ ومسلک کی پہچان ہیں۔ قارئین کرام! ایک مرتبہ پھر قرآن کے اس مقام پر غور کریں:

📖 قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: جانِ عالم! آپ فرما دیجئے (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

یہاں اللہ کی محبت کے دعویداروں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو نبی ﷺ کی اتباع کرو۔ اتباعِ نبی ﷺ کے نتیجے میں اللہ تمہیں نوازتے ہوئے اپنا محبوب بنا لے گا۔ سبحان اللہ! کیا خوب انعام ہے جو ربِ محمد ﷺ اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو عطا فرما رہا ہے۔ یعنی اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کو اپنی محبوبیت کی نوید دے رہا ہے اپنے عاشقوں کو اتباعِ نبوی کے صلے میں مقامِ محبوبیت پر فائز فرما رہا ہے۔

حُبِّ الٰہی کے دعوے کا بدیہی تقاضا...... اتباعِ محمدی ﷺ:

یہاں جو نکتہ کھل کر سامنے آ رہا ہے وہ یہ کہ حُبِّ الٰہی کا بدیہی تقاضا اتباعِ محمدی ﷺ ہے اور اتباعِ محمدی ﷺ کے بغیر حُبِّ الٰہی کے دعویدار کا دعوائے محبت کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر کوئی حُبِّ الٰہی کے دعوے میں اپنی سچائی ثابت کرنا چاہتا ہے تو اسے اتباعِ محمدی ﷺ کا پیکر بننا ہوگا۔

دوسرے لفظوں میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب ایک شخص حُبِّ الٰہی کا دعویدار ہو اور وہ یہ چاہے کہ اپنے عمل سے حُبِّ الٰہی کے دعوے کو سچا ثابت کرے تو اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے ہر ہر شعبے میں حضور ﷺ کی پیروی کرے' آپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ حُبِّ الٰہی کے دعویدار کے لئے حضور ﷺ کی پیروی اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ کائنات میں سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔ سو آپ ﷺ نے جس طرح اپنے آقا و مولا کے ساتھ رشتۂ محبت کو نبھایا اور اس تعلق کو نبھا کر دکھا دیا اس سے بڑھ کر تعلقِ محبت نبھانے کا اور کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ سو حُبِّ الٰہی کے دعویداروں پر یہ لازم کر دیا گیا کہ تم بَنی اگر اپنے دعوائے محبت میں سچے ہونے کا ثبوت دینا چاہتے ہو یا دعوائے محبت کو صدق و اخلاص کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہو تو اندریں سلسلہ معیارِ اتم اور واحد ذریعہ ہمارے محبوب ﷺ کی ذات ہے تم بھی آپ ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کرو۔ آپ کے گویا پیچھے پیچھے چلتے آؤ۔ جب صدق و سچائی اور کمال درجہ اخلاص کے ساتھ ہمارے محبوب ﷺ کی پیروی کرتے آؤ گے تو اپنے اپنے حسبِ حال اس مقام کو پا لو گے جو ہمارے پیارے کو ہماری بارگاہ میں حاصل ہے یعنی ''مقامِ محبوبیت''۔ ہمارا نبی تو مقامِ محبوبیت پر اپنے

شایانِ شان طور پر فائز ہے۔ یہ مقام تو صرف اسی کا جداگانہ اعزاز اور امتیاز ہے لیکن اپنے محبوب اعظم کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو بھی ہم اپنا محبوب بنالیں گے لیکن ہر ایک کے حسبِ حال، حسبِ اخلاص، حسبِ مجاہدہ اور حسبِ اتباع۔ جو جو اہلِ ایمان ہمارے محبوب کی اتباع میں جتنا کامل اور جتنا فنا ہوگا اتنا ہی ہمارا مقرب اور محبوب ٹھہرے گا۔ ہمارے پاس نہ مقامات کی کمی ہے نہ درجات کی قلت۔ بس اتباعِ محمدی ﷺ شرط ہے اس راستے پر جو جتنا کامل ہوگا اتنا ہی کمال پائے گا۔

حُبِّ الٰہی کا عملی نصاب...... اتباعِ محمدی ﷺ:

گذشتہ سطور میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ حُبِّ الٰہی کا عملی نصاب فقط اتباعِ محمدی ﷺ ہے اور ایک اُمتی نے جس قدر بھی اور جس بھی درجہ اتباعِ رسول ﷺ کرنی ہے وہ سب کی سب حُبِّ الٰہی میں کرنی ہے اور اتباعِ رسول ﷺ سب کی سب حُبِّ الٰہی کی آئینہ دار ہے اور حُبِّ الٰہی کے عملی نصاب کا واحد معیارِ حضور ﷺ کا عمل ہے۔ جس طرح اللہ ایک ہے وہ توحید کی شان کا مالک ہے۔ اس سے اظہارِ محبت کا معیار بھی شانِ وحدت کا آئینہ دار ہے اور وہ ہے حضور ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ۔ اللہ کی بندگی اور اس سے محبت کرنے اور اس تعلق محبت کو نبھانے کا طریقہ صرف اور صرف ایک اور فقط وہی ہے جو آپ ﷺ نے مہیا کیا۔ حُبِّ الٰہی کے دعویدار کے لئے وصالِ الٰہی کا واحد ذریعہ حضور ﷺ کا راستہ ہے۔ حُبِّ الٰہی کے اظہار کے لئے واحد لائحہ عمل وہی ہے جو آپ ﷺ نے اختیار کیا۔ آپ ﷺ کے فراہم کردہ راستے سے ہٹ کر حُبِّ الٰہی کا دعویدار کوئی بھی شخص وصالِ الٰہی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر اسے اپنے مطلوب و مقصود اور اپنے محبوب یعنی ربِ محمد تک پہنچنا ہے تو اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ رب تعالٰی کے حبیب اور اس کے محبوبِ اعظم کے نقشِ قدم کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی اتباع کا حق ادا کرے۔

کیا ایمان صرف حُبِّ الٰہی کا نام ہے؟:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایمان صرف حُبِّ الٰہی کا نام ہے اور ایمان و اسلام کا

نصاب صرف اللہ کی محبت پر مشتمل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان صرف حُبِّ الٰہی کا نام نہیں۔ ایمان و اسلام کے نصاب میں حُبِّ رسول ﷺ بھی ایک لازمی مضمون ہے۔ جس کا اقرار ناقدین محبت بھی لفظاً کرتے ہیں۔ ایمان درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی محبت کا نام ہے۔ ایمان کا نصاب حُبِّ الٰہی و حُبِّ رسالت دونوں پر مشتمل ہے اور یہ دونوں محبتیں لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا اپنا الگ الگ وجود ہے۔ دونوں جداگانہ ایمانی و دینی حقیقتیں ہیں۔ دونوں کے اپنے اپنے تقاضے' الگ الگ مظاہر اور الگ الگ عملی صورتیں ہیں جن سے کوئی بھی سلیم الفطرت اور انصاف پسند شخص انکار نہیں کرسکتا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حُبِّ رسالت کا عملی نصاب کیا' کہاں اور کس کے پاس ہے۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اتباعِ رسول ﷺ حُبِّ الٰہی کا عملی نصاب ہے۔ یعنی ایک اہلِ ایمان نے جو بھی اتباع کرنی ہے جس قدر بھی آپ ﷺ کی سنت کو اپنانا ہے تو یہ اس پر حُبِّ الٰہی کا قرض ہے۔ اس نے جس قدر بھی اتباعِ رسول ﷺ کی' حُبِّ الٰہی کا تقاضا ادا کیا۔ وہ جس قدر بھی فَاتَّبِعُوْنِیْ کا مظہر بنا اس نے تُحِبُّوْنَ اللّٰہ کے اپنے دعوے میں سچائی کا ثبوت دیا اور حُبِّ الٰہی کا قرض چکایا۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ کی صورت میں حُبِّ الٰہی کے عملی نصاب پر عمل کیا۔ اتباع تو اس نے جس قدر اور جس درجہ بھی کی اس نے حُبِّ الٰہی کی پاسداری میں کی۔

حُبِّ رسول ﷺ کا عملی نصاب کیا' کہاں اور کس کے پاس ہے؟ :

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع تو ساری کی ساری حُبِّ الٰہی کے تصور کا عملی مظہر قرار پائی۔ اب جبکہ حُبِّ رسول بھی ایک الگ اور مستقل دینی تصور ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اُمتی پر نبی ﷺ کی محبت واجب بھی ہے تو پھر ایک سچے مسلمان نے حُبِّ رسول ﷺ کا تقاضا کس طرح پورا کرنا ہے اور اس محبت کا ذریعۂ اظہار کیا ہے؟ یہ سوال جواب طلب ہے۔ حُبِّ الٰہی کے تصور کا عملی نصاب اتباعِ رسول ہے تو حُبِّ رسالت کے عقیدے کا عملی نصاب کیا ہے۔ اگر حُبِّ الٰہی کی طرح حُبِّ رسول ﷺ بھی اہلِ ایمان پر قرض ہے تو اسے یہ قرض چکانا کس طرح ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ناقدینِ محبت یعنی اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کے دعویداروں کے پاس موجود

نہیں۔ ان کی تان تو صرف اور صرف تصورِ اتباع پر ہی آ کر ٹوٹتی ہے اور وہ حبِّ رسول ﷺ و اتباعِ رسول ﷺ کو ایک ہی چیز قرار دینے لگتے ہیں چونکہ وہ حبِّ رسول ﷺ کے تصور کو ایک مستقل اور جداگانہ ایمانی ضرورت تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں لہٰذا اس سے آگے ان کے عقیدے کی سدرۃ المنتہیٰ آ جاتی ہے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے ان کی فکری ایمانی زندگی کے پر جلنے لگتے ہیں۔

اس سوال کا جواب اہلِ محبت کے پاس ہے:

حُبِّ رسول ﷺ کا عملی نصاب...... اتباعِ صحابہؓ ہے

بحمداللہ تعالیٰ اہلِ محبت کی فکری و اعتقادی اور ایمانی و عملی زندگی کی پرواز اس سے بھی کہیں آگے جاتی ہے جب وہ حُبِّ رسول ﷺ کے تصور کو ایک مستقل اور جداگانہ و ناگزیر ایمانی ضرورت سمجھتے ہیں اور پھر اُنہوں نے حُبِّ رسول ﷺ کے عقیدے کا قرض بھی چکانا ہے اور حُبِّ رسول ﷺ کے نصاب پر عمل بھی کر کے دکھانا ہے تو ان کا یہ عقیدہ اُنہیں تنہا اور بے سہارا نہیں چھوڑتا بلکہ تصورِ محبت خود ہی ان کی دستگیری کرتے ہوئے انہیں دَورِ نبوی کی طرف موڑ دیتا ہے۔ حُبِّ رسول ﷺ کے عقیدے میں ان کا اخلاص اور حُبِّ نبوی میں فنائیت انہیں شمعِ رسالت کے اوّلیں پروانوں یعنی اصحاب النبی کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اور زبانِ حال سے اُن سے یہ کہلواتی ہے کہ جس طرح حُبِّ الٰہی کا نصاب اتباعِ رسول ٹھہرا، اسی طرح حُبِّ رسول ﷺ کا عملی نصاب اتباعِ صحابہ ہے۔ جس طرح حُبِّ الٰہی کا قرض ایک مخلص و وفادار مومن اتباعِ رسول ﷺ کی صورت میں چکاتا ہے، اسی طرح حُبِّ رسول ﷺ کا قرض چکانے کے لئے بھی اس کے پاس اتباعِ صحابہ ﷺ کی پونجی موجود ہے۔ اسے کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ حُبِّ رسول ﷺ کا قرض چکانے کیلئے اس کے پاس اسوۂ صحابہ کا خزانہ موجود ہے۔ ایک ایک صحابی کے پاس اُسے اپنے آقا و مولا سیّد الانبیاء کے ساتھ تعلقِ محبت نبھانے کیلئے ہدایت و رہنمائی کے نو بہ نو صحیفے ملیں گے۔ حضور ﷺ کا ہر ہر صحابی اسے حُبِّ رسول ﷺ کا چلتا پھرتا نصاب نظر آئے گا۔ حضور ﷺ کا ہر ہر جاں نثار اُسے حُبِّ رسول ﷺ کے

گونا گوں عملی مظاہر کا ایک روشن مینار دکھائی دے گا۔ خاتم الانبیاء ﷺ کا ہر ہر صحابی اسے شانِ اصحابی کالنجوم کا مظہر بنا حُبِ رسول ﷺ کا نور بکھیرتا ستارہ نظر آئے گا۔ جس کی روشنی میں وہ محبوبِ خدا کی خدمت میں خراج محبت کے نوع بہ نوع نذرانے پیش کر سکتا ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ حُبِ الٰہی کا واحد ذریعۂ اظہار:

حُبِ رسول ﷺ کے مظاہر نوع بہ نوع اور بے شمار:

یہاں ایک اور ایمان افروز اعتقادی نقطہ پیش نظر رہے کہ حُبِ الٰہی کے اظہار کا واحد ذریعہ اتباعِ رسول ﷺ ہے جس طرح رب تعالیٰ توحید کی شان رکھتا ہے اسی طرح اس سے اظہارِ محبت کا معیار بھی وحدت کی شان رکھتا ہے اور اندریں سلسلہ اوّلیں و آخری، حتمی و قطعی اور واحد معیار حضور ﷺ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع سے ہٹ کر حُبِ الٰہی کا قرض چکانے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ دوسری طرف حُبِ رسول ﷺ کے عملی اظہار کیلئے مابعد طبقات اُمت نے اصحاب النبی کی اتباع کرنی ہے تو جس طرح صحابہؓ اپنی تعداد میں غیر معین اور اَن گنت ہیں اسی طرح اظہارِ محبت کے ذرائع بھی غیر معین اور گونا گوں ہیں۔ نہ اس سلسلے میں کوئی مقرر اور طے شدہ معیار ہے اور نہ ہی کوئی مخصوص طریقہ یا لگا بندھا ذریعۂ اظہار۔ اصحاب النبی اپنے آقا ﷺ کے حضور نوع بہ نوع طریقوں سے خراجِ محبت پیش کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے اعضائے مبارکہ کے بوسے لیتے۔ آپ ﷺ کے متعلقات و منسوبات اور آثار کی بلائیں لیتے۔ وہ آپ ﷺ کے موئے مبارک، ناخن مبارک کے تراشوں اور مائے وضو کے قطرات پر جانیں نچھاور کرتے تھے۔ صحابہؓ کس کس طرح اور کیسے کیسے انداز میں آپ ﷺ کو خراجِ محبت پیش کرتے تھے، کتب احادیث و سیر میں ہزار ہا روایات موجود ہیں۔ صحابہ حضور ﷺ کی نعتیں لکھتے، ایک دوسرے کو سناتے، ایک دوسرے سے ذکرِ رسول کی فرمائش کرتے۔ اسی طرح صحابہ و صحابیاں آپ ﷺ کے ساتھ گذرے ہوئے ایام اور خاص خاص مواقع پر آپ ﷺ سے منسوب حسین یادوں کو جس طرح حرزِ جاں بنائے رکھتے تھے کتب روایات کے ہزاروں صفحات ان پر

بھی شاہد ہیں۔ غرضیکہ اصحاب النبی ﷺ کی زندگی کے شب و روز مابعد طبقاتِ اُمت کو حُبِ رسول ﷺ کا ایک ایسا ایمان پرور نصاب فراہم کرتے ہیں جو اتباعِ رسول ﷺ میں کیے گئے تمام اعمال کا تزکیہ کرتا، ان کا مول بڑھاتا اور ربِ محمد ﷺ کی بارگاہ قبولیت کی اہلیت عطا کرتا ہے۔

اتباعِ صحابہؓ میں اہلِ محبت کے چند ایمان افروز معمولات:

(i) تقبیلِ ابہامین یعنی انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

(ii) نعرۂ رسالت ''یارسول اللہ'' کا ایمان پرور معمول

(iii) محافلِ نعت اور ذکرِ رسول کی مجالس

(iv) صلوٰۃ وسلام کا ایمان افروز و روح پرور معمول

(v) عیدوں کی عید ''جشنِ میلاد النبی'' کی باطل شکن روایت

ان تمام موضوعات پر تفصیلی گفتگو انشاء اللہ تصنیف ہذا کے اگلے ایڈیشن میں ہوگی۔

تمت

میں نے شخصی جذبات سے الگ ہو کر علامہ محمد جاوید القادری صاحب کا شریعت و تصوف اور حب الٰہی وحب رسولؐ اور حضورؐ کی تعلیماتی سیرت اور مختلف تعلیماتِ دین پر ان کا منظوم ومنشور (نثر میں) کلام دیکھا۔ میں نے آپ کو دورِ حاضر کا رومی و جامی پایا۔ آپ زبان و بیان اور لغات میں بحرِ عمیق اور محبت نبوی میں نائبِ صدیقؓ ہیں۔ آپ نے ہر صحابی اور بالخصوص خلفائے راشدہ کو اپنے اپنے مقام پر فائز رکھا اور محبت اہل بیت کو روح ایمان قرار دیا۔ آپ کے کلام سے ایمان کی تجدید ہوتی ہے۔

نیز مقامِ صحابیت پر قرآن کی شہادت اور وہ بھی اس طرح کہ اسے اصحاب نبی کی تربیت کے لئے الوہی نصاب کے طور پر پیش کیا جائے علامہ محمد جاوید القادری صاحب پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم حضورؐ کی نگاہ معجزانہ کا فیض اور آقائے نامدار کی خصوصی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ آپ نے جس طرح معارفِ قرآنی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اور جس کیفیت جذب و مستی کے ساتھ یہ کام کیا ہے اور اپنا ثمرہِ تحقیق امت مسلمہ کے سامنے لائے ہیں اس سے تو یوں لگتا ہے کہ ان کا دل قلوب صحابہ کے انوار کا مہبط بن کرامت کے لئے مقام صحابیت کی اشاعت وتبلیغ کا سرچشمہ بن گیا ہے۔ قادری صاحب کی اس منفرد اور تاریخی تحقیق کا نور ان کے اخلاص کی تفسیر بن کر تا قیامت امتِ مصطفوی کے دلوں کو جگمگاتا رہے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی فقاہت، حکمت و تحقیق اور ظاہری وباطنی علمی قوت سے ہر مسلمان کو مستنیر، مستفیض اور مستفید فرمائے۔ آپ کی اہل کے لئے باعث نجات اور آپ کی نسل کے لئے باعث افتخار اور آپ کے لئے عظمت وقبولیت کا موجب بنائے۔

آمین ثم آمین بجاسید المرسلین

خادم امت محمدیہ

محمد عبد المالک لقمانوی

ہیرو (لندن) برطانیہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ء